مَنَاهِجُ الْمُفَسِّرِيْنَ

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

الصندلیة

مَنَاهِجُ الْمُفَسِّرِيْنَ

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

مَنَاهِجُ المُفَسِّرِين

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

فاضل وفاق المدارس الاسلامیة

مولوی فاضل، پی ایچ ڈی [پشاور]

[علوم اسلامیہ]

انتساب

امتِ محمدیہ کی اُن پاک باز ہستیوں

کے نام

جنہوں نے قرآن مجید اور اس کے علوم کو سینے سے لگائے رکھا

اور

جن کی کاوشوں سے اسلام، دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہا۔

كَثَّرَ اللّٰهُ فِينَا أَمْثَالَهُمْ

فہرسِ مضامین

اَللّٰھُمَّ!

إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَآءُكَ.

اَللّٰھُمَّ!

إِنِّي أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهٗ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهٗ أَحَداً مِّنْ خَلْقِكَ أَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلآءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّي.

اے اللہ!

میں تیرا غلام، تیرے غلام کا بیٹا اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیری مُٹھی میں ہے۔ مجھ پر تیرا حکم جاری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ حق ہے۔

اے اللہ!

میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کے واسطہ سے جو تیرا ہے، جس سے تو نے اپنے آپ کو پکارا ہے، یا جس کو تو نے اپنی کتاب میں اُتارا ہے، یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنے علم غیب میں جس کو تو نے اپنے لیے مخصوص کیا ہے، یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن مجید کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و پریشانی کا علاج بنا دے۔

وأنا عبدك الضعيف النحيف

ڈاکٹر سراج الإسلام حنیف

مقدمة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ لُطْفُكَ دَائِماً

اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ (١).

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (٢).

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً (٣).

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

---

(١) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ: الأحاديث كلهامتفقة على أن نستعينه ونستغفره ونعوذبه، بالنون، والشهادتان بالإفراد. قال شيخ الإسلام ابن تيمية: لما كان كلمة الشهادة لايتحملهاأحدعن أحدٍ ولاتقبل النيابة بحال، أفردَالشهادة بها، ولما كانت الإستعانة والإستعاذة والإستغفاريقبل ذلك، فيستغفرالرجل لغيره، ويستعين الله لغيره، ويستعيذ باللّٰه له، أتى فيهابلفظ الجمع، ولهذايقال: أللهم أعِنّاو أعِذناواغفرلنا. [تہذیب السنن ۳:۵۴]

''اس حدیث کے تمام طُرُق میں نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُبِهٖ نون [جمع متکلم] کے ساتھ آئے ہیں، جب کہ کلمہ شہادت میں اِفراد [واحد متکلم] کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے اس کے لیے مفرد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ استعانت، استعاذہ اور استغفار میں لوگ ایک دوسرے کی نیابت کرسکتے ہیں، اس واسطے ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔''

کچھ لوگوں نے اس مسنون خطبہ کا شکل ہی بگاڑ دیا ہے، اس میں اَشْهَدُ کے بجائے نَشْهَدُ پڑھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بابرکت الفاظ کو ناکافی جان کر اس میں وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ کا اضافہ کر کے سنت میں تحریف کے مرتکب ہورہے ہیں۔

(٢) سورۃ آل عمران ۳:۱۰۲ (٣) سورۃ النساء ۴:۱

ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً (۱)

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ.

تفسیر اور اصول تفسیر سے متعلق عربی زبان میں تحقیقی مواد بکثرت موجود ہے۔ اردو زبان کا دامن اگرچہ اس سے بالکلیہ خالی تو نہیں لیکن تحقیقی کام بہت کم ملتا ہے، اس لیے عبدالولی خان یونیورسٹی مردان کے بورڈ آف سٹڈیز نے راقم کے ذمے یہ بات لگائی کہ میں مناہج المفسرین کے عنوان کے تحت ایک تالیف ترتیب دوں جو علوم اسلامیہ میں M.A کے طلباء کی بنیادی علمی ضرورتوں کو پورا کرے۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس کتاب کے مندرجات اور اس کا خاکہ بورڈ آف سٹڈیز کا تجویز کردہ ہے۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ طلباء کرام کی اس بارے میں درست سمت رہنمائی کر سکوں۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلباء کی بنیادی علمی ضرورت کو پورا کر سکے گی۔

مفسرین کے مناہج

مَناهِج، مَنهَج کی جمع ہے۔ مَنهَج نکلا ہے نَهْجٌ سے۔ النَّهْجُ اور المِنهَاجُ واضح راستے کو کہتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں: اَنهَجَ الطَّرِيْقُ وَالأَمْرُ یعنی راستہ اور معاملہ واضح ہو گیا۔ نَهَجَ الأَمْرُ کے بھی یہی معنی ہیں۔ فُلَانٌ اِسْتَنهَجَ طَرِيْقَ فُلَانٍ کے معنی ہیں: فلاں شخص فلاں کے طریقہ پر چلا۔ قرآن مجید میں ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَاتَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنهَاجاً وَّلَوْشَاءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِن لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰكُمْ (۲)

”تو اُن کے درمیان فیصلہ کرو اُس کے مطابق جو اللہ نے اُتارا اور اُس حق سے ہٹ کر، جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کے خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ضابطہ اور ایک طریقہ ٹھہرایا اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا لیکن اُس نے چاہا کہ اس

---

(۱) سورۃ الاحزاب ۳۳: ۷۰-۷۱

(۲) سورۃ المائدۃ ۵: ۴۸

چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو بخشی (۱)"۔

منہج کو ہم اسلوب اور طریقہ نگارش کہہ سکتے ہیں۔ بعض مفسرین اپنی تفاسیر میں اپنا تفسیری منہج اور اُن قواعد وضوابط کا ذکر کرتے ہیں جن کی روشنی میں وہ اپنی تفسیر ترتیب دیتے ہیں جب کہ بعض تفاسیر کے مطالعہ کے بعد اُن کا منہج تفسیر سامنے آتا ہے۔

میں نے اپنی بساط کے مطابق خوب کوشش کی ہے کہ بہتر انداز میں اس کو ترتیب دے سکوں۔ اس میں کوئی خوبی ہے تو اللہ رب العالمین کا احسان ہے جس کا میں شکر ادا کرتا ہوں اور اگر کوئی کمی یا خامی ہے تو میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے جس کی میں اپنے رب رحمٰن ورحیم سے معافی کا خواست گار ہوں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

۲۷-رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ = ۱۷-اگست ۲۰۱۱ء

---

(۱) اس آیت میں لِکُلٍّ سے مراد تین گروہ: یہود نصاریٰ اور مسلمان ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شِرعَة اور مِنھَاج مقرر کیا ہے۔ شِرعَة اور مِنھَاج سے مراد شریعت کا وہ ظاہری ڈھانچہ اور قالب ہے جو دین کے حقائق کو بروئے کار لانے کے لیے ہر مذہب میں اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً عبادتِ الٰہی ایک حقیقت ہے جس کو مختلف مذاہب میں نماز، قربانی اور حج کی مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض کے لیے قالب خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے، اسی وجہ سے یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے کے لیے شِرعَة اور دوسرے کے لیے مِنھَاج کا۔ جہاں تک دین کے حقائق کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے غیر متغیر ہیں اور غیر متغیر رہیں گے لیکن شریعت کے ظواہر ورسوم ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمائے تاکہ یہ چیز امتوں کے امتحان کا ذریعہ بنے اور وہ دیکھے کہ کون ظواہر ورسوم کے تعصب میں گرفتار ہو کر حقائق سے منہ موڑ لیتا ہے اور کون حقیقت کا طالب بنتا ہے اور اس کو ہر شکل میں قبول کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے جس میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے سامنے آتی ہے۔ [تدبر قرآن ۲:۵۳۴-۵۳۵]

فصل اول

تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لفظ تفسیر کا مادہ "ف، س، ر" ہے جس کے لغوی معنی صاحب لسان العرب (۱) نے یہ بیان کیے ہیں:

الفَسرُ: البیانُ، فَسَّرَ الشيءَ یفسِره بالکسر ویفسُره بالضم فَسْراً وفَسَّره: أبانَه، والتفسیر مثله، الفسر: کشف المُغَطّی، والتفسیر کشفُ المراد عن اللفظ المشکل (۲)

"فَسْرٌ کے لغوی معنی ہیں: اظہار و بیان، اس کا فعل باب ضَرَبَ اور نَصَرَ دونوں سے آتا ہے۔ تفسیر کا مفہوم بھی یہی ہے۔ فَسْرٌ بے حجاب کرنے کو کہتے ہیں۔ تفسیر کرتے وقت بھی مشکل لفظ کے معنی و مفہوم کو گویا بے حجاب کر دیا جاتا ہے۔"

مفسر ابو حیان اندلسی (۳) لکھتے ہیں: ویُطلَق أیضاً التفسیرُ علی التَّعرِیَةِ للإنطلاق، قال ثعلب: نقول: فسرتُ الفرس عَرَیتُهُ، لینطلق في حصره وهو راجع لِمعنی الکشف فکأنه کشف ظهره لهذا الذي یریده منه من الجَري (۴)

"سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی تفسیر کہتے ہیں۔ ثعلب نحوی (۵) کا بھی یہی قول

---

(۱) محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل، جمال الدین ابن منظور انصاری رویفعی افریقی، صاحبُ لسان العرب، امام لغوی اور حجۃ تھے۔ سیدنا رویفع بن ثابت انصاری ﷺ کی نسل میں سے تھے۔ مصر میں ۶۳۰ھ = ۱۲۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُن کی ولادت طرابلس الغرب میں ہوئی۔ طرابلس میں قضا کے عہدہ پر رہ چکے ہیں۔ ۷۱۱ھ = ۱۳۱۱ء کو مصر میں وفات پائی۔ [فوات الوفیات ۲:۲۶۳، ترجمہ: ۴۹۶، الاعلام ۷:۱۰۸]

(۲) ابن منظور: لسان العرب ۱۰:۲۶۱، دار احیاء التراث العربی ۱۹۸۸ء

(۳) محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان غرناطی، اندلسی، تفسیر، حدیث، تراجم اور لغات کے مسلمہ عالم تھے۔ غرناطہ میں ۶۵۴ھ = ۱۲۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ مالقۃ چلے گئے، وہاں سے قاہرہ منتقل ہوئے، جہاں ۷۴۵ھ = ۱۳۴۴ء کو وفات پا گئے۔ [الدرر الکامنۃ ۴:۳۰۲، الاعلام ۷:۱۵۲]

(۴) البحر المحیط ۱:۱۳، دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء

(۵) احمد بن یحییٰ بن زید بن سیار شیبانی، ابو العباس، نحو اور لغت میں اہلِ کوفہ کے امام تھے۔ محدث تھے اور صدق لہجہ اور حفظ سے مشہور تھے۔ بغداد میں ۲۰۰ھ = ۸۱۶ء کو پیدا ہوئے اور وہیں ۲۹۱ھ = ۹۰۴ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۵:۲۰۴، الاعلام ۱:۲۶۷]

ہے۔ظاہر ہے کہ ننگا کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے' اس لیے کہ زین اتارنے سے پیٹھ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔''

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

امام زرکشی (۱) تفسیر کے اصطلاحی معنی یوں بیان کرتے ہیں:

التفسیر علمٌ یعرف به فهم کتاب الله المنزل علی نبیه محمدﷺ و بیان معانیه و استخراج أحکامه و حکمه (۲).

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی مدد سے کتاب اللہ — جو سیدنا محمدﷺ پر نازل ہوئی — کا فہم' اس کے معانی کا بیان اور اس کتاب کے اَحکام کا اِستخراج اور اس کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔''

تاویل

کتبِ فن میں تفسیر کا ایک مترادف لفظ ''تاویل'' بھی مستعمل ہے۔ تاویل باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے جس کا ماخذ اَوْلٌ ہے جو آلَ یَؤُلُ کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹنا۔ باب تفعیل چونکہ متعدی ہے اس لیے تاویل کا لغوی معنی ہے: لوٹانا۔

امام راغب اصفہانی (۳) لکھتے ہیں: التأویل من الأوْلِ أي: الرجوع إلی الأصل' و منه المَوئِلُ' للموضع الذي یُرجعُ إلیه' و ذلك هو رد الشیء إلی الغایةِ المرادةِ منه (۴).

---

(۱) محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی' ابوعبداللہ' بدرالدین' ترکی الاصل اور شافعی المسلک تھے۔ ۷۴۵ھ=۱۳۴۴ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ کئی فنون وعلوم میں مفید کتابیں لکھیں۔ ۷۹۴ھ=۱۳۹۲ء کو مصر ہی میں وفات پائی۔

[الدرر الکامنۃ ۳: ۳۹۷' الاعلام ۶: ۶۰]

(۲) زرکشی' البرہان فی علوم القرآن ۱: ۱۳' دار المعرفہ بیروت' بدون تاریخ

(۳) حسین بن محمد بن مفضل ابوالقاسم اِصبہانی [اِصفہانی] ادیب' حکیم اور عالم تھے۔ اِصبہان سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں امام غزالی کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ۵۰۲ھ=۱۱۰۸ء کو وفات پائی۔ [روضات الجنات: ۲۴۹' الاعلام ۲: ۲۵۵]

(۴) راغب اصفہانی' المفردات فی غریب القرآن: ۳۱' دار المعرفۃ، بیروت' بدون تاریخ

''تأوِیلٌ کالفظ اَوْلٌ سے ماخوذ ہے، یعنی: اپنی اصل کی طرف لوٹنا اور اسی سے مَوئِلٌ اُس جگہ کو کہتے ہیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔ تاویل کا معنیٰ بھی کسی چیز کو اُس کی اصل غرض و غایت اور مقصد و مراد کی طرف لوٹانا ہے۔''

امام ابن جریر طبری (۱) کی تفسیر کا نام جامعُ البیان عن تأویلِ آي القرآن اور قاضی بیضاوی (۲) کی تفسیر کا نام أنوارُ التنزیل و أسرار التأویل ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ درج ذیل معنوں میں مستعمل ہے:

[۱] تحریف: فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ (۳).

''تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں سے متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور اس میں تحریف تلاش کریں۔''

حافظ ابن کثیر (۴) لکھتے ہیں: أي: تحریفه علی مایریدون (۵).

''یعنی: اپنی مرضی کے مطابق معنیٰ نکالنے کے لیے تحریف کرتے ہیں۔''

[۲] تفسیر: وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ (۶).

''حالانکہ اس کی تفسیر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

[۳] انجام و نتیجہ: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۷).

''پس اگر تمہارے درمیان کسی امر میں اختلاف رائے واقع ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ

(۱-۲) ان کا ترجمہ آگے متن میں مذکور ہوگا۔

(۳) سورۃ آل عمران ۳:۷

(۴) ان کا ترجمہ آگے متن میں مذکور ہوگا۔

(۵) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۹، دار عالم الکتب، الریاض، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء

(۶) سورۃ آل عمران ۳:۷

(۷) سورۃ النساء ۴:۵۹

اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ [طریقہ] بہتر اور باعتبار مآل [نتیجہ] اچھا ہے۔"

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً (۱)

"اور جب تم ناپو تو ناپ پوری رکھو اور وزن صحیح ترازو سے کرو۔ یہی بہتر اور مآل کار کے اعتبار سے خوب تر ہے۔"

[۴] حقیقت: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِىْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (۲)

"یہ لوگ بس اس کی حقیقت کے مشاہدے کے منتظر ہیں۔ جس روز اس کی حقیقت سامنے آئے گی وہ لوگ جنہوں نے اس کو پہلے سے نظر انداز کیے رکھا، بول اُٹھیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔"

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّىْ حَقًّا (۳)

"یہ میرے خواب کی حقیقت ہے [جسے] اس سے قبل [دیکھا تھا] میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا (۴)۔"

[۵] تاویل رؤیا، یعنی: خوابوں کی تعبیر، جیسے:

- نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۵)

"ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہم تمہیں خوب کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔"

- قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا (۶)

"اُس نے کہا: جو کھانا تمہیں ملتا ہے، وہ آئے گا نہیں مگر میں اُس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔"

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۳۵ (۲) سورۃ الاعراف ۷:۵۳ (۳) سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۰

(۴) اس آیت کی یہ تاویل امام حیری نیشاپوری نے وُجوہُ القرآن صفحہ: ۱۳۴ میں اور امام دامغانی نے اپنی کتاب الوُجوہُ والنظائر لألفاظ الکتاب العزیز میں صفحہ: ۱۴۴ پر کی ہے۔

(۵) سورۃ یوسف ۱۲:۳۶ (۶) سورۃ یوسف ۱۲:۳۷

-یٰاَیُّھَاالْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ.(۱)

''اے درباریو! میرے رؤیا کی مجھے تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو۔''

-وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ.(۲) ''اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں۔''

-اَنَا اُنَبِّئُکُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ.(۳) ''میں تم کو اس کی تعبیر بتاؤں گا۔''

[۶] توجیہ اور مصلحت: سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا.(۴)

''میں تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں تم کو ان کاموں کی توجیہ اور مصلحت جن پر تم صبر نہیں کر سکے تھے۔''

ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا.(۵)

''یہ ہے توجیہ اور مصلحت اُن کاموں کی جن پر تم صبر نہیں کر سکے تھے''(۶)۔

تاویل اور تفسیر کے مابین فرق

قرآن مجید میں ''تاویل'' کے جو معانی بیان ہوئے اُن سب میں اس لفظ کا اصل لغوی معنی و مفہوم ملحوظ رکھا گیا ہے اور دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو مذکورہ سارے استعمالات اور اطلاقات میں راجع کرنے اور لوٹانے کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لحاظ سے تفسیر اور تاویل مترادف ہوئے اور کچھ عرصے تک لفظ تاویل، تفسیر کے معنی میں استعمال ہوتا رہا چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دعاء وارد ہے:

اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ.(۷)

''یا اللہ! اسے دین میں فقاہت عطا فرما اور اسے قرآن کے معانی و مفاہیم کا علم عنایت فرما۔''

---

(۱) سورۃ یوسف ۱۲:۴۳ (۲) سورۃ یوسف ۱۲:۴۴

(۳) سورۃ یوسف ۱۲:۴۵

(۴) سورۃ الکہف ۱۸:۷۸

(۵) سورۃ الکہف ۱۸:۸۲

(۶) الوجوہ والنظائر، مقاتل بن سلیمان: ۳۷، وجوہ القرآن، حیری: ۱۳۴، الوجوہ والنظائر، دامغانی: ۱۴۳-۱۴۴

(۷) مسند امام احمد ۱:۲۶۶، ۳۱۴، ۳۲۸، ۳۳۵، صحیح ابن حبان ۱۵:۵۳۱، برقم: ۷۰۵۵

امام ابن قتیبہ [1] کی تاویل مشکل القرآن، امام طبری کی جامع البیان فی تاویل القرآن اور امام ماتریدی [2] کی تاویلات القرآن [3] اور تاویلات اہل السنۃ [4] تفسیر کی معروف کتابیں ہیں جو سند کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں کہ سلف صالحین کے ہاں تفسیر اور تاویل مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیے جاتے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ کی کتاب کا موضوع اکثر و بیشتر مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح ہے اور امام طبری کا طریقہ یہ ہے کہ مطلوبہ آیات لکھنے کے بعد تـأويل هذه الآية لکھ کر تفسیر کرتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: التفسير أعم من التأويل، وأكثر استعماله في الألفاظ، وأكثر استعمال التأويل في المعاني كتأويل الرؤيا، وأكثره يستعمل في الكتب الإلهية، والتفسير يستعملُ في غيرها والتفسير أكثره يستعمل في [معاني] مفردات الألفاظ والتأويل أكثره يستعملُ في الجمل. فالتفسير إما أن يستعمل في غريب الألفاظ كالبحيرة والسائبة والوصيلة، أوفي تبيين وشرحٍ كقوله: وأقيموا الصلوة وآتوا الزكوة، وإمّا في كلام مضمن لقصة لايُمكن تصويره إلا بمعرفتها نحو قوله تعالى: انما النسيء زيادة في الكفر

---

(۱) ان کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری تھا۔ ادب کے بہت بڑے امام تھے۔ ۲۱۳ھ=۸۲۸ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ تک دینور کے قاضی رہے ہیں اس لیے دینوری کہلائے۔ بغداد ہی میں ۲۷۶ھ = ۸۸۹ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۴۲، الاعلام ۴: ۱۳۷]

(۲) محمد بن محمد بن محمود الماتریدی، علمائے کلام کے ائمہ میں سے تھے۔ سمرقند کے ایک محلہ ماترید کی طرف منسوب ہیں۔ اَن گنت مفید کتابیں لکھیں۔ ۳۳۳ھ=۹۴۴ء کو سمرقند میں وفات پائی۔
[الجواہر المضیئۃ: ۳۷۵:۵، ترجمہ: ۱۴۷۷، الاعلام ۷: ۱۹]

(۳) علامہ قرشی لکھتے ہیں: و كتاب تأويلات القرآن وهو كتابٌ لايوازيه فيه كتابٌ، بل لايُدانيه شيء مِن تصانيف مَن سبقه في ذلك الفن. [الجواہر المضیئۃ: ۳۷۵:۵، ترجمہ: ۱۴۷۷]
''تاویلات القرآن اپنے موضوع پر ایک بے مثال کتاب ہے بلکہ اسی فن میں متقدمین کی کوئی بھی تصنیف اس کے مقابلہ کی نہیں۔''

(۴) تاویلات اہل السنۃ دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور ڈاکٹر مجدی باسلوم کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء کو شائع ہوئی ہے۔

وقوله تعالى:وليس البربان تاتوا البيوت من ظهورها وأماالتأويل فإنه يستعمل مرةً عاما ومرةً خاصاً، نحو "الكفر" المستعمل تارةً في الجحود المطلق، وتارةً في جحود الباريء خاصة، و"الإيمان" المستعمل في التصديق المطلق تارةً وفي تصديق دين الحق تارةً، و إمّا في لفظ مشترك بين معاني مختلفةٍ نحو لفظة وجد المستعمل في الجدة والوجد والوجود.(۱)

"تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر [چیز] ہے اور اس کا زیادہ تر استعمال لفظوں اور مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے جب کہ تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتب الٰہیہ کے بارے میں ہوتا ہے اور تفسیر کو آسمانی کتب اور ان کے سوا دوسری کتابوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تفسیر کا استعمال یا تو غریب الفاظ(۲) میں ہوتا ہے جیسے بَحِیْرَةٌ(۳) سَائِبَةٌ(۴) اور وَصِیلَةٌ(۵) میں یا کسی وجیز لفظ میں بطور شرح بیان کرنے کے جیسے: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ(۶) میں اور یا کسی ایسے کلام میں تفسیر کا استعمال ہوتا ہے جو کسی قصہ

---

(۱) راغب اصفہانی، مقدمۃ التفسیر: ۵۸۶، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، بدون تاریخ، البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۴۹-۱۵۰، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۵۲-۱۵۳، نوع: ۷۷

(۲) غریب کے معنی: عجیب، نادر، نامانوس یا غیر ملکی کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن وحدیث کے اُن نادِر الفاظ کے لیے اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے جن کا مطلب ومفہوم بہت سے لوگوں پر واضح نہیں ہوتا۔

(۳) بحیرہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے پانچ بچے پیدا ہو چکے ہوتے اور اُن میں آخری نر ہوتا ایسی اونٹنی کے کان چیر کر اُس کو آزاد چھوڑ دیتے، نہ اُس پر سواری کرتے اور نہ اُس کا دودھ دوہتے۔

(۴) سَیَّبَ کے بنیادی معنی دوام اور تسلسل کے ساتھ چلتے رہنے کے ہیں۔ [معجم مقاییس اللغۃ: ۴۷۷]

سَیَّبْتُ کے معنی ہیں: میں نے اس چیز کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جہاں چاہے جائے۔ اسی مادہ سے السَّائِبَۃُ ہے۔ سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے متعلق اس کا مالک اپنی کسی بیماری میں یہ مَنّت مانتا کہ اگر اس کو شفا ہوگئی تو وہ اس کو دیوتاؤں کے نام آزاد چھوڑ دے گا، نہ اُس پر سواری کرے گا اور نہ اُس کا دودھ دوہے گا۔

(۵) بکری اگر مادہ جنتی تو اس کو اپنا حصہ سمجھتے۔ نر جنتی تو اس کو اپنے معبودوں کا حصہ سمجھتے اور اگر نر و مادہ دونوں ایک ساتھ جنتی تو اس کو وصیلہ کہتے اور ایسے نر کو بتوں کی نذر کے قابل نہ سمجھتے۔

[تدبر قرآن ۲: ۶۰۱-۶۰۲، بذیل تفسیر سورۃ المائدۃ ۵: ۱۰۳]

(۶) سورۃ البقرۃ ۲: ۴۳

پر مشتمل ہو اور اُس کلام کا تصور میں لانا بغیر اس قصہ کی معرفت کے ممکن نہ ہو جیسے ان آیات میں:

-اِنَّمَا النَّسِیْءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ (۱) . ''بے شک نَسِیْءٌ (۲) کفر میں ایک اِضافہ ہے۔''

-وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُہُوْرِہَا (۳) .

---

(۱) سورۃ التوبۃ ۳۷:۹

(۲) نَسَا کے معنی مؤخر کرنے اور پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ اسی سے: نَسَا الْبَعِیْرُ: دَفَعَہٗ عَنِ الْحَوْضِ ہے، جس کے معنی ہیں: اونٹ کو پانی کے گھاٹ پر پہنچنے سے روک دیا۔ نَسَا الرَّاعِي في ظمأ الإبل: چرواہے نے اونٹوں کے پانی پلانے کو چند دن پیچھے ہٹا دیا۔ اسی سے نَسِیْءٌ کا اسم بنالیا گیا ہے، جس سے عرب جاہلیت کی اصطلاح میں وہ مہینہ مراد ہوتا ہے جس کو چند دن پیچھے ہٹا کر اس کے دنوں میں اضافہ کر دیتے تھے۔ شمسی سال قمری سال سے تقریباً گیارہ دن زیادہ ہوتا ہے۔ قمری سال کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اہل عرب یہ کرتے کہ اس میں کمی کے بقدر اضافہ کر دیتے جن کی عملی شکل یہ تھی کہ ہر آٹھ سالوں میں تین ماہ بڑھائے جاتے، گویا ہر دوسرے یا تیسرے سال کے خاتمہ پر ایک ماہ کبیسہ کا ہوتا۔ اس طرح اپنے زعم کے مطابق انہوں نے قمری مہینوں بالخصوص اشہرِ حرم کا احترام بھی قائم رکھا تھا اور اپنے تجارتی فوائد و مصالح کے نقطہ نظر سے اس کو شمسی بھی بنالیا تھا۔ اہل عرب نے تو یہ اس تخیل کے تحت کیا کہ اس طرح اشہرِ حرم کی تعداد بھی پوری ہو جاتی ہے جو دین داری کا مقتضیٰ ہے اور ان کا کاروباری مفاد بھی محفوظ ہو جاتا ہے لیکن قرآن مجید نے اُن کی اِس دین داری کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کو اُن کے کفر میں ایک اضافہ قرار دیا جو راہِ راست، دینِ قیم اور ملت ابراہیمی سے اُن کے مزید انحراف کا موجب ہوا۔

[تدبر قرآن ۳:۱۷۵]

(۳) سورۃ البقرۃ ۱۸۹:۲

امتوں کی یہ عام بیماری رہی ہے کہ آہستہ آہستہ لوگ دین کے اصلی احکام و فرائض تو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اُن کی خانہ پری بدعات اور رسوم سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل عرب پر بھی یہی گزری۔ یہ لوگ حج تو زمانہ جاہلیت میں بھی کرتے رہے لیکن اس کی اصل روح سے اس کو بالکل خالی کر کے اور رُسوم و اَوہام کا ایک گورکھ دھندا بنا کر۔ ازاں جملہ اُنھوں نے حج کے سلسلہ میں یہ بدعت ایجاد کر لی تھی کہ اِحرام باندھ چکنے کے بعد اگر انہیں گھروں میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آتی یا حج کے بعد جب گھروں میں واپس ہوتے تو اُن دروازوں سے گھروں میں داخل نہ ہوتے جن دروازوں سے نکلتے بلکہ مکانوں کے پچھواڑوں سے کسی دوسرے راستے سے داخل ہوتے۔ اس عجیب و غریب حرکت کا محرک یہ وہم رہا ہوگا کہ جن دروازوں سے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے نکلے ہیں، پاک ہو جانے کے بعد ان ہی دروازوں سے گھروں میں داخل ہونا خلافِ تقویٰ ہوگا۔ یہ وہم اسی طرح کا ایک وہم تھا جس طرح کے وہم میں وہ طواف کے معاملہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہت سے......

''اور تقویٰ یہ نہیں کہ تم گھروں میں اُن کے پچھواڑوں سے داخل ہو۔''

اور تاویل کا استعمال کہیں عام طور پر ہوتا ہے اور بعض دفعہ خاص امر کے انداز پر، جیسے لفظ ''کفر'' کہ یہ کبھی مطلق جُحود اور انکار کے لیے بولا جاتا ہے اور کہیں اللہ تعالیٰ سے انکار اور جُحود کے بارے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ''ایمان'' کا لفظ کہ یہ کہیں مطلق تصدیق کے معنی میں ہے اور بعض موقعوں پر تصدیقِ حق کے معنی میں، اور یا اس کا استعمال مختلف معنوں میں مشترک لفظ میں ہوتا ہے جیسا کہ اَلْجِدَّةُ، الْوَجْدُ اور الْوُجُوْدُ کے معنوں میں بالاشتراک مستعمل ہے۔''

......عرب جاہلیت میں ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے، غالباً اُن کا خیال یہ رہا ہوگا کہ لباس، جو زینت و آرائش کی چیزوں میں داخل ہے، اس کی کوئی دھجی بھی زہد و رہبانیت کی اس عبادت میں جسم سے لگی کیوں رہ جائے۔ قرآن مجید نے اس بدعت کی تردید کی اور فرمایا کہ گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہو، اس سے تقویٰ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا البتہ آخرت کی فلاح اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی مطلوب ہے تو اُس کے حدود کی پاس داری ملحوظ رکھو اور اس سے برابر ڈرتے رہو۔ حج سے اصل مقصود یہی تقویٰ ہے۔ [تدبر قرآن ا: ۴۷۳-۴۷۴]

تفسیر کا اِرتقاء

۱۔ تفسیر عہد رسالت میں

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کے نزول کے وقت جو لوگ موجود تھے ان کی مادری زبان عربی تھی اس لیے انہیں قرآن مجید کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی، تاہم بعض مقامات میں جو اِجمال موجود ہیں ان کے بارے میں صحابہ کرام ؓ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کرلیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ دیگر مناصبِ جلیلہ پر فائز کیا تھا ویسا ہی ایک منصبِ عالی قرآن مجید کے مفسر و ترجمان ہونے کا بھی تھا چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱)

''اور ہم نے تم پر یاددہانی اتاری تاکہ تم لوگوں پر اُس چیز کو اچھی طرح واضح کردو جو اُن کی طرف اتاری گئی ہے۔''

چنانچہ تفسیر کا سب سے پہلا بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو مختلف کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔

۲۔ تفسیر عہدِ صحابہ کرام ؓ میں

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلامی فتوحات کا دائرہ آگے بڑھا اور تمدن میں وسعت آئی تو دینی احکام میں نئی نئی صورتیں پیش آنے لگیں اس کے زیرِ اثر قرآن مجید کی آیات و احکام پر غور و فکر کرنے کی بناء پڑی۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تمام صحابہ کرام ؓ فہمِ قرآن میں برابر نہ تھے اور تفسیر کا طرز و انداز بھی مختلف تھا۔ صحابہ کرام ؓ قرآن مجید کی وہی تفسیر بیان کرتے جو انہوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی یا جس آیت کا سببِ نزول انہیں خود معلوم ہوتا یا جو چیز بطریقِ اجتہاد اُن

---

(۱) سورۃ النحل ۴۴:۱۶

پر منکشف ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان دس اکابر کو اس فن میں امتیاز حاصل تھا (۱)۔

۱۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابو بکر صدیق [عبداللہ] بن ابی قحافہ [عثمان] رضی اللہ عنہما بن عامر، تیمی، قرشی، بالغ مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے والد، والدہ، بیوی اور اولاد سب صحابہ ہیں، یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہے۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب کو منہ لگایا۔ ۱۱ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے، ان کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ اور ۱۵ دن ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات ۱۴۲ ہیں (۲)۔

آپ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے روایات کے قبول کرنے میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا (۳)۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں روایات واحادیث کے سلسلے میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا۔ آپ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۴) کی دادی کے میراث سے متعلق روایت پر اُس وقت تک عمل درآمد نہیں کیا جب تک سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (۵) نے اُن کی تصویب نہیں

---

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: اشتَهرَ بالتفسير من الصحابة عشرة: الخلفاء الأربعة، وابن مسعود، وابن عباس وأبي بن كعب وزيدبن ثابت وأبو موسى الأشعري وعبدالله بن الزبير رضي الله عنهم.

[الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۳، نوع ۸۰]

(۲) صفۃ الصفوۃ ۱-۲: ۱۰۳، ترجمہ: ۲، منہاج السنۃ النبویۃ ۳: ۱۱۸، الاعلام ۴: ۱۰۲

(۳) حافظ ذہبی لکھتے ہیں: وكان أوّل مَن احتاطَ في قبول الأخبار. [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲]

(۴) مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن مسعود ثقفی، ابو عبداللہ، طائف میں ۲۰ قبل ہجری، مطابق ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۵ ہجری کو مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ، جنگ یمامہ اور فتوحاتِ شام میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ جنگ قادسیہ، نہاوند اور ہمدان میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی مرویات ۱۳۶ ہیں۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو کوفہ میں وفات پائی۔

[الاصابہ ۳: ۴۵۲-۴۵۳، الاعلام ۷: ۲۷۷]

(۵) محمد بن مَسلمہ اوسی الانصاری الحارثی، ابو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ ۳۵ قبل ہجری = ۵۸۹ء کو پیدا ہوئے =

فرمائی(۱)۔

منکرین حجیت حدیث نے حافظ ذہبی (۲) کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (۳) کی زبانی لکھا ہے کہ: میرے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا جن کی تعداد پانچ سو تھی پھر ایک شب میں دیکھا گیا کہ وہ بہت زیادہ کروٹیں بدل رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کروٹیں کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے بدل رہے ہیں یا کوئی خبر آپ تک پہنچی ہے جسے سن کر آپ بے چین ہو رہے ہیں؟ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' جب صبح ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹی! ان حدیثوں کو لاؤ جو تمہارے پاس ہیں پھر آگ منگائی اور نسخہ کو جلا دیا (۴)۔

لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پانچ سو احادیث مٹانے کی روایت صحیح نہیں ہے۔ خود حافظ ذہبی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے (۵)۔

......اہل مدینہ میں سے تھے۔ بدر اور سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ = ۶۶۳ء کو وفات پائی۔ جنگ جمل اور صفین سے کنارہ کش رہے۔ [الاصابۃ ۳:۳۸۳' ترجمہ: ۸۰۶' الاعلام ۷:۹۷]

(۱) موطا امام مالک ۲:۵۱۳' کتاب الفرائض [۲۷] باب میراث الجدۃ [۸] حدیث:۴' سنن ابی داؤد' کتاب الفرائض [۱۳] باب فی الجدۃ [۵] حدیث: ۲۸۹۴' سنن ترمذی' کتاب الفرائض [۳۰] باب ماجاء فی میراث الجدۃ [۱۰] حدیث: [۲۱۰۱]

(۲) محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز' شمس الدین' ابوعبداللہ' حافظ' علامہ' محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں ۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ مزّی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۳:۳۳۶' الاعلام ۵:۳۲۶]

(۳) عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' ام المؤمنین' ۹ قبل ہجری = ۶۱۳م کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم وادب اور علوم دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ہوئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض [میراث] کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ۵۸ھ = ۶۷۸ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں۔ آپ سے [۲۲۱۰] احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔ [تلقیح فھوم أھل الاثر: ۳۶۳' الاعلام ۳:۲۴۰]

(۴) مقام حدیث: ۷

(۵) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ ۱:۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت بدون تاریخ

حافظ ذہبی کا اس روایت کو "لَا يَصِحُّ" کہنا صد فیصد درست ہے اس لیے کہ:

-۱: اس کی سند میں علی بن صالح ہے جو گیارہویں طبقہ کا مستور (۱) راوی ہے (۲)۔

-۲: ایک راوی موسی بن عبداللہ بن حسن علوی ہے، اگر چہ بعض محدثین اُس کی توثیق کرتے ہیں مگر امام بخاری (۳) فرماتے ہیں: فِيهِ نَظَرٌ (۴).

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: و كذا عادته إذا قال: فيهٔ نظرٌ" بمعني: أنه مُتَّهَمٌ (۵).

"اسی طرح اُن [امام بخاری] کی عادت ہے کہ جب [کسی راوی کے بارے میں] فِيهِ نَظَرٌ [کے الفاظ] کہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی مُتَّهَمٌ [یعنی: جھوٹ بولنے سے بدنام] ہے۔"

اُن کا یہ حکم وہ عمومی طور پر استعمال کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ذہبی "عبداللہ بن داؤد واسطی کے ترجمہ [حالاتِ زندگی] میں لکھتے ہیں: وقد قال البخاري (۶): فيه نظرٌ" و لايقول هذا إلّا فيمن يَتَّهِمُهُ غالباً (۷).

حافظ ذہبی ہی عثمان بن فائد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: قال البخاري: في حديثه نظرٌ"...... وقلَّ أن يكون عندالبخاري رجلٌ فيه نظرٌ إلّا وهو مُتَّهَمٌ (۸).

---

(۱) مجہول کی اَقسام میں سے ایک قسم ہے۔ محدثین کے نزدیک اگر کسی راوی سے ایک شخص نے روایت کی ہو، مگر اُس کی توثیق نہ ہوئی ہو تو وہ مجہول کہلاتا ہے۔ جس راوی سے دو یا دو سے زائد اَفراد نے روایت کی ہو مگر اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مستور کہلاتا ہے۔ مستور کی روایت قابل قبول نہیں۔

[ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، معرفت علوم الحدیث، ص: ۳۰۱، دار النوادر، لاہور ۲۰۱۱ء]

(۲) ابن حجر عسقلانی، تقریب التہذیب: ۴۳۳، ترجمہ: ۴۷۵۲، دار الیسر، مدینہ منورہ ۱۴۳۰ھ=۲۰۰۹ء

(۳) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، بخاری، ابوعبداللہ، امیر المؤمنین فی الحدیث۔ ۱۹۴ھ=۸۱۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۲۵۶ھ=۸۷۰ء کو خرتنگ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۵۵، الاعلام ۶: ۳۴]

(۴) عقیلی: ابوجعفر محمد بن عمرو، الضعفاء الکبیر ۴: ۱۵۹، ترجمہ: ۱۷۳۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، بدون تاریخ

(۵) ذہبی، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث: ۸۳، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ

(۶) التاریخ الکبیر ۵: ۸۲، الترجمۃ: ۲۲۶، دار الباز مکۃ المکرمۃ، بدون تاریخ

(۷) میزان الاعتدال ۲: ۴۱۶، ترجمہ: ۴۲۹۴، دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ

(۸) میزان الاعتدال ۳: ۵۱، ۵۲، ترجمہ: ۵۵۵۲

''امام بخاری نے اس کے بارے میں فِي حَدِيْثِهِ نَظَرٌ کے الفاظ استعمال کیے ہیں' اور بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ کسی راوی کے بارے میں امام بخاری نے ان الفاظ کا استعمال کیا ہو اور وہ راوی متہم ثابت نہ ہوا ہو۔''

معلوم ہوا کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاری فِيهِ نَظَرٌ کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں اس کی روایت موضوع اور منکر ہوتی ہے اور ان کے نزدیک یہ بدترین قسم کی جرح ہے''۔ (۱)

اس غیر صحیح اور موضوع روایت کو لکھ کر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (۲) لکھتے ہیں:

''ف: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا کہ انہوں نے پانسو [۵۰۰] احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں بہت کم نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو منبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں''۔ (۳)

یہ بات تو صد فی صد درست ہے کہ بلا تحقیق احادیث کی روایت ممنوع ہے' مگر شیخ الحدیث صاحب نے جو روایت پیش کی ہے وہ حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق صحیح نہیں۔

۲- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطّاب' قرشی' عدوی' کنیت ابو حفص تھی اور لقب فاروق۔ مکہ معظّمہ میں ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ سب سے

---

(۱) احمد محمد شاکر' الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث :۱۰۷' جمعية إحياء التراث الاسلامي' کویت ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء

(۲) محمد زکریا بن محمد یحیٰی' ولادت: ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ' تبلیغی جماعت کے سرپرست۔ کاندھلہ [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔ ۱۳۲۸ھ تک گنگوہ میں رہے۔ ۱۳۸۶ھ میں چوتھی بار حج کا موقع ملا مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲: ۱۴۴۳]

(۳) محمد زکریا: فضائل اعمال' حکایات صحابہ: ۸۸' سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعہ جلا دینا [۲] ناشر: خواجہ محمد اسلام لاہور

پہلے ان کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا۔جلیل القدر صحابی تھے۔نہایت شجاع، جری اور بہادر تھے۔ نوجوانانِ قریش میں سے تھے۔۱۳ھ کو خلیفہ چنے گئے ان کی عدالت ضرب المثل ہے، ان کے دور خلافت میں شام، عراق، بیت المقدس، مدائن، مصر اور جزیرہ فتح ہوئے۔بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔ سن ہجری کی ابتدا آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔آپ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷ احادیث روایت کی گئی ہیں ۲۳ھ=۶۴۴ء کو رحلت کر گئے۔جنازہ سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رومی (۱) نے پڑھایا (۲)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: فیا أخِي! إنْ أحببتَ أن تعرِفَ هذا الإمام حقَّ المعرفة فعليكَ بكتابي نعم السَّمر في سيرة عمر رضی اللہ عنہ، فإنه فارقٌ بين المسلم و الرافضي، فو اللهِ مايُغْضُّ مِن عمر إلَّا جاهلٌ دائصٌ أو رافضيٌ جائرٌ، و أين مثل أبي حفص ؟ فما دَارَ الفَلَكُ على مثلِ شكل عمر رضی اللہ عنہ و هو الذي سَنَّ للمحدثين التثبت في النقل، و ربما كان يتوقفُ في خبر الواحد إذا ارتاب (۳).

''میرے بھائی! اگر آپ اس امام کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب نِعْمُ السَّمَرِ فِي سِيرَةِ عُمَر رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کیجئے، جو مسلمان اور رافضی کے مابین تمیز اور جدائی کرنے والی ہے۔اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ کوئی جاہل و متکبر یا کوئی ظالم رافضی گھٹائے گا۔سیدنا ابو حفص [سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے] جیسے لوگ کہاں ہیں؟ فلک نے عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہیں دیکھا ہوگا اور آپ ہی نے محدثین کے لیے خبر واحد کو نقل کرنے کی جانچ پڑتال کا اصول وضع کیا اور جب اُنہیں خبر واحد میں کسی قسم کا شک ہو جاتا تو آپ اُس کو قبول کرنے میں توقف کرتے تھے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایات و احادیث کے سلسلے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔آپ

---

(۱) صُہیب بن سِنان بن مالک رضی اللہ عنہ، بنو نمر بن قاسط سے تھے۔جلیل القدر صحابی ہیں۔عرب میں سب سے ماہر تیر انداز تھے۔۳۲ قبل ہجری =۵۹۲ء کو شط العرب۔جو الجزیرہ اور موصل کے مابین ہے۔میں پیدا ہوئے۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔سارے غزوات و مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔۳۸ھ=۶۵۹ء کو وفات پائی۔[طبقات ابن سعد ۳:۲۲۶، الاعلام ۳:۲۱۰]

(۲) صفۃ الصفوۃ ۱-۲:۱۱۸، ترجمہ:۳، تہذیب الکمال ۲۱:۳۱۷، الاعلام ۵:۴۵

(۳) تذکرۃ الحفاظ ۱:۶

سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱) کی استئذان سے متعلق روایت کو اُس وقت تسلیم کیا جب سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (۲) نے اُن کی تائید فرمائی (۳)۔

ایک روایت میں ہے: أن عمر رضی اللہ عنہ قال لأبي موسى رضی اللہ عنہ: أما إني لم أتّهمك، و لكني أردت ألّا يتجرأ الناس على الحديث عن رسول الله ﷺ (۴).

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں اس معاملے میں آپ پر بدگمانی نہیں کرتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ لوگ رسول اکرم ﷺ پر جھوٹی احادیث وضع نہ کریں۔''

اس سے منکرین حجیت حدیث نے اس طرح کا استدلال کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حدیثوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو قسمیں دے دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے سامنے پیش کریں، حسب الحکم لوگوں نے اپنے اپنے مجموعے اُن کے سامنے پیش کر دیے، آپ نے انہیں جلانے کا حکم دیا (۵)۔''

---

(۱) عبداللہ بن قیس بن سُلیم بن حضّار، قحطان قبیلہ کی شاخ بنواشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰، ۲۱ قبل ہجری کو زبید [یمن] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں زبید، عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ۱۷ ہجری کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ [الاصابہ ۲: ۳۵۹، الاعلام ۴: ۱۱۴]

(۲) سعد بن مالک بن سنان، ابوسعید، خدری، انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ ق ھ = ۶۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۷۴ھ = ۶۹۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۱۱۰، الاعلام ۳: ۸۷]

(۳) صحیح بخاری، کتاب البیوع [۳۴] باب الخروج فی التجارة [۹] حدیث: ۲۰۶۲، کتاب الاستیذان [۷۹] باب التسلیم والاستیذان ثلاثاً [۱۳] حدیث: ۶۲۴۵ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة [۲۲] باب الحجة علی مَن قال اَن احکام النبی ﷺ کانت ظاهرةً [۲۲] حدیث: ۷۳۵۳] صحیح مسلم، کتاب الآداب [۳۸] باب الاستئذان [۷] حدیث ۲۱۵۳]

(۴) موطا امام مالک ۲: ۹۶۴، کتاب الاستئذان [۵۴] باب الاستئذان [۱] حدیث: ۳

(۵) مقام حدیث: ۸

لیکن یاد رہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا احادیث نہ لکھنے یا لکھی ہوئی احادیث کو مٹانے کا حکم مطلق نہیں بلکہ مقید تھا کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر ساری توجہ احادیث پر مرکوز نہ کی جائے اور ایک ہی صحیفہ اور کاپی میں قرآن مجید کے ساتھ احادیث نہ لکھی جائیں۔

اُن ہی کا ارشاد ہے: إني كنت أردتُّ أن أكتب السنن، وإني ذكرت قوماً قبلكم، كتبوا كتباً، فأكبُّوا عليها وتركوا كتاب الله، وإني والله لا ألبس كتاب الله بشيء أبداً (۱).

''میرا ارادہ تھا، کہ سنن اور آثار لکھوں، لیکن مجھے تم سے پہلے کی ایک قوم کا ردِ عمل یاد آیا، جنہوں نے کتابیں لکھی تھیں، انہوں نے اپنی ساری توجہ اُن کتب کی طرف مبذول کرا کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ سے استدلال کیا کرتے تھے۔ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں ان کی مروی احادیث موجود ہیں۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: قد كان عمر رضی اللہ عنہ مِن وجُلِهِ أن يخطئ الصاحب على رسول الله ﷺ يأمرهم أن يقلوا الرواية عن نبيهم ﷺ و لئلا يشتغلَ الناس بالأحاديث عن حفظ القرآن (۲).

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس خوف سے کہ کوئی رسول کریم ﷺ پر غلطی سے کوئی بات نہ کہے، حکم دیا کرتے تھے کہ کم احادیث روایت کیا کرو تا کہ لوگ اس شغل میں پڑ کر قرآن مجید کے حفظ سے غافل نہ ہو جائیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اِس خوف سے کہ کہیں کوئی ساتھی رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایت کی نسبت نہ کرے اور کہیں لوگ قرآنی علوم کے حفظ سے ہٹ کر صرف احادیث کے حصول کو مشغلہ نہ بنائیں احادیث کو نہایت کم بیان کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: هكذا هو كان عمر رضی اللہ عنہ يقول: أقِلُّوا الحديث عن رسول الله ﷺ

---

(۱) جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی ۲:۶۴، نوع: ۲۵، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء

(۲) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱:۶

وزجر غير واحد من الصحابة عن بثِّ الحديث ، وهذا مذهب لعمر رضی اللہ عنہ ولغيره ، فبالله عليك ، إذا كان الإكثارُ من الحديث في دَولةِ عمر رضی اللہ عنہ كانوا يُمنعون منه ، مع صِدقِهم وعدالتهم وعدم الأسانيد، بل هو غضٌّ لم يُشَبّ ، فما ظَنُّك بالإكثارِ من رواية الغرائبِ والمناكير في زماننا مع طُولِ الأسانيد، وكثرةِ الوهمِ والغلط، فبالحري أن نزجُرَ القومَ عنه، فيالَيتَهُم يَقتَصِرُونَ على رواية الغريب والضعيف، بل يروون -والله- الموضوعات والأباطيل، والمستحيلَ في الأصول والفروع، والملاحم والزُّهد نسأل الله العافية، فمَن روى ذلك مع علمه ببطلانه، وغرَّ المؤمنين ، فهذا ظالمٌ لنفسه جانٍ على السنن والآثار يُستتاب من ذلك، فإن تابَ وأقصَرَ، وإلّا فهو فاسقٌ، كفى به إثماً أن يُحَدِّثَ بكل ما سمع وإنْ هو لم يعلم، فَلْيَتَوَرَّعْ، ولْيَستَعِنْ بمن يُعِينُهُ على تَنقِيَةِ مروياته ، نسأل الله العافية، فلقد عمَّ البلاءُ، وشملتِ الغفلةُ، ودخل الدَّاخِلُ على المحدثين الذين يَركَنُ إليهم المسلمون فلا عتبى على الفقهاء وأهل الكلام (۱)۔

''اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کم سے کم نقل کیا کرو، انہوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیادہ احادیث بیان کرنے سے منع کر دیا تھا اور یہی اُن کا اور دوسرے صحابہ کا مذہب ہے۔ اب اللہ کے لیے انصاف آپ پر ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کثرت کے ساتھ احادیث بیان کرنے سے لوگ منع کیے جاتے تھے۔ باوجودے کہ وہ سارے ثقہ اور عادل تھے اور اُنہیں کسی سند کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس لیے کہ اُن کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سماع حدیث تھی اور اُن کا علم بھی تازہ تھا، جس میں وہ اوہام کے شکار بھی نہ ہوئے تھے تو اُن لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہوگی جو ہمارے زمانہ میں بکثرت طول اسناد کے باوجود غریب اور منکر روایات نقل کرتے ہیں، بلکہ اللہ کی قسم! وہ موضوع اور باطل روایات بھی بیان کرتے ہیں اور اصول وفروع اور زہد و ملاحم میں ناقابل قبول روایات بیان کرتے ہیں، جس سے ہم اللہ کے ہاں پناہ طلب کرتے ہیں، پس جو کوئی علم رکھنے کے باوجود باطل روایت بیان کرے

---

(۱) ذہبی، سیر أعلام النبلاء ۲: ۶۰۱-۶۰۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء

اور مؤمنوں کو اُس کے ذریعہ دھوکہ دے تو ایسا شخص اپنی جان پر ظلم کرتا ہے' سنن اور آثار کے حق میں گناہ کا مرتکب ہے' اور اُسے اس کام سے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا' پس اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ فاسق ہے اور کسی شخص کے جھوٹا ہونے کا یہ بڑا ثبوت ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا پھرے اور اگر وہ صحیح اور ضعیف کے مابین فرق کرنے سے عاری ہے تو احادیث کو بیان ہی نہ کرے اور کسی ایسے شخص کی خدمات حاصل کرے جو اُس کی مرویات کی تنقیح کرے۔ ہم اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ طلب کرتے ہیں۔ یہ مصیبت اور غفلت آج کل عام ہے اور اُن محدثین میں اس کا عمل دخل شروع ہو چکا ہے' جو احادیث کے باب میں لوگوں کا مرجع تھے' اب جب اُن کا یہ حال ہے تو فقہاء اور متکلمین کا کیا کہنا؟''

۳۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابی العاص بن امیۃ' قریش میں سے تھے۔ ذوالنورین لقب تھا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے اُن کے عقد میں آئیں۔ تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ اُن کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۴۷ قبل ہجرت = ۵۷۷ء کو مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے اسلام میں ایمان لائے۔ ۲۳ ہجری کو شہادتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۳۵ھ = ۶۵۶ء کو ۸۲ برس کی عمر میں شہادت پائی (۱)۔

۴۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب' ہاشمی' قرشی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور داماد تھے۔ چوتھے خلیفہ راشد' سابقون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ مکہ معظّمہ میں ۲۳ ق ھ = ۶۰۰ کو پیدا ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ = ۶۶۱ء کو شہادت پائی (۲)۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی' الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲:۴٬۴۶۲' دار إحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۲۸ھ' الاعلام ۴:۲۱۰

(۲) الاستیعاب: ۵۲۷' ترجمہ: ۱۸۶۶' الاعلام ۴:۲۹۵

حافظ سیوطی (۱) لکھتے ہیں: أمّا الخُلفاء فأكثرمَن روى عنه منهم علي بن أبي طالب، و الرواية عن الثلاثة نزرة جدًّا، و كان السبب في ذلك تَقدُّمُ وفاتهم (۲).

''خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ تفسیری روایات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور باقی تینوں خلفاء سے بہت کم روایات وارِد ہوئی ہیں اور [اُن سے بہت قلیل روایات آنے کا] سبب یہ تھا کہ انہوں نے بہت پہلے وفات پائی۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا: سَلُوني فو اللّٰہِ لاتسألوني عن شيء يكون إلى يوم القيامة اِلّا حدَّثتُكم به، و سلوني عن كتاب الله، فو الله ما من آيةٍ اِلّا و أنا أعلمُ: أبِلَيلٍ نزلت أم بنهارٍ، و أم في سهلٍ أم في جبل (۳).

''تم لوگ مجھ سے سوال کرو کیونکہ واللہ! تم قیامت سے پہلے پیش آنے والے جس بات کو دریافت کرو گے میں تمہیں بتادوں گا اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں دریافت کرو اس لیے کہ واللہ! کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کی بابت مجھ کو یہ علم نہ ہو کہ آیا وہ رات میں اُتری ہے یا دن میں اور ہموار زمین میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں۔''

لیکن یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جو تفسیری اقوال منقول ہیں اُن میں اقوالِ صیحہ کی نسبت موضوع روایات زیادہ ہیں (۱) جس کی بڑی وجہ غالی شیعہ کا وجود ہے، جنہوں نے

---

(۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین، خضیری، سیوطی، جلال الدین، ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۸: ۵۱، الاعلام ۳: ۳۰۱]

(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۳، نوع: ۸۰

(۳) تفسیر عبدالرزاق الصنعانی ۳: ۲۳۴، برقم: ۲۹۷۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، بدون تاریخ، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۳، نوع: ۸۰

(۴) امام بخاری لکھتے ہیں: كان ابن سيرين يَرى أنّ عامةَ مايُروَى عن علي رضي الله عنه الكذب. ......

حبِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زعم میں یہ اَقوال گھڑ کر اُن کی طرف منسوب کر دیے، حالانکہ اُن کا دامن ان سے پاک ہے۔ یہ اَقوال یا تو اپنے عقیدہ کی تشہیر و اشاعت اور اِستحکام کے لیے وضع کیے گئے اور اس ظنِ فاسد کی بنا پر کہ جس قدر علمی اقوال کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جائے گا، اُسی قدر اُن کی رفعتِ شان میں اضافہ ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ:

لو شئتُ أن أوقر سبعين بعيراً من تفسير أم القرآن لفعلتُ(۱).

''اگر میں چاہوں کہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے ستّر اونٹوں کا بار تیار کروں تو ایسا کر سکتا ہوں۔''

یہ قول بالکل بے اصل ہے اور شیعہ کے وہم وخیال کے سوا اس کا کہیں وجود نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اخذ و روایت کے صحیح ترین طرق حسب ذیل ہیں:

-۱: ہشام از محمد بن سیرین از عَبِیدَۃ سلمانی از سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

یہ طریق صحیح ہے اور امام بخاری اس طریق سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے حدیث: ۴۳۳۵۔

-۲: ابن ابی الحسین از ابوالطفیل از سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

یہ طریق صحیح ہے اور سفیان بن عیینہ(۲) اپنی تفسیر میں اسی سند سے روایت کرتے ہیں۔

-۳: زہری از علی بن الحسین [زین العابدین] از سیدنا حسین رضی اللہ عنہ از سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ(۳) کے تصریح کے مطابق یہ اصح الاسانید ہے(۴)۔

...... [صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب مناقب علی رضی اللہ عنہ [۹] بذیل حدیث: ۳۷۰۷]

''محمد بن سیرین کی رائے یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی اکثر روایات جھوٹی ہیں۔''

(۱) جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۷۹، دار الغدِ الجدید، قاہرہ، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

(۲) سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی، کوفی، ابو محمد، محدث حرم مکی، کوفہ میں ۱۰۷ھ = ۷۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ مکۃ المکرّمۃ میں رہائش اختیار کی تھی۔ ثقہ حافظ حدیث اور واسع العلم تھے۔ ۱۹۸ھ = ۸۱۴ء کو مکۃ المکرّمۃ میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۲: ۳۹۱، الاعلام ۳: ۱۰۵]

(۳) عبد اللہ بن محمد بن قاضی ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان بن خُواستی العبسی، مولا ہم، الکوفی، ابو بکر، ۱۵۹ھ = ۷۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور حنفی فقیہ تھے۔ ۲۳۵ھ = ۸۴۹ء کو وفات پائی۔ امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام علی ابن المدینی کے اَقران میں سے تھے۔ [سیر اَعلام النبلاء ۱۱: ۱۲۲، الاعلام ۴: ۱۱۷]

(۴) مقدمۃ ابن الصلاح: ۲۳

لیکن یہ سند سابق الذکر دونوں اسانید کی طرح مشہور نہیں ہوئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ ضعیف اور کذاب راویوں نے بہت سی جھوٹی روایات زین العابدین (۱) کی جانب منسوب کر دی ہیں۔ بنا بریں اس سند کو بے اعتمادی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے (۲)۔

۵۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فاضل وعاقل تھے اور رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قریب۔ سابقون اولون میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے حرم مکہ میں جہر سے قرآن سنایا۔ رسول امین ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ نبی ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد کوفہ تشریف لے گئے جہاں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ میں ۳۲ھ = ۶۵۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی (۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اِستَقرء وا القرآنَ مِن أربعةٍ: من عبدِاللّٰهِ بن مسعود -فبدأ به- وسالم مولى أبي حذيفة وأُبي بن كعب ومُعاذِ بن جبلٍ (۴).

''چار [صحابہ] سے قرآن مجید پڑھا کرو: عبداللہ بن مسعود سے -آغاز اُن کے نام سے کیا- ابوحذیفہ (۵) کے غلام سالم (۶) سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے۔''

---

(۱) علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، ہاشمی، قرشی، ابوالحسن، ۳۸ھ = ۶۵۸ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کثرت سے عبادت ادا کرنے سے زین العابدین اور اپنے بڑے بھائی علی اکبر سے تمیز کے لیے علی اصغر کہلاتے ہیں۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک چوتھے امام ہیں۔ ۹۴ھ = ۷۱۲ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
[وفیات الاعیان ۳: ۲۶۶، الاعلام ۴: ۲۷۷]

(۲) التفسیر والمفسرون، ڈاکٹر ذہبی ۱: ۹۱ (۳) غایۃ النہایۃ ۱: ۴۵۸، الاعلام ۴: ۱۳۷

(۴) صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب مناقب سالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہ [۲۶] حدیث: ۳۷۵۸، باب مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [۲۷] حدیث: ۳۷۶۰.

(۵) ابوحذیفہ بن شیخ الجاہلیۃ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، قرشی، عبشمی، بدری رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے کہ اُن کا نام مہشم تھا۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔ ۴۲ قبل ہجری = ۵۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حبشہ کو دو بار ہجرت کی۔ بدر، احد، خندق اور سارے غزوات میں شریک رہے۔ ۱۲ھ = ۶۳۳ء کو غزوۂ یمامہ میں شہادت پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱: ۱۶۴، الاعلام ۲: ۱۷۱]
......

آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: والذي لا إله غيره، ما نزلت آية في كتاب الله إلّا وأنا أعلم: فِيمَ نزلت، وأين نزلت، ولو أعلم مكان أحد أعلم بكتاب الله مِنّي تناله المطايا لأتيته (۱).

''اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ اور اگر میں کسی ایسے شخص کا مکان جانتا ہوتا جو کتاب اللہ کو مجھ سے بڑھ کر جاننے والا ہو اور وہاں تک سواریاں پہنچ سکتی ہوں تو میں ضرور اُس کے پاس جا پہنچتا۔''

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفسیری اقوال کے طرق واَسانید

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیری کے مشہور طرق درج ذیل ہیں:

– ۱: مجاہد از ابو معمر از سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

یہ صحیح طریق ہے اور صحیح بخاری میں احادیث: ۲۴۷۸، ۳۶۳۶، ۳۸۶۹، ۳۸۷۱، ۴۲۸۷، ۴۷۱۵، ۴۷۲۰، ۴۸۱۶ اور ۵۱۲۱ میں اسی طریق پر اعتماد کیا گیا ہے۔

– ۲: اعمش از ابو الضحیٰ از مسروق از سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

یہ بھی صحیح طریق ہے اور صحیح بخاری میں احادیث: ۴۸۰۹، ۴۸۲۲، ۴۸۲۴ اور ۵۰۵۵ میں اسی طریق پر اعتماد کیا گیا ہے۔

– ۳: اعمش از ابی وائل از سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

یہ بھی صحیح طریق ہے اور صحیح بخاری میں احادیث: ۳۲۶۷، ۳۴۱۲، ۴۳۳۵، ۴۵۴۹، ۴۶۰۳،

......(۶) سالم بن معقل ابوعبداللہ مولی ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ صحابی تھے۔ قرآن مجید کے بہت بڑے عالم تھے۔ فارسی الاصل تھے۔ سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ ثبیتہ رضی اللہ عنہا نے اُنہیں بچپن میں آزاد کرالیا تھا۔ ابو حذیفہ کے متبنیٰ بنے۔ سابقون اولون میں سے تھے۔ مسجد قباء میں مہاجرون اولون کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ۱۲ھ=۶۳۳ء کو غزوۂ یمامہ میں وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱:۱۶۷، ترجمہ: ۱۴، الاعلام ۳:۷۳]

حواشی صفحہ ہذا

(۱) تفسیر ابن جریر ۱:۶۰، برقم: ۸۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء، البرہان ۲:۱۵۷، الاتقان ۴:۱۸۳

۴۸۰۴، ۶۶۷۶، ۶۸۶۱ اور ۷۵۳۲ میں اسی طریق پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۔۴: سدی کبیر از مرۃ الہمدانی از سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

مفسر ابن جریر نے اس طریق اپنی تفسیر میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ سدی کبیر کا نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ ہے، جو اکثر محدثین کے نزدیک ثقہ تھے۔ رہے سدی صغیر تو ان کا نام محمد بن مروان ہے جو متروکین میں سے ہیں (۱)۔

۔۵: ابو روق از ضحاک [بن مزاحم] از سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

مفسرین نے اس طریق سے بھی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں نقل کی ہیں لیکن یہ غیر پسندیدہ طریق ہے اس لیے کہ: الضحاك لم يثبت له سماع من أحدمن الصحابة (۲).

''ضحاک کی کسی بھی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔''

لہٰذا یہ اسناد منقطع ہے، جو ضعیف ہوتی ہے۔

۶۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب، قرشی، ہاشمی۔ ۳ قبل ہجری = ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ حِبرُ الأُمّةِ [امت کے عالم] اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی (۳)۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں: وقد كانت الصحابة رضي الله عنهم علماءَ، كُلٌّ منهم مخصوصٌ بنوع من العلم، كعلي بالقضاء، و زيد بالفرائض، ومعاذ بالحلال والحرام وأبي بالقراءة، فلم يُسَمِّ أحدٌ منهم بحراً إلّا عبدالله بن عباس لإختصاصه دونهم بالتفسير وعلم التأويل (۴).

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۵: ۲۶۴-۲۶۵

(۲) حافظ مزی، تہذیب الکمال ۱۳: ۲۹۲، تحقیق: ڈاکٹر بشار عواد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۴ء

(۳) اسد الغابۃ ۳: ۹۶، ترجمہ: ۳۰۳۸، الاعلام ۴: ۹۵

(۴) البرہان فی علوم القرآن ۱: ۸

''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علماء تھے اور اُن میں سے ہر فرد ایک خاص علم سے مخصوص تھا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قضاء سے' سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرائض [میراث] سے' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ (۱) حلال وحرام اور سیدنا ابی اُبی رضی اللہ عنہ قراءت سے مشہور تھے (۲)۔ان میں سوائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اور کوئی فرد بحر سے موسوم نہیں ہوا کیونکہ آپ تفسیر وتاویل کے علم میں منفرد تھے (۳)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تفسیری اقوال کے طرق واَسانید

-۱: معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

معاویہ بن صالح بن حُدَیر بن سعید بن سعد بن فہر ثقہ اور صالح تھے (۴)۔امام مسلم (۵) نے اُن کی سند سے اَن گنت روایتیں نقل کی ہیں' مثلاً دیکھئے صحیح مسلم میں درج ذیل مواضع:

کتاب الحیض [۳] باب جواز نوم الجنب [۶] حدیث:۲۶-[۳۰۷] کتاب الصلاۃ [۴] باب القراءۃ فی الظہر و

---

(۱) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بن عمرو بن اوس' انصاری' خزرجی ابوعبدالرحمٰن' ۲۰ ق ھ=۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔حلال و حرام کے بہت بڑے عالم اور عہد نبوی ﷺ کے چھ حفاظ کرام میں سے تھے۔غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں معلم کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔مرویات کی تعداد ۱۵۷ ہے۔۱۸ھ=۶۳۹ء کو وفات پائی۔

[صفۃ الصفوۃ ۱-۲:۴۸۹' ترجمہ:۵۱' الاعلام ۷:۲۵۸]

(۲) یہ اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں مذکور ہے: أرحَمُ أُمَّتِي بأمَّتِي أبوبكرٍ' وأشدُّهُم في أمرالله عُمَرُ' وأصدَقُهُم حَيَآءً عُثمانُ' وأقرَؤُهم لِكتابِ اللهِ أُبَيُّ بنُ كعبٍ' وأفرَضُهم زَيدُ بنُ ثابتٍ' وأعلَمُهُم بالحلال والحرامِ مَعاذُ بنُ جَبَلٍ' ألا وإنَّ لكل أمةٍ أميناً' وإنَّ أمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح.

[سنن ترمذی' کتاب المناقب [۵۰] باب مناقب معاذ بن جبل [۳۳] حدیث:۳۷۹۱]

(۳) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کثرت علم کے سبب 'اَلبَحرُ' اور 'اَلحِبرُ' کے نام سے مشہور تھے۔علامہ زَبیدی لکھتے ہیں:

ومن المجاز: البحرُ: الرجلُ الكريمُ' الكثير المعروف' سُمِّيَ لسعة كرمه' وفي الحديث: أبى ذلك البحر ابن عباس' سمي لسعة علمه و كثرته. [تاج العروس من جواہر القاموس ۳:۲۷]

(۴) تہذیب الکمال ۲۸:۱۹۰-۱۹۱

(۵) مسلم بن حجاج بن مسلم' قشیری' نیشاپوری' ابوالحسین' ۲۰۴ھ=۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔حجاز' شام اور عراق کے سفر کیے۔نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ=۸۷۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۵:۱۹۴' تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۸۸' الاعلام ۷:۲۲۱]

العصر[۳۴] حدیث:۱۶۲-[۴۵۴] کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ[۵] باب جواز لعن الشیطان فی أثناء الصلاۃ [۸] حدیث:۴۰-[۵۴۲] کتاب الجنائز[۱۱] باب التشدید فی النیاحۃ[۱۰] حدیث:۳۰-[۹۳۵]، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ[۲۶] حدیث:۸۵-[۹۶۳] کتاب الزکاۃ[۱۲] باب النھی عن المسألۃ[۳۳] حدیث:۹۸-[۱۰۳۷] کتاب الصیام[۱۳] باب اجر المفطر فی السفر اذا تولی العمل[۱۶] حدیث:۱۰۲-[۱۱۲۰] کتاب الجھاد والسیر[۳۲] باب استحقاق القاتل سلب القتیل[۱۳] حدیث:۴۳-[۱۷۵۳]۔

- علی بن ابی طلحہ [سالم] بن المخارق الہاشمی، ابوالحسن۔ الجزیرہ کے رہنے والے تھے۔ حمص منتقل ہوئے (۱)۔

محدثین نے اگرچہ اُن سے روایتیں لی ہیں، جیسے:

صحیح مسلم، کتاب النکاح[۱۶] باب حکم العزل[۲۲] حدیث:۱۳۳-[۱۴۳۸] سنن ابی داود، حدیث:۲۸۹۹، ۲۹۰۰، سنن ابن ماجہ، حدیث:۲۶۳۴، ۲۷۳۸۔

مگر اُن کی ملاقات سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اس لیے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ۶۸ ہجری میں فوت ہوئے تھے جب کہ علی بن ابی طلحہ ۱۴۳ ہجری میں فوت ہوئے تھے یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات سے ۷۵ سال بعد اُن کی وفات ہوئی، اس صورت میں دونوں کی ملاقات اور سماع کا اِمکان مفقود ہے، اس لیے اُن کے بارے میں یہ تصریح ہے کہ:

لم يسمع من ابن عباس التفسير (۲).

"علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر نہیں سنی۔"

انہیں روایت کے لحاظ سے ضعیف اور مذہب کے لحاظ سے غیر پسندیدہ کہا گیا ہے (۳)۔

اُن کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ متروک بھی نہیں اور حجت بھی نہیں (۴)۔

اس کے باوجود حافظ سیوطی لکھتے ہیں: فمِن جيّدها طريق علي بن أبي طلحة الهاشمي (۵).

"اِن سب طرق میں علی بن ابی طلحہ ہاشمی کا طریق جید ہے۔"

---

(۱) تہذیب الکمال ۲۰:۴۹۰ (۲) ابوحاتم رازی، الجرح والتعدیل ۶:۱۸۸، ترجمہ:۱۰۳۱
(۳) المعرفۃ والتاریخ ۲:۲۶۵ (۴) تاریخ بغداد ۱۱:۴۲۹
(۵) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۸۶، نوع:۸۰: طبقات المفسرین

اورامام احمد [1] کا یہ قول بھی موجود ہے: بِمِصرَ صحيفةٌ في التفسير رواها علي بن أبي طلحة لورَحَلَ فيها رَجُلٌ إلى مصر قاصداً ما كان كثيراً [2]۔

''مصر میں تفسیر کا ایک صحیفہ ہے، جس کے راوی علی بن ابی طلحہ ہیں، اگر کوئی شخص صرف اس صحیفے کے لیے مصر کا سفر کرے تو کوئی بڑی محنت نہیں ہوگی [3]''۔

یہاں یہ بھاری بھرکم اعتراض موجود ہے کہ جب علی بن ابی طلحہ کی ملاقات سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں تو سند کی انقطاع کے باوجود یہ طریق جید کیسے ہوا اور امام بخاری نے کیوں کر اسے قابل اعتماد سمجھا؟ اس کا جواب اہل فن ائمہ نے اس طرح دیا ہے کہ ابن ابی طلحہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان کے واسطے مجاہد بن جبر اور سعید بن جبیر ہیں جن کی وثاقت پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے اور جب واسطہ مجہول نہ ہو بلکہ معروف ہو اور اس کی وثاقت بھی ثابت ہو تو ایسی صورت میں انقطاع اور عدم سماع سند کی صحت کے لیے مانع نہیں اس لیے انقطاع کے باوجود امام بخاری نے اس طریق پر اعتماد کیا ہے [4]۔

-۲: دوسرا طریق: قیس بن مسلم الکوفی، از عطاء بن السائب، از سعید بن جبیر، از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس سند کے راوی امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر پورے اترتے ہیں [5]۔

---

(۱) احمد بن محمد، ابوعبداللہ، شیبانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے۔ ۱۶۴ھ = ۷۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے زمانے میں مامون الرشید نے ''خلق قرآن'' کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں نا قابلِ برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۴: ۴۱۳-۴۲۳، الاعلام ۱: ۲۰۳]

(۲) ابوجعفر احمد بن محمد بن اسماعیل ابن النحاس، اِعراب القرآن: ۲: ۷۵، بذیل اِعراب سورۃ الحج ۲۲: ۵۲، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء، تفسیر القرطبی ۱۲: ۸۰، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۶، نوع: ۸۰

(۳) حافظ ابن حجر نے امام احمد کے اس قول کو ابوجعفر النحاس کی کتاب ''معانی القرآن'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۸: ۴۳۸، کتاب التفسیر [۶۵] بذیل سورۃ الحج [۲۲] مگر یہ قول معانی القرآن کے بجائے اُن کی ''اِعراب القرآن'' میں ہے۔

(۴) فتح الباری ۸: ۴۳۸-۴۳۹، الاتقان ۴: ۱۸۶ (۵) التفسیر والمفسرون ۱: ۵۵، مباحث فی علوم القرآن: ۳۹۲

-۳: تیسرا طریق: محمد بن اسحاق بن یسار' از محمد بن ابی محمد' از عکرمہ' یا از سعید بن جبیر' از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ اِسناد حسن ہے اور اس سے ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم[۱] نے بہت سی روایات نقل کی ہیں[۲]۔

-۴: چوتھا طریق: اسماعیل بن عبدالرحمٰن [سدی کبیر] از ابو مالک از ابو صالح از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ طریق بھی مقبول ہے[۳]۔

-۵: پانچواں طریق: عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس طریق سے نقل کردہ اَقوال کو بحث و تمحیص اور چھان بین کے بعد ہی قبول کرنا چاہیے[۴]۔

-۶: چھٹا طریق: ضحاک بن مزاحم ہلالی از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے اس لیے کہ: الضحاك لم يثبت له سماع من أحدمن الصحابة[۵].

''ضحاک کی کسی بھی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔''

لٰہذا یہ اِسناد منقطع ہے، جو ضعیف ہوتی ہے۔

-۷: ساتواں طریق: عطیہ بن سعد العوفی از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ طریق ضعیف اور غیر مقبول ہے اس لیے کہ عطیہ کے بارے میں یہ جرح موجود ہے: سمع من أبي سعيد رضی اللہ عنہ أحاديث' فلما مات أبو سعيد رضی اللہ عنہ جعل يجالس الكلبي ويحضر قصصه' فإذا قال الكلبي: قال رسول الله ﷺ كذا' يحفظه' وكناه أباسعيدوروى عنه' فإذا قيل له: مَن حدثك بهذا؟ فيقول: حدثني أبو سعيد' فيتوهمون أنه يريد أباسعيد الخدري رضی اللہ عنہ' وإنما أرادبه الكلبي' فلا تحل كتابة حديثه[۶].

---

(۱) عبدالرحمٰن بن ابو حاتم محمد بن ادریس رازی' تمیمی' حنظلی' کبار حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ آپ کا گھر ''رے'' میں حنظلہ کے محلے میں تھا اسی لیے رازی کہلائے۔ ۲۴۰ھ=۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ۳۲۷ھ=۹۳۸ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳:۸۲۹' ترجمہ: ۸۱۲' الاعلام ۳:۳۲۴]

(۲-۳) التفسیر والمفسرون ۱:۵۵ (۴) التفسیر والمفسرون ۱:۵۶

(۵) حافظ مزی' تہذیب الکمال ۱۳:۲۹۲' تحقیق: ڈاکٹر بشار عواد' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۴ء

(۶) المجروحین ۲:۱۶۷' ترجمہ: ۸۰۴

''یہ کچھ روز سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا رہا' اُن کی وفات کے بعد مشہور قصہ گو کلبی کی مجالس میں شریک ہوتا رہا' اور اُس کی روایات سنتا رہا اور جب کلبی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اور جب اپنے شاگردوں کے سامنے اُس کی روایت پیش کرتا تو کلبی کے نام کے بجائے اُس کی کنیت ابوسعید کہہ کر روایت کرتا رہا' جس سے شاگرد سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مراد لیتے رہے' حالانکہ اس سے مراد کذاب کلبی ہی ہوتا اور جب اُس سے کہا جاتا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو کہتا: ''ابوسعید'' اس لیے اس کی روایت کو لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔''

اس کا اصطلاحی نام تدلیس الشیوخ ہے' جو قطعاً حرام ہے۔ حافظ ابن حجر (۱) لکھتے ہیں:

هُوَ خِيَانَةٌ مِمَّنْ تَعَمَّدَهُ (۲)

''جو قصداً عمداً اس کا ارتکاب کرتا ہے' وہ دراصل خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔''

-۸: آٹھواں طریق: مقاتل بن سلیمان ازدی خراسانی کا ہے۔ مقاتل بن سلیمان کے بارے میں امام شافعی (۳) کا قول ہے کہ: ''لوگ، تفسیر کے سلسلے میں اُن کے محتاج ہیں (۴) ''۔

مگر یاد رہے کہ مقاتل کی اہمیت بطور محدث کچھ زیادہ نہیں اور ان پر منکر اور غیر صحیح اِسناد پیش کرنے کا الزام عائد کیا گیا ہے اور انہیں جھوٹا اور متروک تک کہا گیا ہے (۵)۔

---

(۱) احمد بن علی بن محمد' کنانی' عسقلانی' ابوالفضل' شہاب الدین' ابن حجر' قاہرہ میں ۷۷۳ھ=۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر وادب کے دلدادہ تھے' پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث' رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ=۱۴۴۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ [البدر الطالع ۱: ۸۷' الاعلام ۱: ۱۷۸]

(۲) تعریف اہل التقدیس: ۲۶

(۳) اُن کا ترجمہ آگے متن میں مذکور ہوگا۔

(۴) حُكِيَ عن الإمام الشافعي أنه قال: الناس كلهم عيالٌ على ثلاثةٍ: على مقاتل بن سليمان في التفسير' وعلى زهير بن أبي سَلمَى في التفسير' وعلى أبي حنيفة في الكلام.

[ابن خلکان' وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ۵: ۲۵۵' ترجمہ: ۷۳۳]

(۵) تاریخ بغداد ۱۳: ۱۶۴' تہذیب الکمال ۲۸: ۴۴۳' المجروحین ۲: ۳۴۷-۳۴۹' وفیات الاعیان ۵: ۲۵۶

بلکہ بعض محدثین نے تو انہیں دَجَّالٌ جَسُورٌ یعنی دلیر دجال تک کہا ہے [1]۔
ان کی تفسیر اس سے بھی کم معتبر سمجھی جاتی ہے۔ سوانح نویسوں نے ان کی غلط بیانی اور ہمہ دانی کے دعووں کے کئی قصے بیان کیے ہیں اور کئی مضحکہ خیز سوالات کے حقارت آمیز جوابات اور محالات و ناممکنات کے کئی واقعات لکھے ہیں۔
ماٰخذ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ تجسیم وتشبیہ [۲] کے قائل تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ اس زمانے میں بھی جب اس کی قطعی ممانعت تھی، مساجد میں جھوٹے سچے قصے بیان کیا کرتے تھے [۳]۔
-۹: نواں طریق: محمد بن مروان السدی الصغیر از محمد بن السائب الکلبی از ابوصالح از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں: و أوهى طُرُقِهِ طريق الكلبي، فإن انضم إلى ذلك رواية محمد بن مروان السدي الصغيرفهي سلسلة الكذب [۴]۔
”تفسیر کا سب سے کمزور طریق کلبی کا ہے اور اگر کلبی کے ساتھ سدی صغیر بھی کسی سند میں شامل ہو جائے تو یہ سند جھوٹ کی لڑی تصور کی جائے گی۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تفسیر

ایک ضخیم تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے جو اَن گنت مرتبہ تَنوِیرُ الْمِقْبَاسِ مِنْ تَفْسِیرِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ کے نام سے چھپ گئی ہے، جس کے جامع محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی مصنف القاموس المحیط [۵] ہیں، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) احوال الرجال، جوزجانی، ترجمہ: ۲۰۲
(۲) اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسا متضاد نظریہ جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کے نزدیک کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ تشبیہ ”Anthropomorphism“، یعنی تمثیل اور تجسیم، جس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کو انسان جیسا سمجھنا۔ (۳) الجرح والتعدیل ۸: ۳۵۵، تہذیب التہذیب ۱۰: ۲۵۴
(۴) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۷، نوع: ۸۰
(۵) ابوطاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم، مجدالدین، شیرازی، شافعی، عربی لغت نویس، ۷۲۹ھ = ۱۳۲۹ء کو گازرون [شیراز] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے واسط اور بغداد تشریف لے گئے۔ دمشق، مصر اور شام کی سیاحت بھی کی۔ ۷۹۶ھ کو زبید چلے گئے اور وہیں ۸۱۷ھ = ۱۴۱۵ء کو وفات پائی۔ [طبقات المفسرین داؤدی ۲: ۲۷۵، البدر الطالع ۲: ۲۸۰، الاعلام ۷: ۱۴۶]

جواقوال اس کتاب میں نقل کئے گئے ہیں اُن کا دار ومدار اور انحصار محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت از محمد بن سائب کلبی از ابوصالح از ابن عباس رضی اللہ عنہ پر ہے' جب کہ: محمد بن مروان سدی صغیر جھوٹ بولنے سے بدنام تھا(۱)۔

محمد بن السائب کلبی' کذاب اور ساقط الاعتبار ہے' سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ متروک تھا۔ سبائی تھا اور کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں ہیں۔ واپس دنیا میں آئیں گے اور اسے عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ جھوٹ بولنے سے بدنام تھا(۲)۔ امام خلیلی(۳) لکھتے ہیں: وهذه التفاسير لكتاب اللهِ الطُّوالُ التي أسندوها إلى ابن عباس رضی اللہ عنہ غير مرضية' ورُواتها مجاهيل(۴)۔

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب اللہ کی طویل تفاسیر ناپسندیدہ اور اس کے راوی مجہول ہیں۔''

۷۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

اُبی بن کعب بن قیس بن عبید' نجاری' خزرجی' انصاری' ابوالمنذر رضی اللہ عنہ۔ قبول اسلام سے قبل یہود کے اَحبار میں سے تھے۔ کتب سابقہ پر گہری نظر تھی۔ کاتبین وحی میں سے تھے۔ غزوہ بدر' احد' خندق اور دوسرے غزوات میں شریک رہے۔ جنگ جابیہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب تھے۔ بیت المقدس والوں کے لیے صلح نامہ آپ ہی نے تحریر کیا تھا۔ آپ کی مرویات ۱۶۴ ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۲۱ھ=۶۴۲ء کو وفات پائی(۵)۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی' تقریب التهذیب: ۵۳۵' ترجمہ: ۶۲۸۴

(۲) احوال الرجال: ۵۴' الضعفاء' نسائی ترجمہ: ۲۱۱' میزان الاعتدال ۳: ۵۵۸' تقریب التهذیب: ۵۱۰' ترجمہ: ۵۹۰۱

(۳) خلیل بن عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن خلیل قزوینی ابویعلی خلیلی' قاضی اور حافظ حدیث تھے۔ رجال حدیث سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ ۴۴۶ھ=۱۰۵۴ء کو وفات پائی۔ [الرسالۃ المستطرفۃ: ۱۰۵' الاعلام ۲: ۳۱۹]

(۴) الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث: ۳۹۱' مکتبۃ الرشد' الریاض' بدون تاریخ' الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۸۶' نوع: ۸۰

(۵) الاصابۃ ۱: ۱۹' الاعلام ۱: ۸۲

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تفسیری روایات کے طرق واَسانید

-۱: پہلا طریق: ابوجعفر رازی، از ربیع بن انس، از ابوالعالیہ، از سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ طریق صحیح ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس طریق سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بھی اس طریق سے کی روایات مروی ہیں۔

-۲: دوسرا طریق: وکیع، از سفیان، از عبداللہ بن محمد بن عقیل، از طفیل بن ابی بن کعب، از سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے۔

یہ طریق حسن درجے کا ہے اور مقبول ہے۔ مسند امام احمد میں اس سند سے کئی احادیث مروی ہیں۔
عبداللہ بن محمد بن عقیل کے بارے میں امام ترمذی (۱) لکھتے ہیں:

وعبدالله بنُ محمد بن عَقِيل هو صدوقٌ، و قد تَكَلَّمَ فيه بعض أهل العلمِ مِن قِبَلِ حِفظِه. قال أبو عيسى: و سمعتُ محمدَ بنَ اسماعيلَ يقول: كان أحمدُ بن حنبل وإسحاق بن إبراهيم والحميدي يحتجون بحديث عبد الله بن محمد بن عَقيلٍ. قال محمد: وهو مقارب الحديث (۲).

''عبداللہ بن محمد بن عقیل سچے تھے لیکن بعض علماء نے اُن کے حافظے کی وجہ سے اُن پر اعتراض کیا ہے۔ میں نے امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ امام احمد امام اسحاق بن ابراہیم (۳) اور امام

---

(۱) محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ، بوغی، ترمذی، ابوعیسیٰ، علماء وحفاظِ حدیث میں تھے۔ دریائے جیحون کے قریب ترمذ میں رہائش پذیر تھے۔ ۲۰۹ھ = ۸۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ خراسان، عراق اور حجاز کے سفر کیے۔ ترمذ میں ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء کو وفات پائی۔ [الانساب ۱:۴۵۹، تذکرۃ الحفاظ ۲:۴۳۳]

(۲) سنن ترمذی ۱:۹، ابواب الطہارۃ [۱] باب ماجاء ان مفتاح الصلاۃ الطہور [۳] بذیل حدیث: ۳

(۳) اسحاق بن ابراہیم بن مَخلَد حنظلی تمیمی مروزی ابویعقوب ابن راھَوَیہ، اپنے زمانے میں خراسان کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام بخاری، امام نسائی اور امام ترمذی جیسے اساطین علم نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، چونکہ اُن کے والد کی ولادت سفر کے دوران ہوئی تھی اس لیے راہویہ کہلائے۔ نیشاپور میں ۲۳۸ھ = ۸۵۳ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۱:۱۹۹، الاعلام ۱:۲۹۲]

حمیدی [1] عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت سے احتجاج واستدلال کیا کرتے تھے۔امام بخاری نے اس راوی کو مقارب الحدیث [2] کہا ہے۔''

۸- سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بن ضحاک' انصاری' خزرجی' ابوخارجہ' اکابر صحابہ میں سے تھے۔مدینہ منورہ میں گیارہ قبل ہجری =۶۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ ان کے والد کو قتل کیا گیا۔گیارہ سال کی عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔کاتبین وحی میں سے تھے۔ان کی ۹۲ روایات ہیں۔۴۵ھ=

---

(۱) عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ حمیدی' اسدی' مکی' ابوبکر' اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث تھے۔امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔سفیان بن عیینہ کے شاگرد رہے ہیں آپ نے بہت بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا ہے۔کبار اصحاب شافعی میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے امام شافعی کے حلقہ درس میں بیٹھنا چاہا تھا لیکن دوسرے لوگوں نے انہیں روک دیا تھا۔امام بخاری کے علاوہ حافظ ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ ائمہ کرام ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ=۸۳۴ء کو وفات پائی۔[تہذیب الکمال ۱۴: ۵۱۲' ترجمہ: ۳۲۷۰' الاعلام ۴: ۸۷]

(۲) مُقارِبُ الحدیث: الفاظِ تعدیل میں سے ہے۔حافظ عراقی نے اس لفظ کو تعدیل کے چھٹے درجہ میں شمار کیا ہے' اس لفظ کے معنی ہیں: درمیانی حدیث والا بعض نے اِس لفظ کو مُقارِبُ الحدیث [بکسر الراء] ضبط کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس راوی کی حدیث دوسرے راویوں کے قریب قریب ہوتی ہے اور بعض نے اسے مُقارَبُ الحدیث [بفتح الراء] ضبط کیا ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کی روایت اس راوی کی روایت کے قریب قریب ہوتی ہے' پہلا قول زیادہ صحیح ہے' چنانچہ حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

مقارب الحديث' من القرب' ضد البُعد' وهو بكسر الراء' كما ضبط في الأصول الصحيحة من كتاب ابن الصلاح المسموعة عليه' و كذا ضبطها النووي في مختصريه' وابن الجوزي' ومعناه: أن حديثه مقاربٌ لحديث غيره من الثقات ' أو مقارَبَهٌ ' بفتح الراء ' أي: حديثه يُقاربه حديث غيره' فهو على المعتمد بالكسر' والفتح وسطٌ' لاينتهي إلى درجة السقوط و لا الجلالة وهو نوع مدح' وممن ضبطها بالوجهين ابن العربي وابن دحية والبطليموسي وابن رشيد في رحلته' قال: ومعناها: يُقاربُ الناس في حديثه' ويُقاربونه' أى: ليس حديثه بشاذ ولا منكر. [فتح المغيث ۱: ۳۳۹]

اور حافظ عراقی نے مُقارِب دونوں [بفتح الراء' وکسر الراء] کو الگ الگ شمار کیا ہے۔

وصالحُ الحديثِ أو مقارِبُهُ جَيِّدُهُ حَسَنُهُ مقاربَهُ

[فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث' حافظ عراقی ۲: ۱۷۲' شعر: ۳۳۳]

۶۶۵ءکو وفات پائی (۱)۔

۹۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن قیس بن سُلیم بن حضّار، قحطان قبیلہ کی شاخ بنو اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰،۲۱ قبل ہجری کو زَبید [یمن] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں زَبید، عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ۱۷ہجری کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ءکو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵ اَحادیث روایت کی گئی ہیں (۲)۔

۱۰۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما، قرشی، اسدی، ابوبکر، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے مولود ہیں۔ یکم ہجری = ۶۲۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح افریقہ میں شریک تھے۔ ۶۴ہجری کو یزید کی موت کے بعد ان کے لیے خلافت کی بیعت لی گئی۔ مصر، حجاز، یمن، خراسان، عراق اور شام پر حکومت کی۔ آپ کی مدتِ خلافت نو سال ہے۔ آپ کے عہد خلافت میں گول سکّوں کا اِجراء ہوا۔ آپ سے ۳۳ اَحادیث مروی ہیں (۳)۔

۳۔ تفسیر عہد تابعین میں

عصر صحابہ کے ختم ہوتے ہی تفسیر قرآن کی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس مرحلہ کی ابتداء عصر تابعین سے ہوئی جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چشمہ فیض سے اپنی علمی پیاس بجھائی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح تابعین میں بھی بڑے نامور مفسرین پیدا ہوئے۔ اُس دور میں تفسیر کے مدارس میں تین کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ [۱] مدرسہ تفسیر مکہ مکرمہ [۲] مدرسہ تفسیر مدینہ منورہ [۳] مدرسہ تفسیر کوفہ

---

(۱) غایۃ النہایۃ ۱: ۲۹۶، الاعلام ۳: ۵۷

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲: ۳۵۹، الاعلام ۴: ۱۱۴

(۳) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲: ۳۰۹، الاعلام ۴: ۸۷

مکہ مکرمہ کا مدرسہ تفسیر

اس مدرسہ کے شیخ التفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ اپنے شاگردوں کو اس مرکز میں تفسیر پڑھایا کرتے تھے۔ اس مدرسہ کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ (۱) لکھتے ہیں:

وأما التفسير: فإنّ أعلم الناس به أهل مكة 'لأنهم أصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ (۲).

''رہی تفسیر سو اس کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے اہل مکہ ہیں کیونکہ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر ان میں درج ذیل کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

۱۔ سعید بن جبیر

سعید بن جبیر بن ہشام، اسدی، ابوعبداللہ، کوفی تھے۔ تابعی اور حبشی الاصل تھے۔ تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے۔ حجاج نے انہیں ۹۵ھ کو واسط میں قتل کروایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا۔ مسائل طلاق، حدیث اور تفسیر میں بڑی مہارت رکھتے تھے (۳)۔

امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: إنّ عبد الملك بن مروان كتب يسأل سعيدبن جبيرأن يكتب إليه بتفسيرالقرآن فكتب سعيد بن جبيربهذا التفسير إليه فوجده عطاء بن دينار في الديوان فأخذه فأرسله عن سعيد بن جُبير (۴).

---

(۱) احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم، حرانی، دمشقی، حنبلی، ابوالعباس، تقی الدین ابن تیمیہ، ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۲۸ھ = ۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالمِ دین تھے۔

[المعجم المختص بالمحدثين، ذہبی: ۲۵، البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۱۴۱، الاعلام ۱: ۱۴۴]

(۲) مجموع الفتاویٰ ۱۳: ۱۵۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء

(۳) وفیات الاعیان ۲: ۳۷۱، الاعلام ۳: ۹۳

(۴) الجرح والتعدیل ۶: ۳۳۲، میزان الاعتدال ۳: ۷۰، تہذیب التہذیب ۷: ۱۹۸

''عبدالملک بن مروان [1] نے سعید بن جبیر کو خط لکھا جس میں اُن سے تفسیر لکھنے کا مطالبہ کیا تو سعید بن جبیر نے اُن کی فرمائش پر تفسیر لکھی، جو عطاء بن دینار [2] کے ہاتھ لگی اور اسے اُنہوں نے سعید ہی سے مرسلاً نقل کرنا شروع کیا۔''

۲- مجاہد بن جبر

مجاہد بن جبر ابوالحجاج المکی، مولیٰ بنی مخزوم ۲۱ھ=۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ مشہور تابعی اور بڑے مفسر ہیں۔ شیخ القراء والمفسرین کے لقب سے نوازے گئے۔ اہل کتاب سے بعض مسائل میں رجوع کرتے تھے اس لیے سلف اُن کی تفسیر کی کتاب سے خود کو بچاتے تھے۔ ۱۰۴ھ=۷۲۲ء کو وفات پائی [3]۔

فرماتے ہیں: لقد عرضتُ القرآن علی ابن عباس ثلاث عرضات، أقف عند کل آیةٍ أسأله فیما أنزلت؟ وفیم کانت ؟ فقلتُ: یاابن عباس !أرأیتَ قول اللّٰه تعالیٰ: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ [4]؟ قال: مِن حیثُ أمرکم أن تعتزلوھنَّ [5]۔

''میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید تین مرتبہ اس طرح پڑھا ہے کہ میں ہر آیت

---

(۱) عبدالملک بن مروان بن الحکم اُموی قرشی ابوالولید۔ ۲۶ھ=۶۴۶ء کو پیدا ہوئے، مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ بہت بڑے فقیہ، وسیع علم رکھنے والے اور زاہد و عابد تھے۔ بنوامیہ کے پانچویں خلیفہ ہیں۔ ۶۵ھ تا ۸۶ھ [۶۵۸-۷۰۵ء] حکومت کی۔ والدہ کا نام عائشہ بنتِ معاویہ بن مغیرہ تھا۔ ۸۶ھ=۷۰۵ء میں وفات پائی۔ [تاریخ الیعقوبی ۲:۱۸۸، الاعلام ۴:۱۶۵]

(۲) عطاء بن دینار ہذلی، بنوہذیل کے آزادکردہ غلام تھے۔ محدث اور مفسر تھے۔ مصر میں ۱۲۶ھ=۷۴۴ء کو وفات پائی۔ [الجرح والتعدیل ۶:۳۳۲، ترجمہ:۱۸۴۵، الاعلام ۴:۳۲۴]

(۳) سیر أعلام النبلاء ۴:۴۴۹، الاعلام ۵:۲۷۸

(۴) سورۃ البقرۃ ۲:۲۲۲

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵:۵۵۸، کتاب فضائل القرآن [۲۴] باب فی دروس القرآن وعرضہ [۶۸] حدیث ۳۰۹۱۷، ۳۰۹۱۸، سنن دارمی ۱:۲۷۳، کتاب الطہارۃ [۱] باب اتیان النساء فی أدبارہن [۱۱۳] حدیث: ۱۱۲۰ و اللفظ لہ۔

پڑھہرتا اور اُن سے پوچھتا کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوا ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟
میں نے ایک بار اُن سے پوچھا: سورۃ البقرۃ ۲:۲۲۲ کی اس آیت کا کیا مطلب ہے:

فَاِذَاتَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ

''پس جب وہ صفائی کر لیں تو اُن کے پاس جاؤ، جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔''

تو آپ نے جواب میں فرمایا: جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں [ایام حیض میں] منع کیا تھا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں مجاہد سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے اس لیے امام شافعی اور امام بخاری نے اُن کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں مجاہد کے قول بکثرت نقل کیے ہیں۔ آپ کی وثاقت کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟

سفیان ثوری (۱) کہا کرتے تھے: إذا جاء كَ التفسير عن مجاهد فحسبُكَ به (۲)

''جب مجاہد سے منقول تفسیر تمہیں میسر آ جائے تو اُسے کافی خیال کرو۔''

مجاہد اور تفسیر عقلی

مجاہد نے قرآن مجید کے بعض مقامات کی تفسیر میں عقل کا نہایت آزادانہ استعمال کیا جو بعد میں بدعات اور فتنوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ مثلاً:

۱۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (۳)

''اور [اپنے] اُن لوگوں کا علم تو تمہیں ہے ہی، جنہوں نے سبت کے معاملے میں حدودِ الٰہی کی بے حرمتی کی، تو ہم نے اُن کو دھتکارا کہ جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔''

مفسر ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر کے تحت مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے:

---

(۱) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری 'ابوعبداللہ' کوفہ میں ۹۷ھ = ۷۱۶ء کو پیدا ہوئے' وہیں پلے' بڑھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو وفات پائی۔ مضر کے مشہور قبیلہ عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے تعلق تھا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ علوم دینیہ اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ منصور نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ [وفیات الاعیان ۲:۳۸۶' تاریخ بغداد ۹:۱۵۱' تذکرۃ الحفاظ ۱:۲۰۳' الاعلام ۳:۱۰۴]

(۲) تفسیر ابن جریر طبری ۱:۶۵' نص: ۱۰۹

(۳) سورۃ البقرۃ ۲:۶۵

لم یمسخوا'إنماھو مثَلٌ ضربه اللّٰهلھم'مثل ماضرب مَثَل الحمار یَحملُ أسفاراً .(۱)

''انہیں مسخ نہیں کیا گیا' بلکہ یہ تو اُن کو بطورِ مثال کہا گیا ہے جیسا کہ اُنہیں اُس گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن جریر لکھتے ہیں: ھذاالقول الذي قاله مجاھد'قولٌ لظاھر ما دلَّ علیه کتابُ اللّٰه مخالفٌ. وذلك أنّ اللّٰه أخبرفي کتابه أنه جعل منھم القردة والخنازیر وعبدالطاغوت .(۲)

''مجاہد کا یہ ایک ایسا قول ہے جو کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب [سورۃ المائدۃ ۵:۶۰] میں یہ خبر دی ہے کہ اُس نے اُن سے حقیقتاً بندر'خنازیر اور شیطان کی عبادت کرنے والے بنائے تھے۔''

حافظ ابن کثیر نے اس موقع پر ائمہ تفسیر کے کئی اَقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

والغرض من ھذا السیاق عن ھؤلاء الأئمة: بیان خلاف ماذھب إلیه مجاھد'من أن مسخھم إنما کان معنویاً'لاصوریاً'بل الصحیح: أنه معنوي وصوري .(۳)

''ان ائمہ کے تفصیلی اقوال پیش کرنے کا مقصد مجاہد کی اُس تفسیر کی مخالفت ہے' جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ مسخ معنوی تھا(۴) صوری نہیں تھا بلکہ درست بات یہ ہے کہ مسخ معنوی بھی تھا اور صوری بھی۔''

(۱-۲) تفسیر ابن جریر ۱:۳۷۳' نص: ۱۱۴۵ (۳) تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۴۰

(۴) سرسید احمد خان نے لکھا ہے: جس طرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں اور جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں' اُسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل وخوار ورسوا ہو۔

[تفسیر القرآن: ۱۸۴' دوست ایسوسی ایٹس' لاہور ۱۹۹۸ء]

مولانا محمد علی لاہوری قادیانی نے مفردات کے حوالے سے لکھا ہے: قیل: بل جعل أخلاقھم کأخلاقھا. یعنی اُن کے اخلاق بندروں کے سے ہو گئے۔ [بیان القرآن ۱: ۷۵' مطبع کریمی' لاہور ۱۳۴۰ھ]

مولانا محمد علی لاہوری قادیانی نے ''قِیلَ'' کا معنیٰ نہیں لکھا اس لیے کہ اس سے اُن کا مقدمہ کمزور ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ تمریض کا صیغہ ہے۔

۔۲:عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً[۱]۔

''توقع رکھو کہ تم کو تمہارا رب مقام محمود میں جگہ دے گا۔''

حافظ ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ مقام شفاعتِ کبریٰ کا ہے، لیکن امام مجاہد کہتے ہیں: یُجلسه علی العرش[۲]۔

''آپ ﷺ کو اپنے [پاس اپنے] عرش پر بٹھائیں گے۔''

مفسر ابن جریر طبری لکھتے ہیں: وأولی القولین فی ذلك بالصواب ماصحَّ به الخبر عن رسول اللہ ﷺ[۳]۔

''ان دونوں اَقوال میں زیادہ صحیح وہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت موجود ہے۔''

اور آگے اُنہوں نے تین سندوں کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے، جس میں اس آیت کی تفسیر شفاعتِ کبریٰ سے کی گئی ہے۔ دیکھئے نص: ۲۲۶۳۴-۲۲۶۳۶۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مجاہد کا یہ قول نقل و عقل دونوں جہات سے ثابت نہیں[۴]۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: مِن أنکرِ ما جاء عن مجاهد في التفسیر في قوله: عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً- قال: يُجلسه معه على العرش[۵]۔

''مجاہد سے جو تفسیر پہنچی ہے اس میں سب سے منکر تفسیر عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس عرش پر بٹھائیں گے۔''

۔۳: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞[۶]۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۷۹

(۲) تاریخ بغداد ۳:۲۲، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن ۶:۱۲۶، تفسیر السمعانی ۳:۲۶۹، طبقات الحنابلہ ۱:۱۰

(۳) تفسیر ابن جریر ۸:۱۳۳ (۴) فتح الباری ۱۱:۴۲۶

(۵) ذہبی، میزان الاعتدال ۳:۴۳۹، ترجمہ: ۷۰۷۲

(۶) سورۃ القیامۃ ۷۵:۲۲-۲۳

"[کتنے ہی] چہرے اُس روز بشاش ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ : جملہ اسمیہ ہے اور جملہ کی ترکیب دلالت حدوث وزوال پر نہیں کرتی بلکہ اس پر کہ یہ بشاشت و شگفتگی دائمی ہوگی۔ اس بشاشت وسرور کی وجہ بھی معاً بعد مذکور ہے۔ یعنی یہ کیفیت اضطراری اور خود بخود طاری نہ ہوگی بلکہ یہ تلذذ وثمرہ رؤیت ہوگا۔ اِلٰی سے بعض عارفین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کمالِ قرب وکثرتِ اَنوار کے باوجود نظارہ کرنے والے میں احساسِ تشخص و درک باقی رہے گا۔ تلذذ وتکیُّف [لذت اور کیف] پوری طرح ہو سکے گا۔ فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی (۱)۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقد ثبتت رؤية المؤمنين للّٰه عزو جل في الدار الآخرة في الأحاديث الصحاح من طرق متواترةٍ عند أئمة الحديث' لا يمكن دفعها' ولا منعها (۲).

"بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے جو متواتر سندوں سے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے روز مشرف ہوں گے۔ ان احادیث کا جواب دینا اوران کا انکار کرنا ممکن ہی نہیں۔"

مگر مجاہد سے اس آیت کے تحت منقول ہے کہ: تنتظر الثواب' لا یراهُ من خلقه شيءٌ (۳).

"ثواب واجر کے منتظر ہوں گے۔ اللہ کی مخلوق میں کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔"

حالانکہ اضافت وتعدیت اور صِلات کے لحاظ سے نظر کے استعمالات اور معانی میں فرق آتا رہتا ہے' مثلاً:

[ا] جب اس کا صلہ اِلٰی آجائے تو اس وقت اس کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے ہوتے ہیں' جیسے:

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ (۴)

"یہ چیزیں جب پکتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور [جب پکتی ہیں تو] اُن کے پکنے پر نظر کرو۔"

---

(۱) تفسیر عبد الماجد دریابادی: ۱۱۶۰' حاشیہ: ۱۲

(۲) تفسیر ابن کثیر ۱۴: ۱۹۸

(۳) تفسیر ابن جریر ۱۲: ۳۴۳' نص: ۳۵۶۵۶' ۳۵۶۵۷' ۳۵۶۵۹

(۴) سورۃ الانعام ۶: ۹۹

[۲] جب اس کا صلہ فِیْ آ جائے تو اس وقت اس کے معنی سوچ وفکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے ہوتے ہیں جیسے: اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱).

''کیا اُنہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور وفکر نہیں کیا۔''

[۳] اور جب یہ متعدی بنفسہٖ ہو تو اس وقت اس کے معنی توقف اور انتظار کرنے کے ہوتے ہیں؛ جیسے: اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ (۲).

''ہمارے لیے ذرا ٹھہریے، کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔''

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: عن مجاهد: اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ قال: تنتظر الثواب من ربها، و كذا قال أبو صالح أيضاً فقد أبعد هذا القائل النجعة و أبطل فيما ذهب إليه، وأين هو من قوله تعالى: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ. قال الشافعي: ما حجب الكفار إلا و قد علم أن الأبرار يرونه عزوجل. ثم قد تواترت الأخبار عن رسول الله ﷺ بما دلَّ عليه سياق الآية الكريمة (۳).

''مجاہد اور ابوصالح سے مروی ہے کہ وہ اپنے رب کے ثواب کے منتظر ہوں گے۔ یہ قول حق سے دور اور تکلف سے معمور ہے۔ ان کے پاس اس آیت کریمہ کا کیا جواب ہے:

کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (۴).

''ہرگز [ایسا] نہیں [کہ جزا وسزا نہ ہو بلکہ] یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار [کے دیدار سے] روک دیے جائیں گے۔''

امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدارِ الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ اَبرار یعنی نیک کار لوگ دیدارِ الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے۔ اور متواتر اَحادیث سے ثابت ہو چکا ہے اور اس آیت کا سیاقِ الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ مؤمن دیدارِ باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔''

---

(۱) سورۃ الاعراف ۷:۱۸۵ (۲) سورۃ الحدید ۵۷:۱۳

(۳) تفسیر ابن کثیر ۱۴:۱۹۹ (۴) سورۃ المطففین ۸۳:۱۵

۳- عکرمہ بربری

عکرمہ بن عبداللہ بربری، مدنی ابوعبداللہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور تابعی تھے۔ ۲۵ھ = ۶۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ تفسیر اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے۔ تین سو اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ جن میں سے ستر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۵ھ = ۷۲۳ء کو وفات پائی (۱)۔

عکرمہ روایتِ حدیث میں امین، علم و فضل میں دوسروں پر فائق اور کتاب اللہ کے فہم و اِدراک میں یکتائے روزگار تھے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علمی ورثہ کے صحیح وارث تھے، مگر اُن پر یہ الزام ہے کہ آپ خارجی (۲) تھے مگر یہ صرف الزام ہی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: فأمّا البدعةُ فإن ثبتت عليه فلا تضرُّ حديثه ' لأنه لم يكن داعية ' مع أنها لم تثبت عليه (۳).

''اگر [خوارِج والی] بدعت اُن میں ثابت ہو جائے تو اس سے اُن کی روایت میں فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ وہ داعی بدعتی نہیں تھے مگر یہ بات [خارجی ہونا کسی دلیل و برہان سے] ثابت نہیں ہوتی۔''

۴- طاووس بن کیسان یمانی

بنیادی طور پر فارِس سے تعلق تھا مگر یمن کے بنوحمیر قبیلے کے ایک شخص کے آزاد کردہ غلام تھے اس لیے حمیری یمانی سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ والد کا نام کیسان تھا۔ اکابر تابعین میں سے تھے۔ ۳۳ھ = ۶۵۳ء کو یمن میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ ۱۰۶ھ = ۷۲۴

---

(۱) میزان الاعتدال ۳: ۹۳، الاعلام ۴: ۲۴۴

(۲) اس کی جمع خوارج ہے۔ خوارج آپس میں بیس فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سارے کے سارے دو باتوں پر متفق ہیں:

- ۱: ان کا خیال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جنگ جمل میں شریک سارے صحابہ، فیصلہ کرنے والے دو صحابی اور جو اُن کے فیصلہ پر راضی ہوئے ہیں، وہ سارے کے سارے کافر ہیں۔
- ۲: رسول اللہ ﷺ کی امت میں جو بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا، وہ کافر اور ابدی جہنمی ہے۔ وہ ظالم بادشاہ سے بغاوت کرنے کے جواز کے بھی قائل ہیں۔ [التبصیر فی الدین: ۴۵]

(۳) ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ۴۲۵

ءکودورانِ حج مزدلفہ یامنیٰ میں وفات پائی۔امیر المؤمنین ہشام بن عبدالملک [1] بھی اُس سال حج پر گئے تھے اس لیے اُنہوں نے جنازہ پڑھایا۔عبادلہ [2] اور دیگر صحابہ سے کسب فیض کیا۔ پچاس صحابہ کی صحبت میں رہے اور اُن سے استفادہ کیا۔دیگر صحابہ کی بنسبت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے چشمہ علم وفضل سے زیادہ فائدہ اُٹھایا۔بہت بڑے عالم، فاضل اور قرآن مجید کے مفسر تھے۔ نہایت صالح اور متقی تھے [3]۔

۵۔عطاء بن ابی رباح

عطاء بن ابی رباح [اسلم] بن صفوان، جلیل القدر تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔جَنَد [یمن] میں ۲۷ھ = ۶۴۷ءکو پیدا ہوئے، مکہ معظّمہ میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۱۱۴ھ = ۷۳۲ءکو وفات پائی [4]۔ تفسیر میں قلیل الروایۃ ہونے کے باوجود اُن کا علمی درجہ نہایت بلند ہے اور اُن کی قلت روایت

---

(۱) ہشام بن عبدالملک بن مروان، شام کے اموی ملوک میں سے ہیں۔۷۱ھ = ۶۹۰ءکو دمشق میں پیدا ہوئے دمشق ہی میں ۱۰۵ھ کو ان کے بھائی یزید کے وفات پا جانے کے بعد لوگوں نے آپ سے بیعت کی ۱۲۰ھ کو زید ابن علی بن حسین نے چودہ ہزار کوفیوں کی معیت میں ان کے خلاف خروج وبغاوت کی، جن کا اُنہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ موارء النہر کے ترکی خاقان سے فیصلہ کن جنگ لڑی۔بیدار دماغ والے تھے۔۱۲۵ھ = ۷۴۳ءکو رقہ میں وفات پائی۔[تاریخ الطبری ۵:۳۷۵، الاعلام ۸:۸۶]

(۲) عبداللہ کی جمع ہے۔امام جوہری اور امام فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ درجِ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نام سے موسوم ہیں: [۱] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما [۲] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما [۳] سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل رضی اللہ عنہما[الصحاح ۲:۵۰۵، القاموس المحیط ۱:۴۳۲، مادہ: ع، ب، د]

امام ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: ہمارے علماء کے نزدیک درجِ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ''عَبَادِلہ'' کا اِطلاق ہوتا ہے:

[۱] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [۲] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما [۳] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[فتح القدیر ۳:۱۷-۱۸، کتاب الحج، باب التمتع، في شرح قول المصنف: وأشهر الحج: شوال، و ذو القَعدة وعشر من ذي الحجة]

جب کہ محدثین کے ہاں اس کا اطلاق: عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن یزید المقری اور عبداللہ ابن مسلمۃ القعنبی پر ہوتا ہے۔[المجروحین ۱:۵۰۴]

(۳) البدایۃ والنہایۃ ۹:۲۲۴، الاعلام ۳:۲۲۴ (۴) وفیات الاعیان ۳:۲۶۱، الاعلام ۴:۲۳۵

کی وجہ ان کی کثرتِ احتیاط اور تفسیر بالرائے سے ان کا اِجتناب واِحتراز ہے۔

ولید بن محمد الموقری کی زبانی محدث ابن شہاب زہری [1] سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ: میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا: کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا: مکہ سے آرہا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ اہل مکہ کی قیادت وسیادت ان دونوں کون کررہا ہے؟ میں نے کہا کہ عطاء ابن ابی رباح۔ اُس نے کہا: وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا: موالی میں سے! اُس نے کہا کہ اُس نے یہ مقام کس وجہ سے حاصل کیا ہے؟ میں نے کہا: دیانت اور روایت کی وجہ سے...... [2]۔

مدینہ منورہ کا مدرسہ تفسیر

مدینہ منورہ کے مدرسہ تفسیر کے بانی سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ بکثرت صحابہ مدینہ منورہ میں اقامت پذیر تھے۔ اس عہد میں وہاں بہت سے تابعین نے بھی رہائش اختیار کی تھی جو تفسیر میں خصوصی شہرت کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے براہِ راست اور بعض نے بالواسطہ استفادہ کیا، جن میں سے درج ذیل تین نام بہت مشہور ہوئے:

۔۱: ابوالعالیہ ۔۲: محمد بن کعب قُرظی ۔۳: زید بن اسلم

۱۔ ابوالعالیہ

رُفیع بن مہران، ابوالعالیہ، رِیاحی [3] بصری، حافظ حدیث اور مفسر قرآن تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا

---

(۱) محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہری، قریش کی شاخ بنوزہرہ بن کلاب سے تعلق تھا۔ ۵۱ھ = ۶۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ حافظ وفقیہ تابعی ہیں۔ ۱۲۴ھ = ۷۴۲ء کو حجاز اور فلسطین کے بارڈر پر وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴:۱۷۷، غایۃ النہایۃ ۲:۲۶۲، الاعلام ۷:۹۷]

(۲) تہذیب الکمال ۲۰:۸۱-۸۲، مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے اسے بلا جھجک بغیر کسی تحقیق وتنقید کے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو اُن کی کتاب علوم القرآن، جلد دوم: ۳۵۹، حالانکہ اس کا راوی ولید بن محمد مُوَقّرِی ابوبشر بلقاوی کذاب، متروک، نا قابل احتجاج اور منکر الحدیث تھا۔ [تہذیب الکمال ۳۱:۷۶-۸۱، ترجمہ: ۶۷۳۴]

پس یہ کہانی موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۳) بنوریاح کی ایک خاتون نے آزاد کیا تھا اس لیے ریاحی کہلائے۔ بنوریاح قبیلہ بنوتمیم کی ایک شاخ ہے۔

زمانہ پایا لیکن شرفِ ملاقات سے محروم رہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسبِ فیض کیا۔ شوال ۹۰ یا ۹۳ھ میں وفات پائی (۱)۔

آپ قرآن مجید کے بہت بڑے مفسر تھے‘ یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

ليس أحدٌ بعدَ الصحابة أعلمَ بالقرآن من أبي العالية (۲).

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہ سے بڑھ کر کوئی قرآن کا عالم نہیں۔

۲- محمد بن کعب قُرظی

محمد بن کعب بن سُلَیم بن اسد قُرظی‘ مدنی‘ ابوحمزہ/ ابوعبداللہ۔ ان کے والد مدینہ منورہ کے مشہور قبیلے بنوقریظہ کے قیدیوں میں لائے گئے تھے مگر غزوۂ بنوقریظہ کے وقت وہ کم عمر تھے اس لیے قتل نہیں کیے گئے (۳)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کی ولادت رسول اکرم ﷺ کی حیات میں بتا دی ہے لیکن یہ قول درست نہیں (۴)۔ کثیر الحدیث ثقہ عالم اور صالح و نیک کار تھے (۵)۔

علامہ فَسَوی (۶) لکھتے ہیں: كان لمحمد بن كعب جُلسآء كانوا مِن أعلم الناس بتفسير القرآن‘ و كانوا مجتمعين في مسجد الربذة ‘ فأصابتهم زلزلةٌ ‘ فسقط عليهم المسجد‘ فماتوا جميعاً تحته (۷).

’’اپنے ایسے ساتھیوں کے ساتھ ربذہ کی جامع مسجد میں بیٹھے تھے جو سارے کے سارے تفسیر

---

(۱) تہذیب الکمال ۹:۲۱۵‘ ترجمہ:۱۹۲۲‘ سیر أعلام النبلاء ۴:۲۰۷‘ ترجمہ:۸۵

(۲) تہذیب الکمال ۹:۲۱۸

(۳) التاریخ الکبیر ۱:۲۱۶‘ ترجمہ:۶۷۹‘ تہذیب الکمال ۲۶:۳۴۱‘ ترجمہ:۵۵۷۳

(۴) سیر اعلام النبلاء ۵:۶۵ (۵) تہذیب الکمال ۲۶:۳۴۳

(۶) یعقوب بن سفیان بن جوان‘ فارسی‘ فسوی‘ ابو یوسف‘ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ایران کے ’’فسا‘‘ سے تعلق تھا‘ طلبِ حدیث میں تیس سال تک اپنے وطن سے دور رہے۔ ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۲۷۷ھ = ۸۹۰ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۲:۵۸۳‘ ترجمہ:۶۰۷‘ الاعلام ۸:۱۹۸]

(۷) فسوی‘ المعرفۃ والتاریخ ۱:۲۱۳‘ دار الکتب العلمیۃ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء‘ سیر اعلام النبلاء ۵:۶۶

قرآن کے علم میں بے مثال تھے کہ شدید زلزلہ آیا اور مسجد [کی چھت] ان پر گر پڑی اور وہ سب کے سب اُس کے نیچے مر گئے۔"

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اُن کی وفات ۱۰۸ھ کو ہوئی (۱)۔

۳۔ زید بن اسلم عدَوی

زید بن اسلم، عدوی، عمری، مدنی، ابواسامہ/ ابوعبداللہ، فقیہ اور مفسر تھے۔ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز (۲) کے عہدِ خلافت میں اُن کے پاس تھے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ مسجد نبوی میں اُن کے درس وتدریس کا وسیع حلقہ تھا۔ فنِ تفسیر میں اُن کی ایک کتاب ہے جو اُن کے فرزندان کی سند سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۳۶ھ = ۷۸۶ء کو وفات پائی (۳)۔

زید بن اسلم اپنے معاصرین میں کثرتِ علم کی بنا پر ممتاز تھے اور آپ کے بعض ہم عصر آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ امام بخاری لکھتے ہیں: كان علي بن الحسين يجلس إلى زيد بن أسلم ويتخطّى مجالس قومه فقال له نافع بن جبيربن مطعم: تَخَطّى مجالس قومك إلى عَبدِ عمربن الخطاب؟ فقال: إنمايجلس الرجلُ إلى من ينفعه في دينه (۴)

"علی بن حسین [زین العابدین] زید بن اسلم کے یہاں حاضر ہو کر اُن سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم (۵) نے اُن سے کہا: آپ اپنی قوم کی علمی مجالس چھوڑ کر [سیدنا] عمر بن

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۵: ۶۷

(۲) عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم، اموی، قرشی، ابوحفص۔ ۶۱ھ = ۶۸۱ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ صالح خلیفہ اور عادل و نیک سیرت فرماں رواں تھے۔ ۱۰۱ھ = ۷۲۰ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
[سیر اعلام النبلاء ۵: ۱۱۴، الاعلام ۵: ۵۰]

(۳) تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۳۲، ترجمہ: ۱۱۸، الاعلام ۳: ۵۶-۵۷

(۴) التاریخ الکبیر ۳: ۳۸۷، ترجمہ: ۱۲۸۷، سیر اعلام النبلاء ۹: ۳۸۳، ترجمہ: ۱۵۳

(۵) نافع بن جبیر بن مُطعَم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف، قرشی، نوفلی، ابومحمد/ ابوعبداللہ۔ اُن کا شمار حدیث کے بڑے راویوں میں ہوتا ہے۔ ثقہ تابعی تھے۔ اہل مدینہ میں سے تھے۔ بہت فصیح و بلیغ تھے۔ آپ فتویٰ بھی دیا کرتے تھے۔ ۹۹ھ = ۷۱۷ء کو وفات پائی۔ [تہذیب الکمال ۲۹: ۲۷۲، ترجمہ: ۶۳۵۹، الاعلام ۷: ۳۵۲]

خطاب [رضی اللہ عنہ] کے غلام زید بن اسلم کے ہاں جاتے ہیں؟ زین العابدین نے فرمایا: آدمی اُس شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے جس سے کچھ دینی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔"

کوفہ کا مدرسہ تفسیر

تفسیر کا عراقی مدرسہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مرہونِ منت ہے، جہاں آپ کے سوائی اور صحابہ بھی مقیم تھے جن سے اہل عراق نے تفسیر قرآن مجید کا درس لیا مگر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس مکتب فکر کے اولین استاذ تسلیم کیے جاتے ہیں جس کی وجہ تفسیر میں آپ کی شہرت اور اُن سے مرویات اور منقولات کی کثرت ہے (۱)۔

عراقی مکتب فکر کے ممتاز مفسرین یہ ہیں: ۱- علقمہ بن قیس ۲- مسروق بن اجدع ۳- اسود بن یزید ۴- مُرَّہ ہمدانی ۵- عامر بن شراحیل ۶- حسن بصری ۷- قتادۃ

۱- علقمہ بن قیس

علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک، نخعی، ہمدانی، ابوشبل، تابعی اور عراق کے فقیہ تھے۔ سیرت و کردار اور علم و فضل میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث نقل کیں۔ جنگ صفین اور غزوۂ خراسان میں شرکت کی۔ دو سال تک خوارزم میں اور کچھ عرصہ مرو میں اِقامت پذیر تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی اور وہیں ۶۲ھ = ۶۸۱ء کو نوے سال کی عمر میں وفات پائی (۲)۔ حافظ ذہبی انہیں فقیه الكوفة وعالمها ومُقرئُها، الإمام، الحافظ، المجوِّد اور المجتهد الكبير جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں (۳)۔

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ: إذا رأيتَ علقمة فلايضُرُّكَ أن لاَّ ترَى عبدالله، أشبه الناس به سَمتاً وهدياً (۴).

"جب تم علقمہ کو دیکھ لو تو [سیدنا] ابن مسعود [رضی اللہ عنہ] کو نہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، وہ اُن سے گفتار

(۱) التفسیر والمفسرون ۱:۸۱
(۲) تاریخ بغداد ۱۲:۲۹۶، الاعلام ۴:۲۴۸
(۳) سیر اعلام النبلاء ۴:۵۳
(۴) تہذیب الکمال ۲۰:۳۰۳

اور کردار میں بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔''

۲۔ مسروق بن اَجدع

مسروق بن اَجدع بن مالک ہمدانی' وادِعی' ابو عائشہ' ثقہ تابعی تھے۔ اہل یمن میں سے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ آئے۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ ۶۳ھ=۶۸۳ء کو وفات پائی(۱)۔

کہا جاتا ہے کہ: أنه سُرِقَ وهو صغيرٌ ثم وُجِدَ فسُمِّيَ مسروقاً' وأسلم أبوه الأجدع' ورأى مسروق أبابكر' وعمر' وعثمان' وعليًّا' وعبداللّٰه بن مسعود وعائشة أم المؤمنين...... وكان ممن حضر مع علي حرب الخوارج بِالنَّهرَوان (۲).

''بچپن میں اِغواء کیے گئے' پھر بازیاب ہوئے تو مسروق نام پڑا۔ اُن کے والد اجدع نے اسلام قبول کیا تھا۔ مسروق نے سیدنا ابو بکر' سیدنا عمر' سیدنا عثمان' سیدنا علی' سیدنا عبداللہ بن مسعود اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی ہے۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں نہروان (۳) میں خوارج سے لڑی جانے والی جنگ میں حصہ لیا تھا۔''

آپ فرماتے ہیں: لَقِيتُ عمربن الخطّاب فقال: ماسمُك؟ فقلتُ: مسروق بن الأجدع' قال: سمعتُ النبي ﷺ يقول: الأجدع شيطانٌ (۴) أنتَ مسروق بن عبد الرحمٰن. قال

---

(۱) تہذیب الکمال ۲۷:۴۵۲' ترجمہ: ۵۹۰۲' الاعلام ۷:۲۱۵

(۲) تاریخ بغداد ۱۳:۲۳۲' ترجمہ: ۷۲۰۲

(۳) اسے کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے: نَہرَوَان' نَہرِوَان' نَہرُوَان' نِہرَوَان. بغداد اور واسط کے درمیان ایک وسیع علاقے کا نام ہے جو ۳۹ھ=۶۵۸ء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین ہونے والی ایک جنگ کے باعث مشہور ہے۔ [معجم البلدان ۵:۳۲۴' معجم مااستعجم ۴:۱۷۴]

(۴) سنن ابی داود' کتاب الادب [۳۵] باب في تغيير الإسم القبيح [۷۰] حدیث: ۴۹۵۷' سنن ابن ماجہ' کتاب الادب [۳۳] حدیث: ۳۷۳۱' المستدرک ۴:۲۷۹.

اس کی سند میں مجالد بن سعید بن عمیر ہمدانی ہے جو قوی راوی نہیں اور آخری عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ [ابن حجر عسقلانی' تقریب التہذیب: ۵۴۹' ترجمہ: ۶۴۷۸]

الشعبي: فرأيته في الديوان مسروق بن عبدالرحمٰن[1].

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے میرا نام پوچھا، میں نے کہا: مسروق بن اَجدع! آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اَجدع شیطان کا نام ہے، تمہارا نام مسروق ابن عبدالرحمٰن ہے۔ شعبی[2] کہتے ہیں: میں نے [سرکاری] دیوان [دفتر] میں اُن کا نام مسروق ابن عبدالرحمٰن لکھا ہوا دیکھا ہے۔''

امام شعبی کہتے ہیں: كان مسروق أعلم بالفتوى من شُرَيح و كان شُرَيح أعلم بالقضاء من مسروق، و كان شريح يستشير مسروقاً، و كان مسروق لا يستشير شُرَيحاً[3].

''مسروق فتویٰ دینے میں شریح[4] سے زیادہ ماہر تھے جب کہ شریح کے پاس قضاء کا علم زیادہ تھا۔ شریح، مسروق سے مشورہ لیا کرتے تھے مگر مسروق، شریح سے مشورہ نہیں لیا کرتے تھے۔''

۳۔ اسود بن یزید نخعی

اسود بن یزید بن قیس، امام، قدوہ، ابوعمرو/ ابوعبدالرحمٰن نخعی کوفی۔ آپ عبدالرحمٰن بن یزید کے بھائی، عبدالرحمٰن بن اَسود کے والد، علقمہ بن قیس کے بھتیجے اور ابراہیم نخعی کے ماموں تھے۔ مخضرم تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ جلالتِ شان، علم، وثاقت اور عمر میں مسروق کے نظیر تھے اور دونوں کی عبادت ضرب المثل تھی[5]۔

اپنے زمانے میں کوفہ کے عالم تھے۔ روزانہ سات سو رکعت پڑھنے کا معمول تھا[6]۔

---

(۱) تاریخ بغداد ۱۳: ۲۳۲-۲۳۳

(۲) ان کا ترجمہ متن میں عن قریب آ رہا ہے۔

(۳) تاریخ بغداد ۱۳: ۲۳۳-۲۳۴

(۴) شُرَیح بن حارث بن قیس بن جہم کندی، ابوامیہ، صفِ اول کے مشہور قاضی ہیں۔ اصل میں یمن سے تعلق تھا۔ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے اَدوارِ خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے۔ حجاج کے زمانے میں اپنے عہدے سے اِستعفیٰ دیا۔ حدیث میں ثقہ اور قضاء میں امین تھے۔ ادب و شعر کا ذوق رکھتے تھے۔ طویل عمر پائی۔ ۷۸ھ = ۶۹۷ء کو کوفہ میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۲: ۴۶۰، ترجمہ: ۲۹۰، الاعلام ۳: ۱۶۱]

(۵) سیر اعلام النبلاء ۵: ۵۰، ترجمہ: ۱۳

(۶) تذکرۃ الحفاظ ۱: ۵۰-۵۱، ترجمہ: ۲۹

5

۷۵ھ=۶۹۴ء کو وفات ہوئے (۱)۔

۴۔ مُرَّۃ ہمدانی

مُرَّۃ بن شراحیل ہمدانی' کوفی' مخضرم اور کبیر الشان تھے۔ اپنی عبادت اور خیر و علم کی وجہ سے مُرَّۃُ الْخَیر اور مُرَّۃُ الطَّیِّب کہلائے (۲)۔

روزانہ چھ سو رکعات پڑھنے کا معمول تھا (۳)۔ حافظ ذہبی اُن کی عبادت گزاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قلتُ: ما کان ھذا الولي یکاد یتفرَّغُ لِنَشرِ العلم' ولھذا لم تَکْثُرْ روایتہ' وھل یُرادُ مِن العلمِ إلاَّ ثَمَرَتُہُ (۴)۔

''میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے اس ولی [اپنی عبادت سے] کو علم کی نشر و اشاعت کے لیے کم فراغت ملتی اس لیے اُن کی روایتوں کی تعداد زیادہ نہیں' لیکن حصولِ علم کا ثمرہ ہی مطلوب ہے [جو عبادت گزاری ہی ہے]۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کان بصیراً بالتفسیر (۵)۔ ''تفسیر میں صاحبِ بصیرت تھے۔''

۹۰ھ کے حدود میں وفات پائی (۶)۔

۵۔ شعبی: عامر بن شراحیل

عامر بن شراحیل [عبداللہ] بن عبد ذی کبار شعبی' حمیری' ابو عمرو۔ شعب ہمدان کی نسبت سے شعبی کہلائے۔ جو ہمدان کی ایک شاخ ہے (۷)۔ کوفہ میں ۱۹ھ=۶۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ ثقہ تابعی تھے۔ بے مثال حافظہ پایا تھا۔ حدیث کے ثقہ راوی' فقیہ اور شاعر تھے (۸)۔

شعبی نے اڑتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں (۹)۔ آپ نے کئی مرسَل روایتیں بھی نقل کی

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۱:۵۱' الاعلام ۱:۳۳۰ (۲) سیر اعلام النبلاء ۴:۷۴' ترجمہ: ۲۱

(۳-۴) سیر اعلام النبلاء ۴:۷۵ (۵-۶) تذکرۃ الحفاظ ۱:۶۷

(۷) سیر اعلام النبلاء ۴:۲۹۶

(۸) تاریخ بغداد ۱۲:۲۲۷' الاعلام ۳:۲۵۱

(۹) تاریخ الثقات' عجلی: ۲۴۳-۲۴۴' ترجمہ: ۷۵۱' سیر اعلام النبلاء ۴:۳۰۱

ہیں مگر: مرسل الشعبي صحيح 'لا يُرسِلُ إلاَّ صحيحاً صحيحاً'۔ (۱)

''شعبی کی مرسل روایتیں صحیح ہوتی ہیں، وہ صحیح صحیح روایتوں میں اِرسال کرتے ہیں۔''

کوفہ میں ۱۰۳ھ = ۷۲۱ء کو فوت ہوئے (۲)۔

۶۔ حسن بصری

حسن بن یسار [ابوالحسن] بصری۔ کنیت ابوسعید تھی۔ اپنے زمانہ میں اہل بصرہ کے امام تھے۔ آپ کے والد کا تعلق نیشاپور سے تھا۔ زبردستی غلام بنائے گئے اور مدینہ منورہ میں فروخت کیے گئے۔ ۲۱ھ = ۶۴۲ء کو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا (۳) کی خادمہ تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تربیت حاصل کی۔ ۱۱۰ھ = ۷۲۸ء کو وفات پائی (۴)۔

۷۔ قتادۃ

قتادۃ بن دِعامۃ [دال کے زیر سے] بن قتادۃ بن عُزَیز [تصغیر سے] ابوالخطاب، سدوسی، بصری، مفسر قرآن اور حافظ حدیث تھے۔ مادرزاد اندھے تھے۔ لغت، ایامِ عرب اور انساب کے ماہر عالم تھے قدری اور مدلس تھے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۱۸ھ = ۷۳۶ء کو واسط میں طاعون کے

---

(۱) کتاب الثقات، عجلی: ۲۴۴، سیر اعلام النبلاء ۴: ۳۰۱

(۲) تاریخ بغداد ۱۲: ۲۲۷، الاعلام ۳: ۲۵۱

(۳) ہند بنت سہیل المعروف ابوامیہ [حذیفہ یا زادالراکب] بن مغیرہ، قرشیہ، مخزومیہ، ام سلمہ، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ مکہ معظمہ میں ۲۸ قبل ہجری = ۵۹۶ء کو پیدا ہوئیں۔ قدیم الاسلام اور عقل وکمال کے لحاظ سے مکمل ترین خاتون تھیں۔ اپنے سابقہ شوہر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کی معیت میں حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ۴ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ صلح حدیبیہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مشورہ سے قربانی کرکے اِحرام کھولا تھا۔ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ طویل عمر پائی۔ اُن سے ۳۷۸ اَحادیث مروی ہیں۔ ۶۲ھ = ۶۸۱ء کو وفات پا گئیں۔

[اسد الغابۃ ۵: ۶۰۶، ترجمہ: ۷۴۷۵، الاعلام ۸: ۹۷]

(۴) صفوۃ الصفوۃ ۳: ۲۳۵ - ۲۳۷، الاعلام ۲: ۲۲۶

عارضہ سے وفات پائی[۱]۔

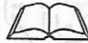
امام شعبہ[۲] فرماتے ہیں: كنتُ أتفقَّدُ فَم قتادَةَ، فإذا قال: حدَّثَناو سمعتُ تحفَّظتُه، و إذا قال: حدث فلانٌ تركته[۳].

''میں قتادہ کی بات غور سے سنتا رہتا، وہ جب حدثنا کہتے تو میں اُس روایت کو نقل کرتا اور جب عَن کہتے یا بیان کرتے کہ فلان نے روایت بیان کی ہے تو میں اُس روایت کو نہ لکھتا بلکہ اسے چھوڑ دیتا۔''

تنبیہ

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وفي الجملة مَنْ عدَلَ عَنْ مَذاهبِ الصَّحابةِ و التابعينَ و تفسيرِهِم إلى ما يُخالِفُ ذلك كان مُخطِئاً في ذلك بل مبتدعاً، و إن كان مجتهداً مغفوراً له خَطَؤهُ[۴].

''مختصر یہ کہ تفسیر میں جو شخص صحابہ اور تابعین کے راستے سے ہٹ کر اُس کے خلاف موقف اختیار کرتا ہے، وہ اس معاملے میں نہ صرف غلطی کرتا ہے بلکہ بدعتی ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر مفسر نے اجتہاد کیا ہو [اور اُس نے اپنی تفسیر میں ٹھوکر کھائی ہو بشرطے کہ اُس کا طریقہ کار صحیح ہو] تو اللہ تعالیٰ اُس کی غلطی معاف کر دیں گے۔''



---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۲۲، الاعلام ۵:۱۸۹

(۲) شعبہ بن حجاج بن ورد، عتکی، ازدی، واسطی، بصری، ابو بسطام، واسط میں ۸۲ھ = ۷۰۱ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۶۰ھ = ۷۷۶ء کو وفات پائی۔ رجال الحدیث کے ائمہ میں سے تھے اور روایت و درایت دونوں کے بادشاہ تھے۔ [تاریخ بغداد ۹:۲۵۵، وفیات الاعیان ۲:۴۶۹، الاعلام ۳:۱۶۴]

(۳) الجرح والتعدیل ۱:۱۶۹، ۴:۲۷۰، معرفۃ السنن والآثار ۱:۸۶، سیر اعلام النبلاء ۱۳:۲۴۸

(۴) مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۶۱

فصل دوم

تفسیر کی قسمیں

تفسیر کی درج ذیل قسمیں ہیں:

[۱] تفسیر بالمأثور [۲] تفسیر بالرأي

[۳] تفسیر فقہی [۴] تفسیر بالإشارة [التفسیر الصوفي]

تفسیر بالمأثور

مأثورٌ، أثرٌ سے مفعول کا صیغہ ہے، جس کے معنی علامت، نشانی اور نقل کے ہیں۔ کسی آیت کا معنی اور مفہوم اگر قرآن مجید کی کسی آیت سے واضح ہوتا ہو یا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے آثار و اَقوال سے اس پر روشنی پڑتی ہو تو اس کا نام تفسیر بالمأثور ہے۔ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالمأثور کی درجِ ذیل قسمیں ہیں:

۱- تفسیر القرآن بالقرآن

۲- تفسیر القرآن بالسنة

۳- تفسیر القرآن بآثار الصحابة

۴- تفسیر القرآن بآثار التابعین

۱- تفسیر القرآن بالقرآن

تفسیر القرآن بالقرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر اور وضاحت کر دیتی ہیں۔ کوئی بات ایک جگہ مجمل انداز میں کہی جاتی ہے اور دوسری جگہ اسے کھول دیا جاتا ہے اور اِجمال و اِبہام کو دور کیا جاتا ہے' یہ قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: ماأحسنُ طرق التفسیر؟ ''تفسیر کا احسن طریقہ کیا ہے؟'' تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا: إنَّ أصحَّ الطُّرُقِ في ذلك أن یفسر القرآن بالقرآن' فما أجملَ في مكانٍ فإنه قد فُسِّرَ في موضع آخر' وما اختصر من مكان فقد بسط في موضع آخر.

فإن أعياكَ ذلكَ فعليك بالسنة فإنها شارحةٌ للقرآن و موضحة له 'بل قال الإمام أبو عبد الله محمد بن إدريس الشافعي : كُلُّ ما حَكَمَ به رسول الله ﷺ فهو مما فَهِمَه من القرآن.(۱)

''تفسیر کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی سے کی جائے، اس لیے کہ اگر کہیں کوئی اجمال یا اختصار موجود ہے تو دوسری جگہ میں اس کی تفسیر و تفصیل کی گئی ہے۔ اگر قرآن مجید سے تفسیر نہ مل سکے تو پھر سنت میں اسے ڈھونڈ لینا چاہئے اس لیے کہ سنت بھی قرآن مجید کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے بلکہ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام احکام قرآن مجید ہی سے سمجھے ہیں۔''

تفسیر القرآن بالقرآن کی مثالیں

[۱] سورۃ الفاتحۃ میں مذکور ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۲)

''چلا ہمیں سیدھی راہ۔''

قرآن مجید نے صراط مستقیم کی تفسیر اس طرح کی ہے:

- اللہ ہی کی عبادت کرنا: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (۳)

''بے شک اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے، سو اُس کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔''

- قرآن مجید: وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا (۴)

''اور یہ قرآن تیرے رب کی سیدھی راہ ہے۔''

- سبیل الرسول ﷺ: اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۵)

''بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔''

---

(۱) مجموع الفتاویٰ ۱۳: ۱۶۲، تفسیر ابن کثیر ۱: ۶
(۲) سورۃ الفاتحۃ ۱: ۶
(۳) سورۃ آل عمران ۳: ۵۱
(۴) سورۃ الانعام ۶: ۱۲۶
(۵) سورۃ الزخرف ۴۳: ۴۳

[۲] سورۃ الفاتحۃ میں مذکور ہے: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱).

''اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام واِکرام کیا ہے اور جن کی راہ پر چلنے کی یہاں استدعاء کی جاتی ہے؟ اس کی تفسیر اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۲).

''اور جس نے اللہ اور رسول کی اِطاعت کی تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جو انبیاء ہیں، سچے [مؤمن] ہیں، شہید ہیں اور صالحین ہیں اور یہ اچھے رفیق ہیں۔''

[۳] سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں وارِد ہے: فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (۳).

''پس آدم [علیہ السلام] نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے تو [اللہ نے] اُس کی توبہ قبول کر لی۔''

وہ کون سے کلمات ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے؟ اس کی تفسیر ایک دوسری جگہ ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۴).

''اُن دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔''

[۴] اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ [سیدنا] آدم [علیہ السلام] کو سجدہ کریں، تو سب نے سجدہ کیا اور:

اِلَّآ اِبْلِيْسَ (۵).

''مگر ابلیس نے نہیں کیا۔''

یہاں یہ وضاحت موجود نہیں کہ کیا ابلیس ملائکہ میں سے تھا یا جنی تھا؟ اس اِبہام کو اس آیت میں دور کیا گیا: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (۶).

---

(۱) سورۃ الفاتحۃ ۱:۷
(۲) سورۃ النساء ۴:۶۹
(۳) سورۃ البقرۃ ۲:۳۷
(۴) سورۃ الاعراف ۷:۲۳
(۵) سورۃ البقرۃ ۲:۳۴
(۶) سورۃ الکہف ۱۸:۵۰

"جنات میں سے تھا اس لیے اُس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔"

یعنی ابلیس کا جنات میں سے ہونا۔ جن کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔سبب بنا اُس کی سرکشی کا'اگر یہ ملائکہ میں سے ہوتا تو قطعاً نافرمانی نہ کرتا اس لیے کہ:

لَايَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآاَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ ۔ (۱)

"اللہ، اُن کو جو حکم دیتا ہے وہ [ملائکہ] اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم ملتا ہے۔"

اور ابلیس نے خود ہی کہا تھا: اَنَاخَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔ (۲)

"میں اس سے بہتر ہوں [کہ] تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا ہے۔"

اس لیے مفسر ابن جریر نے حسن بصری کے حوالے سے لکھا ہے: ما كان إبليس من الملائكة طَرْفَةَ عينٍ قطُّ'وإنه لأصل الجن'كماأنَّ آدم أصل الإنس ۔ (۳)

"ابلیس آنکھ کی جھپک کے برابر بھی کبھی فرشتہ نہ رہا بلکہ جس طرح سیدنا آدم علیہ السلام انسانوں کا اصل ہیں، اُس طرح یہ جنات کا اصل ہے۔"

[۵] ارشاد ربانی ہے: وَاَوْفُوْابِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ... (۴)

"اور مجھ سے وعدہ پورا کرو [تو] میں تم سے وعدہ پورا کروں گا۔"

ان وعدوں کی وضاحت اور تفسیر قرآن مجید نے اس آیتِ کریمہ میں کر دی ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ ۔ (۵)

"اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے اُن میں بارہ سردار مقرر کیے تھے اور

---

(۱) سورۃ التحریم ۶:۶۶
(۲) سورۃ الاعراف ۱۲:۷
(۳) تفسیر ابن جریر ۱:۲۶۳'نص:۶۹۶
(۴) سورۃ البقرۃ ۲:۴۰
(۵) سورۃ المائدۃ ۱۲:۵

اللہ نے [اُن سے یہ بھی] کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تو اگر نماز کا اہتمام کرو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہو گے اور اُن کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کروں گا اور ضرور تمہیں جنات میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے وعدے یہ ہیں:

-۱: معیتِ الٰہی -۲: اُن سے گناہ دور کرنا -۳: ابدی خوشی، یعنی جنت میں راحت کی زندگی

جب کہ بنی اسرائیل سے یہ وعدے لیے گئے:

-۱: نماز کا اہتمام کرنا -۲: زکوٰۃ دیتے رہنا -۳: سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا -۴: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

[۶] ارشاد ربانی ہے: وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۱).

"اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کردیا درآنحالے کہ تم دیکھ رہے تھے۔"

سمندر کو پھاڑنے، بنی اسرائیل کو نجات دینے اور فرعونیوں کو غرق کرنے کی تفصیل اس طرح کی گئی:

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۞ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۞ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ (۲) ۞

"پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیج دی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی۔ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے ساتھ والوں سب کو بچالیا۔"

رہا یہ ابہام کہ فرعون غرق ہوا تھا یا نہیں؟ سو اس کی تفصیل اس طرح کی گئی:

- وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۵۰ (۲) سورۃ الشعراء ۲۶:۶۳

الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۞ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۞ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً(۱)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اُس کے لشکر نے ظلم و زیادتی [کے ارادہ] سے اُن کا پیچھا کیا' یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی الٰہ نہیں بجز اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلموں میں [داخل ہوتا] ہوں۔ یہ اب! حالانکہ تو تو سرکشی کرتا رہا اس سے قبل تک اور تو مفسدوں [ہی] میں شامل رہا۔ آج ہم تمہیں ساحل پر تیری چھوٹی زرہ سمیت ڈال دیتے ہیں تاکہ تو پیچھے آنے والوں کے لیے ایک نشان عبرت رہے۔''(۲)

— وَفِیْ مُوْسٰٓی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۞ فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۞ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ۞(۳)

''اور موسیٰ [کے قصہ] میں بھی [نشانی ہے] جب کہ ہم نے اُسے فرعون کے پاس بھیجا ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر لیکن اُس نے اپنی قوت [کے زعم] میں سرتابی کی اور کہنے لگا: یہ ساحر یا مجنون ہے' سو ہم

---

(۱) سورۃ یونس ۱۰: ۹۰-۹۲

(۲) امام قرطبی لکھتے ہیں: نُلقیك على نجوة من الأرض ' وذلك أن بني إسرائيل لم يصدقوا أنّ فرعون غَرِقَ وقالوا: هو أعظمُ شأنا من ذلك ' فألقاه الله على نجوةٍ من الأرضِ ' أي: مكان مرتفع من البحر حتى شاهَدُوه. [تفسیر القرطبی ۸: ۳۳۷' دار الكتاب العربي' بیروت' ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء]

''ہم تمہیں بلند زمین پر ڈال دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کا یقین نہ تھا اُن کا خیال تھا کہ فرعون کبھی غرق نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے دریا سے اٹھا کر بلند زمین پر پھینک دیا یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا [کہ وہ مرا ہوا ہے]۔''

امام مکی بن ابی طالب لکھتے ہیں: نُنَجِّیكَ بِبَدَنِكَ: قيل: هو من النجاء' أي: نُخلصك من البحر ميتاً ليراك بنو اسرائيل' وقيل معناه: نلقيك على نجوةٍ من الأرض. [مشکل اعراب القرآن: ۲۲۷]

(۳) سورۃ الذاریات ۵۱: ۳۸-۴۰

نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ تھا ہی قابلِ ملامت۔''

–فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی (۱)

''اس پر اللہ نے اُسے دنیا اور آخرت کی عذاب میں پکڑ لیا۔''

اس تفسیر سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوئی جو کہتے ہیں کہ فرعون غرق نہیں ہوا تھا بلکہ آل فرعون کو غرق کیا گیا تھا اس طرح اُن لوگوں کا جواب بھی ہوا جن کا خیال ہے کہ فرعون مسلمان مرا تھا۔

[۷] ارشادِ ربانی ہے: اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ (۲)

''تمہارے لیے چوپائے مواشی حلال [اور جائز] کیے گئے ہیں، بجز اُن کے جن کا ذکر تم سے کیا جائے گا۔''

یہ کون سے جانور ہیں جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے' اس کی تفصیل آگے اس سورۃ میں مذکور ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَ الْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ (۳)

''تم پر حرام کیے گئے ہیں مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اور جو کسی کے سینگ سے مر جائے اور جس کو درندے کھانے لگیں' سوا اِس صورت کے کہ تم اُسے ذبح کر ڈالو، اور جو جانور استھانوں پر بھینٹ چڑھایا جائے اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب گناہ [کے کام] ہیں۔''

[۸] ارشادِ ربانی ہے: وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (۴)

''اور چاہیے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔''

---

(۱) سورۃ النازعات ۷۹:۲۵ (۲) سورۃ المائدۃ ۵:۱

(۳) سورۃ المائدۃ ۵:۳

(۴) سورۃ الحج ۲۲:۲۹

العَتِیق ایک ایسا لفظ ہے جس کے بیک وقت دو معنی ہو سکتے ہیں: قدیم' اور جابروں کے تسلط سے آزاد' اس لیے یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ یہاں اس سے کون سا گھر مراد ہے جس کا طواف کیا جائے اس کی تفسیر اور تفصیل قرآن مجید نے دوسری جگہ کر دی ہے اور فرمایا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱).

''سب سے پہلے مکان جو لوگوں کے لیے [دنیا میں عبادت گاہ کے طور پر] وضع کیا گیا' وہ، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔[سب کے لیے] برکت والا ہے اور سارے جہان کے لیے رہ نما ہے۔''

[۹] ارشاد ربانی ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (۲).

''اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے [نبی ﷺ کے] گھر والو! کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے۔''

کچھ لوگوں نے اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں اور ازواج مطہرات اس میں داخل نہیں لیکن اس آیت کا سیاق وسباق اس نظریہ کی واضح تردید کرتا ہے اس لیے کہ اس آیت کے آگے اور پیچھے تمام تر خطاب ازواج مطہرات کو ہو رہا ہے اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اہل بیت کے مفہوم میں داخل نہ ہوں' بلکہ اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے' یہ آیت اس باب میں نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن مجید میں دوسری جگہ اہل بیت کا لفظ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے: قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (۳).

''وہ بولے: ارے! تم تعجب کرتی ہو، اللہ کے کام میں۔اے [نبی کے] خاندان والو! تم پر تو اللہ کی [خاص] رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں۔''

[۱۰] ارشاد ربانی ہے: وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۴).

''لیکن عذاب کی بات کافروں پر پوری ہو کر رہی۔''

---

(۱) سورۃ آل عمران ۳:۹۶ (۲) سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۳

(۳) سورۃ ہود ۱۱:۷۳ (۴) سورۃ الزمر ۳۹:۷۱

اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱)

"لیکن میری یہ بات محقَّق ہو چکی ہے کہ میں دوزخ کو بھر کر رہوں گا [مشرک] جنّات اور انسانوں سے۔"

تفسیر القرآن بالقرآن سے متعلق متقدمین کی کوئی کتاب نہ مل سکی' البتہ ہر تفسیر میں کچھ نہ کچھ تفسیر القرآن بالقرآن مل جاتی ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں: قداً لّفَ ابن الجوزي كتاباً فيما أجمل في القرآن في موضع' وفُسّرَفي موضع آخر منه (۲)

"حافظ ابن جوزی (۳) نے ایک خاص کتاب ہی ان امور کے بیان میں لکھی ہے جو کہ قرآن مجید میں ایک جگہ اجمالاً بیان ہوئے ہیں اور دوسری جگہ اسی میں ان کی تفسیر کی گئی ہے۔"

اسی نوعیت کی ایک بے مثال اور گران قدر کتاب مدینہ منورہ کے ایک عالم علامہ شنقیطی (۴) نے اَضواءُ البيان في إيضاح القرآن بالقرآن کے نام سے لکھی ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ [۱:۳۳-۵۳] میں انہوں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی مختلف صورتیں مزید وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔

---

(۱) سورۃ الم السجدۃ ۳۲:۱۳

(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۸۷ نوع: ۷۸ شروط مفسر

(۳) عبدالرحمن بن علی بن محمد' جوزی' قرشی' بغدادی' ابوالفرج' بغداد میں ۵۰۸ھ = ۱۱۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث' تفسیر' تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباء واَجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے' اسی لیے ابن جوزی کہلائے۔ ۵۹۷ھ = ۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳:۱۴۰' تذکرۃ الحفاظ ۴:۱۳۴۲' الاعلام ۳:۳۱۶]

(۴) محمد الامین بن محمد المختار' موریتانیا کے علاقے شنقیط میں ضلع کیفا کے تَنبَہ نامی پانی کے چشمے سے منسوب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہوئے۔ نامور شیوخ سے علم حاصل کیا۔ ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔ [مقدّمہ اضواء البیان ۱:۱۲...... وما بعد]

۲- تفسیر القرآن بالحدیث والسنۃ

یعنی حدیث وسنت سے قرآن مجید کی تفسیر۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں شامل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جو احکام و ہدایات دیں آپ ﷺ ان کی توضیح فرمائیں۔ ایک موٹی عقل کا آدمی بھی کم از کم اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ کسی کتاب کی توضیح محض اس کتاب کے الفاظ پڑھ کر سُنا دینے سے نہیں ہو جاتی، بلکہ توضیح کرنے والا اُس کے الفاظ سے کچھ زائد کہتا ہے تا کہ سننے والا کتاب کا مطلب پوری طرح سمجھ جائے اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلے سے متعلق ہو تو شارح عملی مظاہرہ کر کے بتاتا ہے کہ مصنف کا مراد و منشا اس طرح عمل کرنا ہے۔ یہ نہ ہو تو کتاب کے الفاظ ہی سنا دینا کسی طفل مکتب کے نزدیک بھی توضیح قرار نہیں پا سکتا، فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱)

''اور ہم نے تم پر یہ نصیحت نامہ اُتارا ہے تا کہ تم لوگوں پر ظاہر کرو جو کچھ اُن کے پاس بھیجا گیا ہے اور تا کہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں۔''

تفسیر القرآن بالحدیث والسنۃ کی مثالیں

[۱] سنت اور حدیث نے بہت سے اصطلاحی الفاظ مثلاً: ایمان، اسلام، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، قربانی اور جہاد وغیرہ کا مفہوم متعین کیا اور ان کی صحیح عملی کیفیت بیان کی۔

[۲] قرآنی جملوں کی وضاحت کی مثلاً: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ (۲)

''کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سیاہ وسفید دھاگہ میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے۔''

جب نازل ہوئی تو سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (۳) نے دو دھاگے: ایک سفید اور دوسرا سیاہ لے کر

---

(۱) سورۃ النحل ۱۶:۴۴ (۲) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۷

(۳) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ: حاتم طائی کے قابلِ فخر فرزند تھے، دادا کا نام عبداللہ اور پردادا کا نام سعد بن الحشرج تھا۔ ابو طریف اور ابو وہب کنیت تھی۔ ۷ ہجری کو مشرف با سلام ہوئے۔ نہایت عاقل صحابی تھے۔ فتح عراق میں شریک تھے۔ کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ محدثین نے ان سے ۶۶ احادیث نقل کی ہیں۔ ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۳:۱۶۲-۱۶۵، الاعلام ۴:۲۲۰]

اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیے اور رات میں ان دھاگوں کو دیکھتے رہے جب دونوں کا رنگ نظر آنے لگا تو انہوں نے کھانا پینا بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: عدی! تمہارا تکیہ تو بڑا لمبا چوڑا معلوم ہو رہا ہے جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں۔ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے مراد نہیں بلکہ رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے، اس کے بعد مزید توضیح کے لیے آیت میں مِنَ الْفَجْرِ کا ٹکڑا اور نازل ہوا، تاکہ پھر اس غلط فہمی کا اعادہ نہ ہو(۱)۔

[۳] مشکلات قرآن کی تفسیر اور وضاحت کی، مثلاً کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آیت کریمہ:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ(۲)

"جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ اُسے ضرور دیا جائے گا۔"

میں یہ شبہ ہوا کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی قصور تو ہوتا ہی ہے لہذا اس آیت کے مطابق ہر شخص کے لیے عذاب میں گرفتار ہونا ضروری ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: قَارِبُوا، وَسَدِّدُوا، فَفِي كُلِّ مَا يُصَابُ بِهِ الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ، حَتَّى النَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا أَوِ الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا(۳)

"میانہ روی سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اختیار کرو۔ یہاں بدلہ سے جہنم کا عذاب سمجھنا صحیح نہیں بلکہ ہر وہ تکلیف جو انسان کو دنیا میں پہنچتی ہے وہ بھی اس فروگزاشت کا بدلہ بن جاتی ہے۔"

[۴] الفاظ کے معانی کا تعین کیا، مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(۴)

"جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے اپنے ایمان میں کوئی ظلم شامل نہیں کیا، یہی لوگ ہیں جنہیں امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا اٹھے اور دربارِ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں ایسا کون شخص ہے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم [۳۰] باب قول اللہ: کلوا واشربوا [۱۶]، حدیث: ۱۹۱۶، کتاب التفسیر [۶۵] باب: وکلوا واشربوا [۲۸] احادیث: ۴۵۰۹-۴۵۱۰

(۲) سورۃ النساء ۴: ۱۲۳

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة [۴۵] باب ثواب المؤمن فیما یصیبه حزن [۱۴] حدیث: ۲۵۷۴

(۴) سورۃ الانعام ۶: ۸۲

جس نے ایمان لانے کے بعد کوئی ظلم اور معصیت نہ کی ہو پس اس آیت کے بموجب تو ہم میں کوئی بھی امن وہدایت کا مستحق نہیں رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس کماتظنون،إنماھو کماقال لقمان لابنه (۱): يٰبُنَيَّ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۲).

''[یہاں ظلم سے مراد ہر ظلم وزیادتی نہیں] جیسا کہ تمہارا خیال ہے [بلکہ خاص شرک مراد ہے] جیسا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ''یقیناً شرک ہی ظلم عظیم ہے۔''

یہ جواب سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل مطمئن ہوگئے اوران کا تردد جاتا رہا۔

[۵] آیات کی مراد کی وضاحت کی، مثلاً آیت کریمہ: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (۳).

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بناڈالا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔''

جب نازل ہوئی تو سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو اہل کتاب میں سے تھے اور ۷ ہجری کو مشرف باسلام ہوئے تھے، نے پوچھا: یارسول اللہ! نصرانی تو اَحبار ورہبان کی عبادت نہیں کرتے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: أما إنھم لم یکونوا یعبدونَھم، ولکنھم کانوا إذا أحلُّوا لھم شیئاً استحلوہ و إذا حرموا علیھم شیئاً حرموہ (۴).

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان [۲] باب ظلم دون ظلم [۲۴] حدیث: ۳۲، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا [۸] حدیث: ۳۳۶۰، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب ولقد آتینا لقمان الحکمۃ [۴۱] احادیث ۳۴۲۸-۳۴۲۹، کتاب التفسیر [۶۵] تفسیر سورۃ لقمان [۳۱] حدیث: ۴۷۷۶ کتاب استتابۃ المرتدین [۸۹] باب اثم من اشرک باللہ وعقوبتہ [۱] حدیث: ۶۹۱۸ کتاب [۸۹] باب ماجاء فی المتأولین [۹] حدیث: ۶۹۳۸.

(۲) سورۃ لقمان ۳۱: ۱۳ (۳) سورۃ التوبۃ ۹: ۳۱

(۴) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب تفسیر سورۃ التوبۃ [۱۰] حدیث: ۳۰۹۵، معجم کبیر طبرانی ۱۷: ۹۲، حدیث: ۲۱۸، تفسیر ابن جریر ۶: ۳۵۴، فقرات: ۱۶۶۴۸-۱۶۶۵۸]

”آیا یہ بات نہیں ہے کہ جو وہ حرام کر دیں اُس کو وہ حرام مان لیتے ہیں اور جس چیز کو جائز کر دیں اُس کو وہ جائز مان لیتے ہیں؟ بولے: یہ بات تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی ان کو رب بنانا اور یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔“

اس روایت کی سند اگرچہ ضعیف ہے' اس لیے کہ:

-۱: اس کے راوی حسین بن یزید بن یحییٰ طحان کوفی کے بارے میں امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں لین الحدیث [حدیث کے باب میں کمزور] ہیں [(۱)]۔

مگر امام ابن حبان [(۲)] نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے [(۳)]۔

-۲: ایک اور راوی عبد السلام بن حرب بن سَلُم نہدی کے بارے میں امام ابو حاتم لکھتے ہیں: ثقہ اور صدوق تھے [(۴)]۔

امام ترمذی انہیں ثقہ اور حافظ کہتے ہیں [(۵)] مگر امام ابن سعد [(۶)] لکھتے ہیں:

و کان به ضعف في الحديث [(۷)]. ”حدیث کے معاملے میں ضعیف تھے۔“

امام ابن حبان نے ان کو الثقات ۷: ۱۲۸ میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) الجرح والتعدیل ۳: ۶۷' ترجمہ: ۳۰۴

(۲) ابوحاتم ابن حِبّان [بکسر الحاء وتشدید الباء] محمد بن حِبّان بن احمد بن حِبّان بن معاذ بن معبد' تیمی' ابوحاتم' بستی سجستانی۔ تاریخ' جغرافیہ' رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں خراسان' شام' مصر' عراق اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء کو وفات پائی۔
[معجم البلدان ۲: ۱۷۱' تذکرۃ الحفاظ ۳: ۲۹۰-۹۲۴]

(۳) الثقات ۸: ۱۸۸

(۴) الجرح والتعدیل ۶: ۴۷' ترجمہ: ۲۴۶

(۵) سنن ترمذی ۳: ۲۰' کتاب الزکاۃ [۵] باب ماجاء فی زکاۃ البقر [۵] عقب حدیث: ۶۲۲.

(۶) محمد بن سعد بن منیع زہری' ابوعبداللہ' ثقہ مورخ' حافظ حدیث اور قاضی محمد بن عمر واقدی کے کاتب وسیکرٹری تھے۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ = ۷۸۴ء کو اُن کی ولادت ہوئی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۲۳۰ھ = ۸۴۵ء کو وفات پائی۔ واقدی کے کاتب رہنے کے باوجود بھی اُن کی وثاقت اور عدل میں کوئی کمی تسلیم نہیں کی گئی۔
[تاریخ بغداد ۵: ۳۲۱' الاعلام ۶: ۱۳۷]

(۷) الطبقات الکبریٰ ۶: ۳۸۶

امام عِجلی [1] فرماتے ہیں: وھو عندالکوفیین ثقةٌ ثبتٌ' والبغدادیون یستنکرون بعض 6
حدیثه' والکوفِیُّون أعلم به [2].

''کوفیوں کے نزدیک ثقہ اور پختہ راوی ہیں البتہ بغدادی محدثین ان کی بعض روایات کو منکر جانتے ہیں مگر کوفی ان کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ثِقَةٌ حَافِظٌ لَهٗ مَنَاكِيْرُ [3].

''ثقہ اور حافظ ہیں اور اُن کی کچھ روایات منکر ہیں۔''

۔۳: غُطیف بن اعین شیبانی جزری کے بارے میں اسی روایت کے عقب میں امام ترمذی فرماتے ہیں: لیس بمعروف في الحدیث [4].

''حدیث کی روایت کے بارے میں معروف نہیں۔''

مگر امام ابن حبان نے مجاہیل و مستورین کے متعلق اپنے موقف کی رو سے الثقات ۷: ۳۲۱ میں ان کا نام درج کیا ہے اِس لیے محدث اَلبانی [5] فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے [6]۔

[۶] آیات کے سببِ نزول واضح کیے' مثلاً یہ آیت کریمہ: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا [7]

''اور ان تینوں [آدمیوں] کی [توبہ قبول کی گئی] جو پیچھے رہ گئے تھے۔''

---

(۱) احمد بن عبداللہ بن صالح' ابوالحسن' حافظ اور ناقد حدیث تھے۔ کوفہ میں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ امام احمد بن محمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے ہم پلہ مانے جاتے ہیں۔ طرابلس میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۴: ۲۱۴' تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۶۰' الاعلام ۱: ۱۵۶]

(۲) تاریخ الثقات: ۳۰۳' ترجمہ: ۱۰۰۱

(۳) تقریب التہذیب: ۳۸۷' ترجمہ: ۴۰۶۷

(۴) سنن ترمذی' بذیل حدیث: ۳۰۹۵

(۵) شیخ محمد ناصر الدین البانی کی ولادت ۱۳۳۳ھ = ۱۹۱۴ء کو البانیہ کے دار السلطنت اشقودرہ میں ہوئی۔ حلب اور دمشق میں علم حاصل کیے۔ دور حاضر کے ایک مانے ہوئے محقق اور متبحر عالم حدیث کی حیثیت سے مشہور ہیں بروز ہفتہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ = ۲-اکتوبر ۱۹۹۹ء کو عمان میں وفات پائی۔ [مقالات الالبانی: ۱۷]

(۶) صحیح ترمذی' حدیث: ۱۷۱' ۲۴' غایۃ المرام: ۲۰' حدیث: ۶

(۷) سورۃ التوبۃ ۹: ۱۱۸

یہ تین آدمی سیدنا کعب بن مالک (۱) سیدنا ہلال بن امیۃ (۲) اور سیدنا مرارۃ بن ربیع ﷛ (۳) تھے جو غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے (۴)۔

[۷] منکرین اسلام کے قرآن مجید پر اعتراض کے جواب دیے' مثلاً:

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ﷛ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیج دیا' وہاں مجھ سے سوال ہوا کہ تم یٰاُخْتَ ھٰرُوْنَ (۵) پڑھتے ہو' یعنی: اے ہارون کی بہن! حالانکہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان مدتِ مدید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیدنا ہارون تو سیدنا موسیٰ ؑ کے بھائی ہیں' نہ کہ سیدہ مریم علیہا السلام کے بھائی۔ میں جب واپس آیا تو دربارِ رسالت میں حاضری دی اور نصرانیوں کے اعتراض کی بابت پوچھا تو ارشاد ہوا:

---

(۱) سیدنا کعب بن مالک ﷛ بن عمرو بن قَین انصاری سُلمی خزرجی' جلیل القدر صحابی ہیں۔ اکابر شعراء میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کی شعر گوئی کے چرچے تھے۔ قبول اسلام کے بعد شاعرِ رسول بنے۔ اکثر غزوات میں شریک رہے۔ بڑھاپے میں آنکھوں سے معذور ہوئے۔ ۵۰ھ=۶۷۰ء کو وفات پائی۔ ان سے ۸۰ حدیثیں مروی ہیں۔ [الاصابہ ۳:۳۰۲' الاعلام ۵:۲۲۸]

(۲) سیدنا ہلال بن امیۃ بن عامر بن قیس ﷛ انصاری' بدر اور اس کے بعد کے اکثر غزوات میں شریک رہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہ ﷛ کے دور خلافت تک زندہ رہے لیکن ان روایات کی اِسنادی حیثیت بہت کمزور ہے اس لیے کہ ان کا مرکزی راوی عطاء بن عجلان ہے جو متروک ہے۔ عکرمہ نے آپ کی سند سے مرسل روایات بھی نقل کی ہیں۔ [الاصابہ ۳:۶۰۷]

(۳) سیدنا مرارۃ بن ربیع ﷛ انصاری اوسی' بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان کا تعلق بنو قضاعۃ سے تھا' لیکن بنو عمرو بن عوف کے حلیف ہونے کی وجہ سے ان میں سے مشہور ہوئے۔ بدر اور اس کے بعد کے اکثر غزوات میں شریک رہے۔ [الاصابہ ۳:۳۹۶]

(۴) صحیح بخاری' حدیث:۴۴۱۸' کتاب المغازی [۶۴] باب حدیث کعب بن مالک وقول اللہ: وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا' صحیح مسلم' حدیث:۲۷۶۹' کتاب التوبۃ [۴۹] باب حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ [۹] سنن ترمذی حدیث:۳۱۰۲' کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب تفسیر سورۃ التوبۃ [۱۰].

(۵) سورۃ مریم ۱۹:۲۸

ألا أخبرتهم أنهم كانوا يُسمُّون بأنبيائهم و الصالحين قبلهم (۱)

''تم انہیں بتاتے کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام انبیاء وصالحین کے ناموں پر رکھتے تھے۔''

مطلب یہ ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہما کا نام اور کنیت سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کی خواہرِ کبریٰ سیدہ مریم بنت عمران [اخت سیدنا ہارون علیہ السلام] کے نام وکنیت پر رکھا گیا۔

[۸] قرآن مجید میں وارد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۲)

''اور ہم نے تم کو سات دہرائی جانے والی آیتیں دی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا ہے۔''

یہ سات دہرائی جانے والی آیتیں کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمادی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ هي السبعُ المثاني و القرآنُ العظيم (۳)

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی وہ سات آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے۔''

معلوم ہوا کہ السبعُ المثاني سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جو نماز کی ہر ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے اور چونکہ یہ ایک جامع سورۃ ہے اس لیے اس کو قرآن عظیم بھی کہا۔

تنبیہ

خیال رہے کہ احادیث کے ذخیرہ میں صحیح وسقیم اور ضعیف وموضوع ہر طرح کی روایات ملتی ہیں لہٰذا صرف تفسیر کے باب میں نہیں بلکہ سارے دین کے باب میں جو روایت جہاں مل جائے اُسے پڑھ کر کوئی فیصلہ کرنا نادرست ہے بلکہ اصولِ حدیث کے مطابق اُسے ہر طرح جانچنے کی ضرورت

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۲۱۳۵، کتاب الآداب [۳۸] باب النہی عن التکنی بابی القاسم وبیان مایستحب من الاسماء [۱] سنن ترمذی، حدیث: ۳۱۵۵، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ [۴۸] تفسیر سورۃ مریم [۱۹-۲۰] سنن کبریٰ نسائی ۶: ۳۹۳، حدیث: ۱۱۳۱۵

(۲) سورۃ الحجر ۱۵: ۸۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر [۶۵] تفسیر سورۃ الحجر [۱۵] باب [۳] حدیث: ۴۷۰۳، ۴۷۰۴]

ہے اس لیے کہ مفسرین نے اپنی کتابوں میں ہر طرح کی روایتیں جمع کر دی ہیں اور محد ثانہ طریقے پر اُن کی تحقیق و تفتیش نہیں کی۔

امام ابن العربی (۱) لکھتے ہیں: تفسیر کے سلسلے میں احادیث نبویہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن:

حذار أن تعوَّلُوا فيه إلَّا على ماصَحَّ، و دعُوا ماسُوِّدَتْ فيه الأوراق، فإنه سوادي في القلوب والوجوه (۲).

''خیال کیجیے گا کہ تفسیر قرآن کے معاملے میں صرف صحیح احادیث پر انحصار کیا جائے اور [ضعیف و موضوع روایات سے جتنے] اوراق سیاہ کیے گئے ہیں اُنھیں یک سر چھوڑ دو اس لیے کہ یہ قلوب و وجوہ کو سیاہ کرنے والی ہے۔''

۳: تفسیر القرآن بآثار الصحابة

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی تعلیم براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی، ان میں سے بعض نے اپنی پوری زندگی اسی کام کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ یہ سب اہلِ زبان تھے اور نزولِ قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی تھے لیکن اُنہوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرنے کی بجائے قرآن مجید کو سبقاً سبقاً رسول اللہ ﷺ سے پڑھا، چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كانَ الرجُل مِنّا إذا تَعَلَّمَ عشرَ آياتٍ لم يُجاوِزْهُنَّ حتى يَعْرِفَ مَعَانِيَهُنَّ و العملَ بهن (۳).

''ہم میں سے جو شخص دس آیتیں سیکھتا تو وہ اُس وقت تک ان سے آگے نہیں بڑھتا تھا جب تک ان آیات کی تمام علمی اور عملی باتوں کا علم حاصل نہ کرتا۔''

---

(۱) محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اِشبیلی مالکی، ابوبکر ابن العربی۔ قاضی اور حافظ حدیث تھے۔ ۴۶۸ھ=۱۰۷۶ء کو اِشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ علوم کے لیے مشرق کا سفر کیا۔ ادب میں نام پیدا کیا۔ حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور ادب و تاریخ میں کتابیں لکھیں۔ اِشبیلیہ کے قاضی رہے ہیں۔ ۵۴۳ھ=۱۱۴۸ء کو فاس میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۴:۲۹۶، الاعلام ۶:۲۳۰]

(۲) ابن العربی، قانون التاویل: ۶۵۹، تحقیق: محمد السلیمانی، موسسۃ علوم القرآن، سوریا، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء

(۳) تفسیر ابن جریر ۱:۶۰، نص: ۸۱

اس لیے سیدنا انس رضی اللہ عنہ (۱) سے مروی ہے: كان الرجلَ إذا قرأ البقرةَ وآلَ عمرانَ جدَّ فينا
يعني: عظم (۲)

''جب کوئی شخص سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں وہ بہت قابلِ احترام ہو جاتا۔''

موطا میں ہے: إن عبدالله بنَ عمرَ رضی اللہ عنہ مكث على سورة البقرة ثمانيَ سنينَ يتعلَّمُها (۳)

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ (۴) آٹھ سال تک سورۃ البقرۃ سیکھتے رہے۔''

ظاہر ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ایسے ضعیف الحافظہ نہیں تھے کہ سورۃ البقرۃ کے محض الفاظ یاد کرنے میں اُن کے آٹھ سال خرچ ہو جائیں' یقیناً یہ مدت اس لیے صَرف ہوئی کہ وہ قرآنی الفاظ کو یاد کرنے کے ساتھ اُن کی تفسیر اور جملہ متعلقات کا علم حاصل کر رہے تھے۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام قرطبی (۵) نے لکھا ہے:

---

(۱) انس بن مالک بن نضر بن ضمضم رضی اللہ عنہ' نجاری' خزرجی' انصاری' ابوثمامہ یا ابوحمزہ' بلند رُتبہ صحابی اور خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰ ق ھ=۶۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۹۳ھ=۷۱۲ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہیں۔

[تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۳: ۱۴۲' الاعلام ۲: ۲۴]

(۲) مسند احمد ۳: ۱۲۰ (۳) موطا امام مالک ۱: ۲۰۵' کتاب القرآن [۱۵] باب ماجاء فی القرآن [۴]

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب' عدوی' قرشی' ابوعبدالرحمٰن' جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ قبل ہجری=۶۱۳ء کو مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام ہی میں ہوش سنبھالا۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں ہجرت کی۔ بدر اور اُحد کے سوا سارے غزوات میں شریک رہے۔ مرویات کی تعداد ۲۶۳۰ ہے۔ مکہ معظّمہ میں ۷۳ھ=۶۹۲ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۳: ۲۰۳' الاعلام ۴: ۱۰۸]

(۵) محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابوعبداللہ قرطبی' تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے اَسفار کیے۔ مصر کے شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ=۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

[نفح الطیب ۱: ۴۲۸' الاعلام ۵: ۳۲۲]

تَعَلَّمها عمر رضی اللہ عنہ بفقهها، وما تحتوي عليه في اثنتي عشرة سنة.(۱)

"انہوں نے سورۃ البقرۃ کے فہم، تفسیر اور اس کے متعلقات کو بارہ سال میں سیکھا تھا۔"

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: والله الذي لا إله غيره، ماأُنزلت سورةٌ من كتاب اللهِ إلّا أنا أعلم أين نزلت، ولاأنزلت آيةٌ من كتاب الله إلّا أنا أعلمُ فيمن أُنزلت، ولو أعلمُ أحداً أعلمَ مني بكتاب الله تَبلُغُهُ الإبلُ لرَكِبتُ إليه.(۲)

"اُس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی سورت یا آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے بارے میں اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتا چلے جو کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہو اور سواریاں اُس کے پاس پہنچا سکتی ہیں تو میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گا۔"

اور شاید اسی وجہ سے امام حاکم (۳) نے لکھا ہے کہ:

تفسير الصحابي عندهما [يعني: عندالإمام البخاري والإمام مسلم] مسندٌ.(۴)

"امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک صحابی کی تفسیر مسند و مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔"

یہ بھی لکھتے ہیں: وقد اتفقا على أن تفسير الصحابي حديثٌ مسندٌ.(۵)

"شیخین [امام بخاری، امام مسلم] اس بات پر متفق ہیں کہ صحابی کی تفسیر مسند حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔"

اپنی اس بات کی تفسیر و توضیح وہ اس طرح کرتے ہیں:

---

(۱) تفسیر القرطبی ۱: ۱۹۷، اوائل تفسیر سورۃ البقرۃ

(۲) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن [۶۶] باب القراء من اصحاب النبی ﷺ [۸] حدیث: ۵۰۰۲

(۳) محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم، ابوعبداللہ، حاکم نیشاپوری، نیشاپور میں ۳۲۱ھ = ۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ ۳۴۱ھ کو عراق گئے اور اسی سال فریضہ حج ادا کیا۔ ۳۵۹ھ کو نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا، ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ہیں۔ نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ = ۱۰۱۴ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۴۷۳، الاعلام ۶: ۲۲۷]

(۴) المستدرک ۱: ۲۷، ۱۲۳ (۵) المستدرک ۱: ۵۴۲

تفسير الصحابي مسندٌ‘فإن الصحابي الذي شهد الوحي و التنزيل فأخبر عن آيةٍ من القرآن أنها نُزِلتْ في كذا و كذا فإنه حديثٌ مسندٌ [(۱)].

’’صحابی کی تفسیر مسند ہوتی ہے‘اس لیے کہ جو صحابی وحی اور نزول قرآن کے وقت مجلسِ نبوی میں حاضر تھے اور وہ کسی آیت کے بارے میں بتادیں کہ فلاں آیت فلاں واقعہ میں نازل ہوئی‘ان کی یہ روایت مسند حدیث ہوگی۔‘‘

امام ابن صلاح [(۲)] لکھتے ہیں: فأماسائر تفاسير الصحابة التي لاتشتمل على إضافة شيء إلى رسول الله ﷺ فمعدودةٌ في الموقوفات [(۳)].

’’صحابہ کرام ؓ کی وہ عام تفسیریں جن کی نسبت وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کرتے‘موقوف احادیث کی مد میں آجاتی ہیں۔‘‘

امام نووی [(۴)] لکھتے ہیں: قول مَن قال: تفسير الصحابي حديثٌ مرفوعٌ‘هو في تفسير يتعلق بسبب نزول آيةٍ أو نحوه......فأماغيره من تفاسيرهم فهو موقوفٌ [(۵)].

’’جو علماء صحابہ کرام ؓ کی تفسیر کو مرفوع کے حکم میں مانتے ہیں اُن کی مراد وہ تفسیر ہے جو کسی آیت کے نزول سے متعلق ہو‘ورنہ اُن کی دوسری تفاسیر موقوف ہوتی ہیں۔‘‘

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث: ۲۰‘نوع: ۵

(۲) عثمان بن عبد الرحمٰن صلاح الدین بن عثمان بن موسیٰ بن ابی نصر‘شہرزوری‘کردی‘ابوعمرو‘تقی الدین ابن الصلاح‘ ۵۷۷ھ = ۱۱۸۱ء کو شرخان میں پیدا ہوئے‘جو شہرزور کے قریب ہے۔ موصل‘خراسان اور بیت المقدس آتے جاتے رہے۔ بیت المقدس کے مدرسہ صلاحیہ میں مدرس تھے۔ تفسیر‘حدیث‘فقہ‘اصولِ حدیث اور اسماءِ رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ تیرہ سال تک دمشق کے دارالحدیث کے مدرس رہے ہیں۔ دمشق ہی میں ۶۴۳ھ = ۱۲۴۵ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۴۳‘الاعلام ۴: ۲۰۷]

(۳) مقدمۃ ابن الصلاح: ۷۰‘نوع: ۸

(۴) یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن‘نووی‘شافعی‘ابوزکریا۔ سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نوا] میں ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے۔ اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۴۷۰‘الاعلام ۸: ۱۴۹]

(۵) ارشاد طلاب الحقائق ۱: ۱۶۴-۱۶۵‘نوع: ۷

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: والحق أن مایُفسره الصحابي إن كان مما لامَجال للإجتهاد فيه' ولا منقولاً عن لسان العرب فحكمه الرفع و إلّا فلا ' كالإخبار عن الأمور الماضية من بدء الخلق و قصص الأنبياء ' وعن الأمور الآتية كالملاحم و الفتن والبعث أوعِقابٍ مخصوصٍ 'فهذه الأشياء لامجال للإجتهاد فيها فيُحكم لها بالرفع (۱)

''صحیح بات یہ ہے کہ صحابی جو تفسیر ارشاد فرما رہے ہیں' اُس کا تعلق اگر کسی ایسے معاملہ سے ہے جس میں اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں' اور وہ کسی عربی کلام کو منسوب کر کے بیان نہیں کیا جارہا تو اس کا حکم مرفوع حدیث جیسا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر مرفوع کے حکم میں نہیں ہے' جیسا کہ بدء الخلق' انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات' ملاحم وفتن اور بعث بعد الموت کے حالات وواقعات ایسے ہیں جن میں اجتہاد کا کوئی کردار نہیں ہے لہذا یہ حکماً مرفوع تصور کیے جائیں گے۔''

امام زرکشی لکھتے ہیں: يُبحث عن صحة السند و يُنظر في تفسير الصحابي 'فإن فسَّرهٗ من حيث اللغة فهم أهل اللسان فلاشك في اعتمادهم' وإن فسَّره بماشاهَده مِن الأسباب و القرائن فلا شك فيه ' و حينئذ إن تعارضت أقوال جماعة من الصحابة ' فإن أمكن الجمع فذلك' وإن تعذّر قُدِّم ابن عباس رضی اللہ عنہ لأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم بشره بذلك حيث قال: أللهم علمه التأويل (۲)

''صحابی کی تفسیر کی جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس سلسلہ میں اسناد کی طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ اگر صحابی نے لغت کی تائید سے تفسیر کی ہے' تو اسے بسروچشم قبول کیا جائے گا' اس لیے کہ وہ اہل زبان ہیں' اور اُن کی زبان دانی پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور اگر اسباب وقرائن کے مشاہدہ سے تفسیر کرتے ہیں' تو اُسے بھی کسی ردوقدح کے بغیر قبول کیا جائے گا اور اگر ایک ہی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام کے اقوال متعارض ہوئے' تو دیکھا جائے گا کہ اُن کے مابین جمع اور تطبیق ممکن ہے یا ناممکن؟ اگر تطبیق ممکن ہو تو ٹھیک ہے' ورنہ سیدنا ابن عباس کی تفسیر کو ترجیح دی

---

(۱) النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲:۵۳۱

(۲) البرہان فی علوم القرآن ۲:۱۷۲' الاتقان فی علوم القرآن ۴:۲۷۳' نوع: ۷۸

جائے گی؛اس لیے کہ اُن کے حق میں رسول اکرم ﷺ نے قرآن فہمی کی دعاء کی تھی۔"

یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ:إذا كان الصحابي ينظر في الإسرائيليات فلا يُعطى تفسيره حكم الرفع (۱).

"جو صحابہ اسرائیلی روایات کی بنیاد پر تفسیر کرتے ہیں وہ ہرگز مرفوع کے حکم میں نہیں ہیں۔"

حافظ ابن حجر اس کے بارے میں اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

إلّا أنه يُستثنى من ذلك ما كان المفسر له من الصحابة مَن عرف بالنظر في الإسرائيليات، كمُسلمة أهل الكتاب مثل عبدالله بن سلام ؓ وغيره، وكعبدالله بن عمرو بن العاص ؓ فإنه كان حصل له في وقعة اليرموك كتب كثيرة من كتب أهل الكتاب فكان يخبر بما فيها من الأمور المغيبة حتى كان بعض أصحابه ربما قال له: حدثنا عن النبي ﷺ ولا تحدثنا عن الصحيفة، فمثل هذا لا يكون حكم ما يخبر به من الأمور التي قد منا ذِكرها الرفع، لقوة الإحتمال (۲).

"تفسیرُ الصحابي مرفوعٌ کے قاعدہ سے اُن صحابہ کی تفاسیر مستثنیٰ ہوں گی جو اسرائیلی روایات واقوال بیان کرتے رہتے ہیں، ان میں وہ اہل کتاب بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا جیسے سیدنا عبداللہ بن سلام ؓ (۳) اور غیر اہل کتاب صحابہ بھی داخل ہیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ (۴) اس لیے کہ غزوہ یرموک میں اُن کے ہاتھ اہل کتاب کی کافی کتابیں لگ

---

(۱) النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲:۵۳۲ (۲) النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲:۵۳۲-۵۳۳

(۳) عبداللہ بن سلام بن الحارث، ابو یوسف ؓ، جلیل القدر کتابی صحابی ہیں۔ ان کا نسب سیدنا یوسف بن سیدنا یعقوب علیہما السلام سے جا ملتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تب اسلام قبول کیا۔ ان کا پہلا نام حصین تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ نام رکھا۔ ۴۳ھ=۶۶۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۲۵ احادیث مروی ہیں۔ [الاستیعاب:۴۶۰، ترجمہ:۱۵۸۵، الاعلام ۴:۹۰]

(۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ قرشی، زاہد و عابد صحابی تھے۔ ۷ ق ھ=۶۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ والد سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مکہ کے باشندے تھے۔ دورِ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سریانی زبان پر عبور حاصل تھا۔ ۶۵ھ=۶۸۴ء کو وفات پائی۔ [صفۃ الصفوۃ ۱-۲:۳۱۴، ترجمہ:۸۲، الاعلام ۴:۱۱۱]

گئی تھیں، جن کو پڑھ کر وہ امورِ غیبیہ سے متعلق بعض اشیاء بیان کیا کرتے تھے' یہاں تک کہ اُن کے کچھ ساتھیوں نے اُن سے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنایئے اور اسی صحیفہ سے کچھ پڑھ کر نہ سنایئے۔ سو ایسی تفسیر مرفوع قرار نہیں دی جائے گی اس لیے کہ اس کا قوی احتمال ہے کہ یہ کہیں اسرائیلی روایت نہ ہو۔''

-۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال میں بھی صحیح و سقیم ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں لہٰذا ان اقوال کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصولِ حدیث کے مطابق اُن کی جانچ پڑتال ضروری ہے۔

-۲: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اُس وقت حجت ہوں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی آیت کی کوئی صریح تفسیر مستند طریقے سے ثابت نہ ہو' اگر آپ ﷺ کی بیان فرمودہ کوئی تفسیر صحیح احادیث میں منقول ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی حیثیت محض تائیدی ہوگی اور اگر کوئی قول آپ ﷺ کی بیان فرمودہ تفسیر کے معارض ہو تو اُسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

-۳: جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیروں میں کوئی اختلاف ہو وہاں اول تو یہ دیکھا جائے گا کہ تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر تطبیق ممکن ہو تو اسی پر عمل کیا جائے گا اور اگر اختلاف ناقابلِ تطبیق ہو تو عمومی طور پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو دوسرے صحابہ کی تفسیر پر ترجیح دی جائے گی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں دعاء فرمائی تھی:

' أللهم علمه التأويل' وفقهه في الدين.(۱)

''یا اللہ! اسے تفسیر کا علم اور دین کی سمجھ عطاء فرما۔''

تفسیر الصحابی کی مثالیں

[۱] ارشادِ ربانی ہے: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ.(۲)

''اور جن کو اس [روزہ] کی طاقت ہے، اُن کے ذمہ فدیہ ہے ایک فقیر کا کھانا۔''

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَ

---

(۱) المستدرک ۳:۶:۵۳۶

(۲) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۴

الْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ، لَا يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا (۱).

''یہ آیت منسوخ نہیں [بلکہ یہاں وہ] بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت مراد ہیں جو روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتے ہوں، وہ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔''

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ يُطِيقُونَهُ: يُكَلَّفُونَهُ، فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ وَاحِدٍ، فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا: طعام مسكين آخر. لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ فهو خير له، وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ لَا يُرَخَّصُ فِي هذا إِلَّا لِلَّذِي لَا يُطِيقُ الصِّيَامَ أو مريضٍ لَا يَشْفَى (۲).

''يُطِيقُونَهُ کا معنی ہے: يُكَلَّفُونَهُ، یعنی جو لوگ تکلیف و مشقت سے روزہ رکھتے ہیں، اُن کے ذمہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا: کا مطلب ہے: اگر دوسرے مسکین کو بھی کھانا دے دے تو ایسا کرنا اس کے لیے بہتر ہے۔ یہ آیت منسوخ نہیں۔ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ جیسے الفاظ سے اُس شخص کو رخصت دی جاتی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا ایسا مریض ہو جس کی شفایابی کا یقین نہ ہو۔''

[۲] ارشادِ ربانی ہے: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۞ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۞ (۳).

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھو۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [سیدنا] عمر بن خطاب [رضی اللہ عنہ] مجھے بوڑھے بدری صحابہ کے ساتھ مجلس میں بٹھاتے تھے۔ بعض کو اس پر اعتراض ہوا، انہوں نے [سیدنا] عمر [رضی اللہ عنہ] سے کہا کہ اسے آپ مجلس میں ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں، اس جیسے تو ہمارے بچے بھی ہیں؟ [سیدنا] عمر [رضی اللہ عنہ] نے فرمایا: اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے۔ [راوی کہتے ہیں:] ایک دن [سیدنا] ابن عباس [رضی اللہ عنہ] کو بلایا اور

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ البقرۃ [۲] بابٌ [۲۵] حدیث: ۴۵۰۵.

(۲) سنن نسائی، کتاب الصیام [۲۲] تاویل قول اللہ: وعلی الذین یطیقونہ [۶۳] حدیث: ۲۳۱۷.

(۳) سورۃ النصر ۱۱۰: ۱-۲

انہیں بوڑھے بدری صحابہ کے ساتھ بٹھلایا۔[سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں]: میں سمجھ گیا کہ آپ نے مجھے انہیں دکھانے کے لیے بلایا ہے، پھر اُن سے پوچھا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ ان میں سے بعض نے کہا: جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ پہنچی تو ہمیں اللہ کی حمد اور اُس سے استغفار کا حکم دیا گیا۔ کچھ لوگ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے مجھ سے کہا: ابن عباس! تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا:

لَا!قال:فما تقولُ؟قلتُ: هو أَجَلُ رسول اللّٰه ﷺ أعلَمَهُ إِيَّاهُ،قال:اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ فذلك علامَةُ أَجَلِكَ......فقال عمر:ما أعلم منها إِلَّا ماتقولُ (١).

''نہیں! اُنہوں نے پھر پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہی چیز بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے اس لیے'' اپنے پروردگار کی حمد کرو اور اُس سے بخشش مانگا کرو۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی وہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو۔''

تفسیر القرآن بآثار التابعین

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ تابعین کے اقوال تفسیر میں حجت ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

قال شعبة بن الحجاج:أقوال التابعين في الفروع ليست حجة فكيف تكون حجة في التفسير؟ يعني: أنها لا تكون حجة على غيرهم ممن خالفهم،وهذا صحيحٌ، أما إذا أجمعوا على الشيء فلا يرتاب في كونه حجة، فإن اختلفوا فلا يكون قول بعضهم حجة على قول بعض،ولا على من بعدهم،ويُرجَعُ في ذلك إلى لغة القرآن أو السنة أو عموم لغة العرب أو أقوال الصحابة في ذلك (٢).

---

(١) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [٦٥] تفسیر سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ [١١٠] باب قوله: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ [٤] حدیث: ٤٩٧٠.

(٢) مجموع الفتاویٰ ١٣: ١٦٥، تفسیر ابن کثیر ١: ١٢

''شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اَقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت مان لیے جائیں؟ شعبہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان سے اختلاف کرنے والے پر اُن کے اَقوال حجت نہیں البتہ اُن کے اِجماعی اَقوال کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت نہ اُن کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر۔ ایسی صورت میں لغتِ قرآن، حدیث، عام لغتِ عرب اور اَقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔''

امام ابوحنیفہ (۱) فرماتے ہیں: ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فعلی الرأس و العین، وماجاء عن الصحابة تَخَیَّرْنَا، وما جاء عن التابعین فَھُمْ رِجَالٌ و نَحْنُ رِجالٌ (۲).

''جو بات رسول کریم ﷺ سے منقول ہو، وہ بسر و چشم تسلیم! اور جو صحابہ ؓ سے منقول ہو اس میں سے ہم اپنی پسند کے قول پر عمل کریں گے۔ جہاں تک تابعین کے اَقوال کا تعلق ہے تو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔''

---

(۱) نعمان بن ثابت، تیمی، کوفہ میں ۸۰ھ = ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک ؓ جب کوفہ تشریف لائے تو اُن کی زیارت و دید کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرام ؓ میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۶: ۳۹۰، الاعلام ۸: ۳۶]

(۲) الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقہاء: ۲۶۷، ابن عبدالبر، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدۃ، المکتبة الغفوریة، کراچی تاریخ الاسلام، حافظ ذہبی ۴: ۱۴۹، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء، سیر اعلام النبلاء ۶: ۴۰۱، ترجمہ: ۱۶۳

تفسیر بالمأثور پر مشتمل تفاسیر اور اُن کے مناہج

-۱: تفسیر عبد بن حمید' وفات: ۲۴۹ھ

-۲: جامع البیان فی تاویل القرآن' محمد بن جریر طبری' وفات: ۳۱۰ھ

-۳: کتاب تفسیر القرآن' ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری' وفات: ۳۱۸ھ

-۴: تفسیر ابن ابی حاتم' ابوعبدالرحمٰن بن ابی حاتم بن ادریس الرازی' وفات: ۳۲۷ھ

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فهذه التفاسير الأربعة قَلَّ أن يَشُذَّ عنها شيء من التفسير المرفوع والموقوف على الصحابة والمقطوع عن التابعين (۱)

''ان چاروں تفاسیر میں صحابہ کرامؓ کی مرفوع اور تابعین کی مقطوع روایتیں مذکور ہیں اور کہیں شاذ و نادر کوئی روایت ان سے رہ گئی ہوگی۔''

-۵: تفسير السمرقندي المسمّٰى بحر العلوم' نصر الدین محمد بن احمد ابوالليث سمرقندی'

وفات: ۳۷۳ھ

-۶: الكشف والبيان المعروف بالتفسير الثعلبي' ابواسحاق احمد' وفات: ۴۲۷ھ

-۷: تفسير البغوي المُسمّٰى معالم التنزيل' ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی'

وفات: ۵۱۶ھ

-۸: المُحَرَّرُ الوَجيزِ في تَفسيرِ الكتابِ العزيز' ابومحمد عبدالحق بن عطیہ اندلسی' وفات: ۵۴۱ھ

-۹: تفسير القرآن العظيم' ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی' وفات: ۷۷۴ھ

-۱۰: الدُّرُ المنثور في التفسير بالمأثور' حافظ جلال الدین سیوطی' وفات: ۹۱۱ھ

ان میں سے درج ذیل چار تفاسیر کے مناہج سے بحث مطلوب ہے۔

-۱: تفسیر ابن جریر طبری = جامع البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن' محمد بن جریر طبری

-۲: تفسير البغوي المُسمّٰى معالم التنزيل' ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی

---

(۱) العُجاب في بيان الأسباب: ۵۷

۳:تفسیر ابن کثیر = تفسیر القرآن العظیم'ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی

۴:الدُّرالمنثور في التفسیر بالمأثور' حافظ جلال الدین سیوطی

جامع البیان في تأویل القرآن= تفسیر ابن جریر طبری

ابن جریر کا نام محمد بن جریر بن یزید طبری اور کنیت ابو جعفر ہے۔آمل طبرستان میں ۲۲۴ھ=۸۳۹ء کو پیدا ہوئے۔ابھی بارہ سال کے تھے کہ طلبِ علم کے لیے گھر سے نکلے۔مختلف دیار و بلاد کی خاک چھانی۔سرزمینِ مصر و شام اور عراق میں گھومے پھرے اور آخر میں بغداد کے ہو کر رہ گئے حتی کہ ۳۱۰ھ=۹۲۳ء کو بغداد ہی میں وفات پائی (۱)۔

خطیب بغدادی (۲) لکھتے ہیں: کان قد جمع من العلوم مالم یُشار کہُ فیه أحدٌ من أهل عصره و کان حافظًا لکتاب اللّٰہ'عارفًا بالقرآن'بصیرًا بالمعاني فقیهًا فی أحکام القرآن' وعالمًا بالسنن و طرقها و صحیحها و سقیمها و ناسخها و منسوخها عارفًا بأقوال الصحابة و التابعین ومَن بعدهم من الخالفین فی الأحکام'ومسائل الحلال و الحرام' وله الکتاب المشهور في تاریخ الأمم و الملوك ' و کتابٌ في التفسیر لم یصنف أحدٌ مثله (۳).

''ابن جریر علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔آپ کے معاصرین میں کوئی شخص آپ کا ہمسر نہ تھا۔آپ قرآنِ کریم کے حافظ و مفسر'احکامِ قرآن کے ماہر'عظیم محدث' صحیح و سقیم اور ناسخ و منسوخ سے آگاہ'صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار سے آشنا' مسائلِ حلال و حرام سے واقف اور تاریخی اخبار اور واقعات کے زبردست عالم تھے۔تاریخ اور تفسیر میں اُن کی تصانیف بے مثال ہیں۔''

---

(۱) تاریخ بغداد۲:۱۶۳'الاعلام۶:۶۹

(۲) احمد بن علی بن ثابت'بغدادی'ابوبکر'خطیب' حافظ حدیث اور مؤرخ اسلام تھے۔۳۹۲ھ=۱۰۰۲ء کو غُزَیہ [بالتصغیر] میں پیدا ہوئے'جو مکہ مکرمہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں مساوی مسافت پر واقع ہے۔بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۴۶۳ھ=۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔[سیر اعلام النبلاء ۱۸:۲۷۰'الاعلام ۱:۱۷۲]

(۳) تاریخ بغداد۲:۱۶۳

امام ابن اثیر[1] لکھتے ہیں: دُفِنَ لیلاً بِدارہ، لأن العامة اجتمعت، ومنعت من دفنه نهارًا، وادَّعوا علیه الرفض، ثم ادَّعوا علیه الإلحاد، و کان علی بن عیسی یقول: واللّٰه لو سُئِلَ هؤلاء عن معنی الرفض و الإلحاد ما عرفوه، و لا فهموه...... ولذلك سببٌ، وهو أنَّ الطبري جمع کتابًا ذَکَرَ فیه اختلافُ الفقهاء، لم یُصَنَّف مثله، ولم یذکر فیه أحمد بن حنبل، فقیل له في ذلك فقال: لم یکن فقیهًا وإنما کان محدثًا، فاشتدَّ ذلك علی الحنابلة و کانوا لا یحصون کثرة ببغداد، فشغبوا علیه، وقالوا ما أرادوا[2].

''رات کے وقت اپنے گھر میں دفن کئے گئے، اس لیے کہ عوام اُن کے خلاف تھے، جو سب جمع ہو گئے تھے اور اُنہوں نے اُنہیں دن کے وقت دفن کرنے نہیں دیا اور اُن پر رِفض اور اِلحاد کا الزام لگا دیا۔ امام علی بن عیسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان لوگوں سے رِفض اور اِلحاد کے معنی پوچھ لیے جائیں تو یہ جواب نہ دے سکیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض حنبلی اُن سے تعصب اور دشمنی کرتے تھے جن کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی اُن کے درپے ہوئے جس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ابن جریر نے اختلافِ فقہاء پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی، جس میں امام احمد بن محمد بن حنبل کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یہ کتاب اگرچہ اپنی مثال آپ تھی، مگر جب کسی نے اُن کا نام ذکر نہ کرنے کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے جواب میں کہا کہ امام احمد محدث تھے اور فقیہ نہیں تھے، اُن کی یہی بات حنابلہ کو بری لگی اور اُنہوں نے اس کی پاداش میں جو الزام اُن پر لگانے چاہے، سب کے سب لگا دیے۔''

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر ''جامع البیان في تفسیر القرآن'' میں وہ تمام قدیم مواد جمع کر دیا ہے جس سے بعد کے مفسرین اِستفادہ کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کے طلباء کے لیے یہ تفسیر تفسیر بالماثور کا بیش بہا خزانہ ہے۔

---

(۱) علی بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد شیبانی جزری ابوالحسن عزالدین ابن الاثیر ۵۵۵ھ=۱۱۶۰ء کو جزیرۂ ابن عمر میں پیدا ہوئے۔ موصل میں رہائش تھی۔ نسب و ادب کے ماہر عالم تھے۔ اسد الغابۃ اور الکامل فی التاریخ کے مصنف ہیں۔ ۶۳۰ھ=۱۲۳۳ء کو موصل میں وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۷: ۲۴۱، الاعلام ۴: ۳۳۱]

(۲) الکامل فی التاریخ ۸: ۱۳۴

امام ابوحامد اسفرائینی (۱) کہتے ہیں: لو سافر رجلٌ إلى الصين حتى يحصل له كتاب تفسير محمد بن جرير لم يكن ذلك كثيراً (۲).

"اگر کوئی شخص تفسیر ابن جریر حاصل کرنے کے لیے چین کا سفر اختیار کرے تو یہ کچھ زیادہ نہیں۔"

علامہ ابن خالویہ (۳) کہتے ہیں: حافظ ابن خزیمہ (۴) نے مجھ سے تفسیر ابن جریر مستعار لے لی اور چند سالوں کے بعد واپس کرتے ہوئے فرمایا: نظرتُ فيه من أوله إلى آخره فما أعلم على أديم الأرض أعلم من ابن جرير ولقد ظلَمَتْهُ الحنابلة (۵).

"میں نے از ابتداء تا انتہاء یہ تفسیر مطالعہ کی ہے۔ میرے خیال میں روئے زمین پر ابن جریر سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ حنابلہ نے اُن پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وأما التفسير التي في أيدي الناس فأصحها تفسير محمد بن جرير الطبري فإنه يذكر مقالات السلف بالأسانيد الثابتة، وليس فيه بدعةٌ، ولا ينقل عن المتهمين كمقاتل بن بكير والكلبي (۶).

---

(۱) احمد بن محمد بن احمد اسفرائینی، ابوحامد۔ بڑے شافعی عالم تھے۔ ۳۴۴ھ=۹۵۵ء کو اسفرائین [نیشاپور] میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے بغداد تشریف لے گئے جہاں علمی طور پر خوب پروان چڑھے۔ کئی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ۴۰۶ھ=۱۰۱۶ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱:۷۲، ترجمہ: ۲۶، الاعلام ۱:۲۱۱]

(۲) تاریخ بغداد ۲:۱۶۳، معجم الادباء ۱۸:۴۲، سیر اعلام النبلاء ۱۴:۲۷۲

(۳) حسین بن احمد بن خالویہ، ابوعبداللہ لغت اور نحو کے بڑے عالم تھے۔ ہمدان سے تعلق تھا۔ یمن چلے گئے۔ ذمار میں سکونت اختیار کی، پھر شام گئے۔ حلب میں رہائش اختیار کی اور وہاں بڑی شہرت پائی۔ متنبی کے ساتھ کئی بار مناظرہ کیا۔ سیف الدولۃ کی اولاد کے اتالیق رہے ہیں۔ ۳۷۰ھ=۹۸۰ء کو حلب میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۲:۱۷۸، الاعلام ۲:۲۳۱]

(۴) محمد بن اسحاق بن خزیمۃ سُلَمی [بضم السین وتشدید اللام] ابوبکر، اپنے دور میں نیشاپور کے امام تھے۔ فقیہ، مجتہد اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۲۲۳ھ=۸۳۸ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ۳۱۱ھ=۹۲۴ء کو وفات پائی۔ عراق، شام، جزیرہ اور مصر کے اسفار کیے۔ امام الائمہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ تصانیف کی تعداد تقریباً ۱۴۰ ہے۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۰۹۳، الاعلام ۶:۲۹]

(۵) تہذیب الاسماء واللغات ۱:۸۳، تذکرۃ الحفاظ ۲:۷۱۲، سیر اعلام النبلاء ۱۴:۲۷۲-۲۷۳، لسان المیزان ۵:۱۰۲

(۶) مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۷۱

''لوگوں میں جو کتب تفسیر متداول ہیں تفسیر ابن جریر ان سب سے صحیح تر ہے۔اس میں علمائے سلف کے اَقوال ثابت اَسانید کے ساتھ مذکور ہیں۔ابن جریر مقاتل بن بکیر اور کلبی جیسے جھوٹے راویوں سے روایت نہیں کرتے۔''

- تفسیر ابن جریر کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا اسلوب اور اندازِ تفسیر کھل کر سامنے آتا ہے۔علامہ ابن جریر جب کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو اَلْقَوْلُ فِي تَأوِيلِ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَی لکھ کر اُس کی تفسیر کرتے ہیں اور اس کی تائید میں اپنی سند کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے اَقوال و آثار نقل کرتے ہیں۔

- کبھی کبھار کسی آیت کی تفسیر میں ایک سے زیادہ قول نقل کر کے اُن میں سے کسی ایک کو وَأوْلَی الْأَقْوَالِ عِنْدِي قَوْلُ مَنْ کہہ کر اُسے ترجیح دیتے ہیں۔

- تفسیر میں بے بنیاد روایات کی تنقید کرتے ہیں۔مثلاً: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: إن عیسی ابن مریم [علیهما السلام] أسلمته أمه إلی الْكُتَّابِ لیعلمه،فقال له المعلم أکتب "بسم" فقال له عیسی: وما بسم؟ فقال له المعلم: ماأدري، فقال عیسی: الباءُ بهاءُ اللّٰهِ، والسین سناؤه، والمیم مملكته(۱).

''[سیدنا] عیسیٰ علیہ السلام کو جب اُن کی والدہ مکتب میں حصولِ علم کے لیے لے گئیں تو استاذ نے اُن سے کہا ''بسم'' پڑھو، اس پر آپ علیہ السلام نے پوچھا ''بسم'' کیا ہے؟ استاذ نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم، اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''باء'' سے مراد اللہ کا حسن ہے ''س'' اُس کی چمک اور ''م'' اُس کی مملکت ہے۔''

علامہ ابن جریر لکھتے ہیں: وأخشَی أن یکون غلطاً من المحدث، وأن یکون أراد: ب، س، م علی سبیل ما یعلم المبتدئ من الصبیان في الْكُتَّاب حروف أبي جاد، فغلط بذلك فوصله، فقال: بسم(۲).

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۱:۸۱، فقرہ:۱۴۰، حلیة الاولیاء ۷:۲۵۱-۲۵۲

(۲) تفسیر ابن جریر ۱:۸۲

''مجھے ڈر ہے کہیں محدث اس میں غلطی کا شکار نہ ہوا ہو۔ شاید جس طرح ہمارے ہاں مبتدی کو ابجد پڑھانے کا رواج ہے، اسی طرح وہاں ''ب' س' م'' پڑھنے کا رواج ہو اور کسی نے ان الگ الگ حروف کو باہم پیوست کر کے اس سے ''بسم'' بنایا ہو (1)۔''

- وہ تفسیر میں اَشعار سے استدلال بھی کرتے ہیں' چنانچہ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (2) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اَنْدَادٌ کا واحد نِدٌّ ہے جس کا معنیٰ مثیل اور نظیر ہے' اس کی دلیل میں سیدنا حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ (3) کا یہ شعر پیش کرتے ہیں:

أَتَهْجُوهُ وَ لَسْتَ لَهُ بِنِدٍّ ؟
فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ (4)

''کیا تو اُن [رسول اللہ ﷺ] کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تو اُن جیسا نہیں۔ تم دونوں میں جو بُرا ہے وہ اچھے سے قربان ہو۔''

- تفسیر کے باب میں غیر ضروری باتوں سے گریز کرتے ہیں چنانچہ: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (5)

---

(1) یہ روایت موضوع ہے' اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی اسماعیل بن یحیٰی بن عبیداللہ تیمی مدنی کوفی ہے، جس کے بارے میں محدث صالح بن محمد جَزَرَة فرماتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ امام ازدی فرماتے ہیں: ارکان کذب میں سے ہے' اس سے روایت لینی درست نہیں۔ [میزان الاعتدال ۱:۲۵۳]
حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: ثقات سے بواطیل نقل کرتا ہے، اور یہ روایت باطل ہے۔ [الکامل ۱:۲۹۱]
حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اسماعیل بن یحیٰی معروف کذاب ہے۔ [مجموع الفتاوی ۱۲:۳۰]
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ روایت شدید ضعیف اور اسرائیلیات میں سے ہے' مرفوع روایات میں سے نہیں ہے۔ [تفسیر ابن کثیر ۱:۱۸۵]

(۲) سورۃ البقرۃ ۲:۲۲

(۳) حسان بن ثابت بن منذر خزرجی انصاری ابوالولید رضی اللہ عنہ' صحابی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے شاعر ہیں۔ مدینہ منورہ کے رہائشی ہیں۔ مُخضرَمِین میں سے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں کے عہد دیکھے ہیں۔ کسی بیماری کے سبب کسی بھی غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ وفات ۵۴ھ = ۶۷۴ء سے قبل آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔
[اسد الغابۃ ۱:۵۰۱' ترجمہ: ۱۱۵۳' الاعلام ۲:۱۷۵]

(۴) تفسیر ابن جریر ۱:۱۹۸ (۵) سورۃ البقرۃ ۲:۳۵

کی تفسیر کرتے ہوئے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں کہ یہ سنبل کا درخت تھا یا زیتون یا گندم یا انگور کا؟ اس کے بعد لکھتے ہیں: ولم یضع اللّٰہ جل ثناؤہ لعبادہ المخاطَبین بالقرآن دلالةً علی أيّ أشجار الجنة کان نَهیُه آدم أن یقربها بِنَصٍّ علیها بإسمها ولا بدلالةٍ علیها...... ولا علم عندنا بأي شجرةٍ کانت علی التعیین، لأنّ اللّٰہ لم یضع لعبادہ دلیلاً علی ذلك في القرآن ولا في السنة الصحیحة فأنّٰی یأتي بذلك؟ وذلك علمٌ إذا عُلِم لم ینفع العالم به علمه و إن جهله جاهلٌ لم یضره جهلُه به[1]۔

''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے مخاطَب بندوں کو نہیں بتایا کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو کس درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا، نہ تو اس کا نام صراحۃً مذکور ہے اور نہ اشارۃً۔ ہمیں متعین طور پر کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون سا درخت تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا تعین نہیں کیا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ تو کوئی آخر کہاں سے بیان کرے کہ وہ کون سا درخت تھا۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اگر کسی کو اس کا علم ہو جائے کہ فلاں درخت تھا تو اس میں کوئی فائدہ نہیں اور اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کون سا درخت تھا تو یہ لاعلمی اس کے لیے نقصان دہ نہیں۔''

- کبھی کبھار ایسی تحقیق کر لیتے ہیں جس سے اُن پر شیعیت کا الزام لگ جاتا ہے مثلاً سورۃ المائدۃ ۵:۶ کی تفسیر[2] میں غَسلِ رِجلَین کی اُن کی تحقیق سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ آپ شیعہ کی طرح پاؤں پر مسح کرنے کے قائل ہیں[3]۔

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۱: ۲۷۰-۲۷۱، نص: ۷۴۰ (۲) تفسیر ابن جریر ۴: ۴۷۰-۴۷۱

(۳) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: نُسِبَ إلیه أنه کان یقولُ بجواز مسح القدمین في الوضوء، وأنه لا یُوجِبُ غسلهما وقد اشتهر عنه هذا، فمن العلماء مَن یزعمُ أنّ إبن جریر اثنان أحدهما شیعيٌّ وإلیه یُنسبُ ذلك، وینزهون أبا جعفر هذا عن هذه الصفات، والذي عوَّل علیه کلامه في التفسیر أنه یوجب غسل القدمین ویوجب مع الغسل دلکهما، ولکنه عبر عن الدّلك بالمسح، فلم یفهم کثیر من الناس مراده ومَن فَهِم مراده نقلوا عنه أنه یوجبُ الغسل والمسح وهو الدَّلْكُ. [البدایة والنهایة ۱۱: ۱۴۳]

''ان کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے اور اُن کے بارے میں یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ وہ وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور پاؤں دھونے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ابن جریر کے......

- تفسیر بالمأثور کے ساتھ کلامِ عرب سے استشہاد بھی کرتے ہیں چنانچہ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ (۱) میں تنور کا جو لفظ وارد ہوا ہے اس کی تفسیر میں انہوں نے علمائے سلف کے مختلف قول نقل کیے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے روئے زمین مراد ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ تنور کے معنیٰ صبح کے روشن ہوجانے کے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس سے زمین کا بالائی اور عمدہ حصہ مراد لیا ہے جب کہ کچھ مفسرین کے ہاں تنور اس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وأولى هذه الأقوال عندنا بتأويل قوله: التَّنُّوْرُ قول من قال: هو التنور الذي يُختبز فيه لأن ذلك هو المعروف من كلام العرب، وكلام الله لا يُوجَّهُ إلّا إلى الأغلب الأشهر من معانيه عند العرب، إلّا أن تقوم حجة على شيء منه بخلاف ذلك فيُسَلَّمُ لها، وذلك أنَّ جلّ ثناؤه إنما خاطبَهم بما خاطبَهُم به لإفهامهم معنى ما خاطَبَهُم به. (۲)

"اس ضمن میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے روٹیاں پکانے کا تنور مراد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کلامِ عرب میں یہی معنیٰ معروف ہے۔ کلامِ الٰہی میں جو لفظ وارد ہوا اُس کے وہی معنیٰ مراد لینے چاہئیں جو عرب میں مشہور تر ہوں، البتہ کسی دلیل سے کوئی اور مفہوم ثابت ہو جائے تو وہ الگ بات ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے ذریعے عربوں کو اس لیے مخاطب کیا تھا کہ وہ آسانی سے اس کا معنیٰ اور مفہوم سمجھ جائیں۔"

- وہ تفسیر کے باب میں اقوالِ صحابہ وتابعین سے استفادہ کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور جو لوگ محض لغت کی مدد سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں اُن کی شدید تنقید کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ

...... نام سے دو افراد مشہور ہیں جن میں سے ایک شیعہ ہے جس کی طرف یہ بات منسوب ہے اور دوسرا سنی ابو جعفر طبری۔ ہم طبری کو اس قسم کی باتوں سے مبرا سمجھتے ہیں انہوں نے اپنی تفسیر میں اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ وضوء میں پاؤں دھونا ضروری ہے اور دھونے کے ساتھ اس کا ملنا بھی ضروری ہے لیکن انہوں نے ذلک [ملنے] کو مسح سے تعبیر کیا ہے جسے بہت سے لوگ نہ سمجھ سکے اور جو لوگ اُن کا مطلب سمجھ سکے ہیں اُنہوں نے اُن کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ اُن کے نزدیک پاؤں دھونا اور اُنہیں ملنا دونوں ضروری ہیں۔"

(۱) سورۃ ہود ۱۱: ۴۰

(۲) تفسیر ابن جریر ۷: ۴۰-۴۱، نص: ۱۸۱۷۹

لکھتے ہیں: و كان بعض من لاعلم له بأقوال السلف من أهل التأويل ممن يفسرالقرآن برأيه على مذهب كلام العرب، يُوَجّهُ معنى قوله: وَفِيهِ يَعصِرُوْنَ إلى :وفيه ينجون من الجدب والقحط بالغيث ويزعمُ أنه من العَصرِ والعُصُرِ والعُصرَةِالتي بمعنى المنجاة......وذلك تأويل يكفي من الشهادة على خطئه، خلافه قول جميع أهل العلم من الصحابة و التابعين (۱).

''بعض مفسرین جو اَقوالِ سلف سے نا آشنا ہیں اور لغتِ عرب اور محض رائے کی مدد سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں وہ وَفِيهِ يَعصِرُوْنَ کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے وہ قحط سے نجات پائیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ العَصُراور العُصرَة نجات کے معنیٰ میں ہے، اس ضمن میں وہ اَشعارِ عرب سے استشہاد بھی کرتے ہیں مگر تمام اہلِ علم صحابہ و تابعین کا قول اس کے خلاف ہے اس لیے ان لوگوں کی شہادت اس قول کے اختیار کرنے والوں کی غلطی کے لیے کافی ہے۔''

- علامہ ابن جریر بذاتِ خود بہت اچھے قاری تھے اس لیے اُنہوں نے اپنی تفسیر میں مختلف قراءتیں ذکر کرنے کا اِہتمام کرتے ہیں اور اُن کے معانی و مطالب پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

- ابن جریر اسرائیلی اخبار، روایات اور واقعات کو باسند نقل کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر اِن پر خاموش رہتے ہیں لیکن کبھی کبھار تردید بھی کرتے ہیں چنانچہ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ (۲) کی تفسیر میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی اقوال ذکر کرتے ہیں کہ بھائیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو کتنے درہموں میں فروخت کیا؟ ۲۰، ۲۲ یا ۴۰ درہم کے عوض؟ اس کے بعد لکھتے ہیں:

والصَّوابُ من القول في ذلك أن يُقال: إنَّ الله تعالى ذِكرَهُ أخبر أنهم باعوه بدراهم معدودة غيرموزونةٍ، ولم يحدّ مبلغ ذلك بوزنٍ ولاعددٍ، ولاوضع عليه دلالةٌ في كتابٍ ولاخبرمن الرسول ﷺ . و قد يحتمل أن يكون كان عشرين ويحتمل أن يكون كان اثنين وعشرين و أن يكون كان أربعين ، و أقل من ذلك وأكثر. و أيُ ذلك كان فإنها

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۷: ۲۳۱، بذیل تفسیر: وَفِيهِ يَعْصِرُوْنَ. [سورۃ یوسف ۱۲: ۴۹]

(۲) سورۃ یوسف ۱۲: ۲۰

كانت معدودة غير موزونة، وليس في العلم بمبلغ وزن ذلك فائدة تقع في دينٍ، ولا في الجهل بي دخول ضَرٍّفيه، والإيمان بظاهر التنزيل فرضٌ، وماعداه فموضوعٌ عنا تكلُّفُ علمه. (۱)

''اس ضمن میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اُن کو گنتی کے چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا تھا۔ یہ نہیں بتایا کہ ان درہموں کی تعداد یا وزن کیا تھی۔ اس ضمن میں قرآن مجید اور احادیث میں ضمناً یا صراحۃً کچھ نہیں کہا گیا اس لیے اس میں سب ہی احتمالات کا اِمکان ہے کہ وہ ۲۲ ہوں یا ۴۰ یا اس سے کم وبیش۔ تعداد یا وزن کا علمی اعتبار سے کچھ فائدہ بھی نہیں اور اس سے ناآشنا ہونے سے کچھ حرج بھی نہیں۔ ایمان تو صرف ظواہرِ قرآن پر لانا ضروری ہے۔ باقی امور کا ہمیں مکلّف نہیں بنایا گیا۔''

- ابن جریر اپنی تفسیر میں فقہی مسالک اور اُن کے دلائل کا تذکرہ بھی کرتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (۲) کے تحت گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے متعلق علماء کے اَقوال اپنی سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ اس آیت سے ان حیوانات کے گوشت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ آگے لکھتے ہیں:

والصواب من القول في ذلك عندنا، ماقاله أهل القول الثاني، وذلك أنه لو كان في قوله تعالى ذِكره ﴿ لِتَرْكَبُوْهَا ﴾ دلالةٌ على أنها لاتصلح -إذكانت للركوب- للأكل لكان في قوله: ﴿ فِيْهَادِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَاتَأْكُلُوْنَ ﴾ دلالةٌ على أنهالاتصلح إذكانت للأكل والدفء للركوب، وفي إجماع الجميع على أن ركوب ماقال تعالى ذِكره: ﴿ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴾ جائزٌ، حلالٌ، غيرحرام دليلٌ واضحٌ على أن أكل ماقال: ﴿لِتَرْكَبُوْهَا ﴾ جائزٌ، حلالٌ، غيرحرامٍ، إلَّابما نَصَّ على تحريمه، أو وضع على تحريمه دلالة من كتاب أو وحي إلى رسوله ﷺ فأمابهذه الآية فلايحرم أكل شيء (۳)

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۷: ۱۷۱، نص: ۱۸۹۴۲ (۲) سورۃ النحل ۱۶: ۵

(۳) تفسیر ابن جریر ۷: ۵۶۳-۵۶۴، نص: ۲۱۴۸۹

''اس سلسلہ میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اس آیت سے ان حیوانات کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس آیت میں ان حیوانات کی غرض یہ بتلائی گئی ہے کہ یہ سواری کے لیے ہیں اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ ان کو کھانا حلال نہیں؟ اگر اس کا یہ معنیٰ لیا جائے تو اسی سورۃ کی آیت: ۵: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ یہ کھانے کے لیے ہیں اس لیے اُن پر سواری جائز نہیں حالانکہ یہ بداہتہً غلط ہے اور اس پر علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ ان پر سوار ہونا اور ان سے بار برداری کا کام لینا بالکل حلال ہے ماسوا اُس جانور کے جس کی حُرمت منصوص ہو اور قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیثِ نبوی سے صراحتہً اس کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہو۔ معلوم ہوا کہ زیر بحث آیت کا ان جانوروں کے حرام ہونے سے کوئی تعلق نہیں (۱)''۔

۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایات کو اَسناد کے ساتھ ذکر کرنے کا التزام کیا ہے مگر اکثر مقامات میں وہ اسناد کی جانچ پڑتال نہیں کرتے جس کے باعث بہت سی بے بنیاد باتیں رواج پا گئی ہیں اس کی اَن گنت مثالیں اس کتاب میں موجود ہیں جن میں سے بعض کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

---

(۱) امام ابو جعفر طحاوی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً قطعاً اس سے مانع نہیں کہ ان کو کھایا جائے اور ان کو صرف بار برداری اور سواری کے لیے پیدا فرمایا ہو کیونکہ گھوڑا وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ میں بھی داخل ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: بينما رجل يسوق بقرة، قد حمل عليها فالتفتُ إليه فكلمته فقالت: إني لم أخلق لهذا، ولكني خلقت للحرث.

[صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ [۴۱] باب استعمال البقر للحراثۃ [۴] حدیث: ۲۳۲۵، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب [۵۴] حدیث: [۳۴۷۱]، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ بعد النبی ﷺ [۴] حدیث: ۳۶۶۳، ۳ باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ [۶] حدیث: ۳۶۹۰]

''ایک آدمی، گائے پر بوجھ لاد کر جارہا تھا تو گائے نے اس کی طرف اپنا چہرہ پھیر کر کہا: ہمیں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ہمیں ہل جوتنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔''

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ گائے کا گوشت کھانا حرام ہے تو یہ بات قطعاً غلط ہوگی، بالکل اسی طرح جیسے اس آیت سے گھوڑے کا گوشت حرام قرار دینے کا قول غلط ہے۔

[تاویل مشکل الآثار ۴: ۱۶۸]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (۱)

"اور جب ابراہیم [علیہ السلام] نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے دکھادے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ فرمایا: کیا تم اِس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ بولے: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔"

ابن جریر طبری نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: أن تكون مسألته ربه ماسأله أن يريه من إحياءِ الموتَى لعارض من الشيطان عرض في قلبه (۲)

"ممکن ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کر کے اِحیاءِ موتیٰ کا سوال اُن کے قلب میں شیطانی اِلقاء سے آیا ہو۔"

مفسر قرطبی لکھتے ہیں: لايجوز على الأنبياء مثل هذا الشك فإنه كفر، والأنبياء متفقون على الإيمان بالبعث، وقد أخبر الله أنّ أنبيائه و أوليائه ليس للشيطان عليهم سبيلٌ فقال: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (۳) وقال اللعين: اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (۴) وإذالم يكن له عليهم سلطنة فكيف يشككهم (۵)؟

"انبیاء علیہم السلام ایسے شک میں کبھی گرفتار نہیں ہوتے، اس لیے کہ سارے کے سارے بعث بعد الموت پر متفقہ طور پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اُس کے انبیاء اور خاص دوست شیطان کی دسترس اور اُس کی پہنچ سے باہر ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے کہ "میرے خاص بندوں پر تمہارا کوئی بس نہیں چلے گا۔" خود شیطان لعین کو بھی اقرار ہے کہ "تیرے خاص بندوں پر میرا کوئی بس نہیں چلتا۔" اور جب معلوم ہوا کہ اُن پر شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا تو اُنہیں کسی شک میں کس طرح مبتلا کر سکتا ہے؟"

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۶۰ (۲) تفسیر ابن جریر ۳: ۵۱، نص: ۲-۵۹ (۳) سورۃ الحجر ۱۵: ۴۲
(۴) سورۃ الحجر ۱۵: ۴۰ (۵) تفسیر القرطبی ۳: ۲۸۵

سیدنا یوسف علیہ السلام

امام ابن جریر نے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا[1] کی ایک تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ: أمَّا هَمُّها به فاستلقت له، وأمَّا همه بهافإنه قعد بين رِجليها و نزع ثيابه[2]۔

"عورت نے یہ قوی عزم کیا کہ اُن کے سامنے لیٹ گئی اور اُنہوں نے قوی عزم یہ کیا کہ اُس کے پاؤں میں بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے اُتار دیے۔"

اکثر مفسرین نے امام ابن جریر کی اس تفسیر کو قبول نہیں کیا چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

أمَّا يوسف علیہ السلام فهَمَّ بها لو لا أن رأى برهان ربه، ولكن لمَّا رأى البرهان ماهَمَّ. هذا لوجوب العصمة للأنبياء، قال أبو عبيدة: هذا على التقديم و التأخير، كأنه أراد: ولقد هَمت به ولولا أن رأى برهان ربه لَهَمَّ بها[3]۔

"انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، اس لیے اس عبارت میں تقدیم وتاخیر کر کے معنی کیا جائے گا، جو اس طرح کا ہوگا کہ: اُس عورت نے تو اُس کا قصد کر ہی لیا تھا اور وہ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اُنہوں نے اپنے رب کی واضح نشانی نہ دیکھ لی ہوتی اور چونکہ اُنہوں نے واضح نشانی دیکھ لی تھی اس لیے انہوں نے قصد ہی نہیں کیا۔"

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ شرط مؤخر ہے اور هَمَّ بِهَا جزاء مقدم ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ عزیز مصر کی بیوی نے تو اس فعل کا عزم مصمم کیا اور اگر یوسف علیہ السلام برہانِ الٰہی کو نہ دیکھتے تو وہ بھی [اس انتہائی اشتعال انگیز حالات میں] اس فعل کا عزم اور قصد کرتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ آپ علیہ السلام نے برہانِ الٰہی کا مشاہدہ فرمایا اس لیے اس فعل کا عزم وقصد وقوع پذیر نہیں ہوا[4]۔

امام رازی یہ بھی لکھتے ہیں: أنَّ يوسف علیہ السلام كان بريئًا عن العمل الباطل، و الهَمِّ المُحَرَّمِ، و هذا قول المحققين من المفسرين والمتكلمين، وبه نقولُ، وعنه نَذُبُّ[5]۔

---

(۱) سورۃ یوسف ۱۲: ۲۴
(۲) تفسیر ابن جریر ۷: ۱۸۲، نصر: ۱۹۰۳۶
(۳) تفسیر القرطبی ۹: ۱۴۲
(۴-۵) التفسیر الکبیر ۶: ۴۴۰-۴۴۱

''سیدنا یوسف علیہ السلام اس گندے عمل اور حرام ارادہ سے بالکل بری تھے اور یہی محققین مفسرین اور متکلمین کی رائے ہے۔ ہماری اپنی رائے بھی یہی ہے اور ہم اُن [یوسف علیہ السلام] سے اس عمل کی نفی کرتے ہیں۔''

امام رازی یہ بھی فرماتے ہیں: واعلم أن الذين لهم تعلق بهذه الوقعة: يوسف علیہ السلام وتلك المرأة وزوجها، والنسوة، والشهود، ورب العالمين (۱).

''جن کا اس واقعہ سے براہ راست تعلق تھا وہ یہ ہیں: خود سیدنا یوسف علیہ السلام، زلیخا، اس کا شوہر، زنانِ مصر، گواہ اور اللہ تعالیٰ۔''

اس باب میں خود سیدنا یوسف علیہ السلام کا اپنا بیان ہے: هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي (۲)

''اس [عورت] نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔''

پھر آپ علیہ السلام کا یہ دعاء فرمانا کہ: رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (۳).

''اے میرے پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اُس کی نسبت مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔''

زلیخا نے دوبار آپ کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔ پہلی مرتبہ اُس نے زنانِ مصر کے سامنے کہا:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ (۴)

''بے شک میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا۔''

اور دوبارہ جب بادشاہِ مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے رہا کر کے اپنے دربار میں لے آنے کا حکم دیا تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اُس کی اِس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگائے ہوئے بہتان کی تحقیق نہ ہو جائے، میں جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں اُس وقت زلیخا نے پھر برملا کہا: اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۵).

''اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے [اصل یہ ہے کہ] میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور

---

(۱) التفسیر الکبیر ۶:۴۴۰ (۲) سورۃ یوسف ۱۲:۲۶ (۳) سورۃ یوسف ۱۲:۳۳

(۴) سورۃ یوسف ۱۲:۳۲ (۵) سورۃ یوسف ۱۲:۵۱

بے شک وہ سچا تھا۔''

اس کے شوہر کا بیان قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

اِنَّهٗ مِنۡ كَيۡدِكُنَّ اِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ ۞ يُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا وَاسۡتَغۡفِرِىۡ لِذَنۡۢبِكِ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـئِيۡنَ ۞(۱)

''یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے بھاری ہوتے ہیں۔ یوسف! اس بات کا خیال نہ کر اور [زلیخا!] تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ بے شک خطا تیری ہی ہے۔''

قرآن مجید نے گواہ کی گواہی کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا‌ ۚ اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۞ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ (۲)

''اور ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہے تو یہ سچی اور وہ جھوٹا اور اگر اُس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے، جب اُس کا کُرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا تھا(۳)۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں فرمایا ہے: كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ‌ ؕ اِنَّهٗ

---

(۱) سورۃ یوسف ۱۲: ۲۸-۲۹ (۲) سورۃ یوسف ۱۲: ۲۶-۲۸

(۳) ابن جریر لکھتے ہیں: شاہد سے مراد وہ چھوٹا بچہ ہے، جو ابھی مہد ہی میں تھا۔
[تفسیر ابن جریر ۷: ۱۹۱، نص: ۱۹۱۰۹، ۷: ۱۹۲، نص: ۱۹۱۱۸]

لیکن یہ قول اس لیے نہایت کمزور ہے کہ اس کا راوی عطاء بن سائب مختلط راوی ہے۔
[تقریب التہذیب: ۴۲۲، ترجمہ: ۴۵۹۲]

آگے یہ بھی لکھا ہے کہ: کان رجلاً ذا لحیۃ۔ [تفسیر ابن جریر ۷: ۱۹۲، نص: ۱۹۱۲۱]
''باریش آدمی تھا۔''

اس روایت کے راوی صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں، لیکن اس کا ایک راوی سماک بن حرب عکرمہ سے روایت نقل کرنے میں اضطراب کا شکار ہوتا ہے۔ [تقریب التہذیب: ۲۸۹، ترجمہ: ۲۶۲۴]

مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۱)۔

''یوں اس لیے کیا گیا کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔''

اس کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ اور تو اور خود ابلیس نے کہہ دیا کہ یوسف علیہ السلام کا دامن اس داغ سے پاک ہے: فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۲)۔

''مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو راہِ راست سے بھٹکا دوں گا لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکتا۔''

جب کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مخلصین میں سے ہیں اس لیے شیطان کے فریب میں نہیں آسکتے۔

اس بحث کو امام رازی نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے: هؤلاء الجُهّال الذين نسبوا إلى يوسف علیہ السلام هذه الفضيحة إن كانوا من أتباع دين الله تعالى فليقبلوا شهادة الله تعالى على طهارته، وإن كانوا من أتباع إبليس وجنوده فليقبلوا شهادة إبليس على طهارته (۳)۔

''جن جاہلوں نے اس قبیح جرم کی نسبت سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف کی ہے، وہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں میں سے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی اُس شہادت کو قبول کرے جو اُس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کے بارے میں دی ہے اور اگر شیطان کے پیروکار ہیں تو اُس کی گواہی قبول کرے، جو سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا گواہ ہے۔''

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: شهد ببراءة يوسف علیہ السلام من الذنب كل من له تعلّق بتلك الواقعة من زوجٍ وحاكمٍ ونسوةٍ وملِكٍ وادّعى يوسف علیہ السلام ذلك و اعترف له خصمه بصدق ما قاله مرّتين، و شهد بذلك رب العٰلمين، الذي هو أصدق القائلين، واعترف إبليس، فكيف يُلتفتُ إلى قول هؤلاء الحشوية (۴)؟

---

(۱) سورۃ یوسف ۱۲: ۲۴
(۲) سورۃ ص ۳۸: ۸۲-۸۳
(۳) التفسیر الکبیر ۶: ۴۴۱
(۴) عصمۃ الانبیاء: ۷۵

''جس کسی کا بھی اس واقعہ سے کوئی تعلق تھا اُن سب نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی براءت کا اعلان کر لیا، خواہ وہ حاکم ہو، عورتیں ہوں یا شاہِ مصر اور پھر سیدنا یوسف علیہ السلام بھی اپنی پاک دامنی کے مدعی ہیں، جب کہ اُن کے مدِّ مقابل نے دوبار اُن کی پاک دامنی کا اعتراف کر لیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے اور جو سب سے زیادہ سچا ہے، وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی براءت کا اعلان فرماتے ہیں۔ ابلیس بھی اُن کی براءت کا اِقرار کر چکا ہے۔ ان ساری گواہیوں کے باوجود آخر کیونکر ان حشویہ کی بات تسلیم کی جائے؟''

زَلیخا سے سیدنا یوسُف علیہ السلام کا نکاح

کہتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بدنامِ زمانہ، حیا باختہ، بدکار اور فاحشہ عورت زلیخا کے ساتھ نکاح کر لیا تھا جس نے عزیز مصر کی منکوحہ ہونے کے باوجود ایک معصوم ہستی سے اپنی نفسانی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ محل کے سب دروازے اور کھڑکیاں بند کیں، اور اپنی ناپاک زبان سے معصوم نبی کو صاف لفظوں میں گناہ کی دعوت بھی دی تھی۔

مفسر ابن جریر فرماتے ہیں: ہمیں ابن حمید نے، اسے سلمۃ نے، اور اسے ابن اسحاق نے روایت بیان کی: لما قال یوسف للملك: اِجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ، قال الملك: قد فعلتُ، فولاه فيما يذكرون عملَ إطفير، وعزل إطفير عما كان عليه، يقول الله: كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ، قال: فذكرلي و الله أعلم أن إطفير هلك في تلك الليالي، و أن الملك الرَّيان بن الوليد زَوَّجَ يوسف إمرأة إطفير راعيل، وأنها حين دخلت عليه قال: أليس هذا خيراً مما كنتِ تريدينِ؟ قال: فيزعمون أنها قالت أيها الصديق! لاتلمني، فإني كنتُ إمرأة كماترى حسناً و جمالاً، ناعمةً في ملك و دنيا، و كان صاحبي لايأتي النساء، وكنتَ كما جعلك الله في حسنك وهيئتك، فغلبتني نفسي على مارأيت، فيزعمون أنه وجدها عزراء، فأصابها، فولدت له رجلين: أفرائيم بن يوسف وميشا بن يوسف (۱)۔

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۷: ۲۴۲، نص: ۱۹۴۶۶

''جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ سے فرمایا کہ مجھے ملک کے ذرائع آمدنی پر مامور کیجیے، میں متدین بھی ہوں اور باخبر بھی، تو مجھے بتایا گیا ہے کہ اُس نے عزیز مصر کو معزول کر کے اُس کی جگہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو مقرر کیا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک میں اقتدار بخشا، وہ اس میں جہاں چاہے متمکن ہو۔ مجھے یہ بھی بیان کیا گیا کہ اطفیر [عزیز مصر] ان دنوں چل بسا اور بادشاہ ریان بن ولید نے عزیز مصر کی بیوی کو سیدنا یوسف علیہ السلام کی نکاح میں دے دیا اور جب وہ اُس سے ملے تو فرمایا: کیا یہ اُس چیز سے بہتر نہیں جو تم چاہتے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس پر وہ کہنے لگی: اے صدیق! مجھے ملامت نہ کیجیے، اس لیے کہ آپ تو میرے حسن و جمال سے واقف ہیں اور میرا شوہر عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی حسن و جمال سے مالا مال کیا ہے، اس وجہ سے مجھ سے وہ غلطی سرزد ہوگئی جو آپ نے دیکھی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اُسے خوب صورت اور جوان پایا اُس کے پاس گئے اور اُس سے اُن کے دو بیٹے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے۔''

اس روایت میں کئی اسنادی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں:

[۱] اس کا پہلا راوی محمد بن حمید رازی ہے جو بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں (۱)۔

محدث اسحاق بن منصور (۲) کہتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا (۳)۔

[۲] ایک راوی سلمۃ بن فضل ابرش ہے جو ''رے'' کا قاضی تھا، امام بخاری فرماتے ہیں: اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (۴)۔

---

(۱) احوال الرجال، ترجمہ: ۳۸۲ (۲) تاریخ بغداد ۲: ۲۶۳، تہذیب الکمال ۲۵: ۱۰۳

(۳) اسحاق بن منصور بن بہرام ابو یعقوب مروزی المعروف بالکوسج۔ حنبلی فقیہ تھے۔ مرو میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ عراق، حجاز اور شام کے سفر کیے۔ نیسابور میں رہائش اختیار کی تھی اور وہیں ۲۵۱ھ = ۸۶۵ کو فوت ہوئے۔ [طبقات الحنابلہ، ابو یعلیٰ ۱: ۱۱۳، ترجمہ: ۱۳۳، الاعلام ۱: ۲۹۷]

(۴) التاریخ الکبیر ۴: ۸۴

امام علی بن المدینی (۱) فرماتے ہیں: ہم لوگ سلمۃ بن فضل کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو پھینک کر شہر "رے" سے نکل گئے تھے (۲)۔

[۳] اس کا ایک راوی محمد بن اسحاق امام المغازی ہے جو سچا تو تھا لیکن مدلس تھا (۳)۔ اور یہ روایت معنعن ہے جب کہ مصطلح الحدیث کا مشہور قاعدہ ہے کہ صحیحین سے باہر مدلس راوی کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے (۴)۔

---

(۱) علی بن عبداللہ بن جعفر سعدی ابن المدینی البصری، محدث ومؤرخ تھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ = ۷۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے حافظ حدیث تھے۔ لگ بھگ دو سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ علم اختلاف حدیث میں امام احمد بن محمد بن حنبل کے پائے کے عالم تھے۔ ۲۳۴ھ = ۸۴۹ء کو سامراء میں وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۱۱: ۴۵۸، تذکرۃ الحفاظ ۲: ۴۲۸، الاعلام ۴: ۳۰۳]

(۲) التاریخ الکبیر ۴: ۸۴ (۳) تقریب التہذیب: ۴۹۸، ترجمہ: ۵۷۲۵

(۴) یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس روایت کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ہرگز یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے یا اُن سے کسی صحابی نے یا صحابی سے سن کر کسی تابعی نے یہ فرمایا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا نکاح راعیل یا زلیخا نامی عزیزِ مصر کی بیوہ سے ہوا تھا بلکہ وہ تو واضح لفظوں میں فیما یذکرون، فذکرلی اور فیزعمون کے الفاظ استعمال کرکے بتلاتے ہیں کہ غیر ذمہ دار لوگ اس طرح باتیں کرتے ہیں۔ زیر بحث روایت میں محمد بن اسحاق دوبار یَزْعُمُونَ کا لفظ استعمال کرکے ان داستانوں کے غلط اور بے بنیاد ہونے کا پوری طرح اظہار کردیا ہے، اس لیے کہ زعم کا اطلاق عربی زبان میں جھوٹ اور بے بنیاد چیز پر ہوتا ہے، چنانچہ:

—ازہری: ابومنصور محمد بن احمد [پیدائش: ۲۸۲ھ = ۸۹۵ء، وفات: ۳۷۰ھ = ۹۸۱ء] فرماتے ہیں:

إذا قيل: ذكر فلانٌ كذا وكذا فإنما يقال ذلك لأمرٍ يُسْتَيْقَنُ أنه حقٌّ، فإذا شُكَّ فيه فلم يُدرَ لعله كَذِبٌ أو باطلٌ قيل: زعم فلانٌ. [تہذیب اللغۃ ۲: ۹۳]

"عربی میں جب "ذکر فلان" بولتے ہیں، تو اس سے مراد کوئی یقینی بات ہوتی ہے اور جب "زَعَم" بولتے ہیں تو اس کا استعمال بیشتر اُس شے کے لیے ہوتا ہے جو باطل ہو، محقق نہ ہو اور اس میں شک وشبہ ہو۔"

—ابن فارس: ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا، رازی [پیدائش: ۳۲۹ھ = ۹۴۱ء، وفات: ۳۹۵ھ = ۱۰۰۴ء] لکھتے ہیں کہ: الزعمُ: القول في غير صحة. [مجمل اللغۃ: ۳۲۹]

—فیروزآبادی: محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر، ابوطاہر، مجدالدین، شیرازی [پیدائش: ۷۲۹ھ = ۱۳۲۹ء، وفات: ۸۱۷ھ = ۱۴۱۵ء] لکھتے ہیں: الزعم: القول الحق والباطل: ضدٌّ، وأكثر ما يُقال فيما يُشَكُّ فيه.

[القاموس المحیط ۲: ۱۴۷۲]

ان اِسنادی خامیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے مفسر سید محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی نے لکھا ہے:

وشاع عند القصاص أنها عادت شابة بكراً إكراماً له ﷺ بعد ما كانت ثيباً غير شابة وهذا مما لا أصل له، وخبر تزوجها أيضاً مما لا يعول عليه عند المحدثين (۱).

''قصہ گو واعظین کے ہاں مشہور ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی تکریم وتوقیر کے خاطر زلیخا کو پھر سے دوشیزگی دی گئی حالانکہ یہ بات بالکل بے اصل ہے، اسی طرح امرأة العزیز سے سیدنا یوسف علیہ السلام کا نکاح ہونے کی بات بھی اُن بے اصل باتوں میں سے ہے جن پر محدثین اعتماد نہیں کرتے۔''

سیدنا داؤد علیہ السلام

اسی جلیل القدر نبی کے بارے میں مفسر ابن جریر لکھتے ہیں: جاءهُ الشيطانُ قد تَمَثَّلَ في صورة حمامةٍ مِن ذَهَبٍ حتى وقع عند رِجليه وهو قائمٌ يُصلي فَمَدَّ يدهُ ليأخذه فتَنَحَّى فَتَبِعَهُ فتباعَدَ حتى وقع في كوةٍ فذهب ليأخذه فطار من الكوةِ فنظر أين يقعُ؟ فيبعث في أثره، فأبصر إمرأةً تغتسلُ على سطح لها، فرأى إمرأةً من أجمل الناس فحانت منها إلتفاته فأبصرتهُ فألقت شعرها فاستترت به فزاده في ذلك رغبةً، فسأل عنها فأُخبِرَ أنَّ لها زوجًا، وأنَّ زوجها غائبٌ بمسلحة كذا وكذا فبعث إلى صاحب المسلحة أن يبعث أهريا إلى عدو كذا وكذا، فبعثه، فقتل المرة الثالثة، وتزوج إمرأته (۲).

یہ بالکل وہی بات ہے جو بائبل میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوب صورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتّی اوریاہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا، وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی، پھر وہ اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی، سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ

---

(۱) روح المعانی ۱۳:۸-۹ (۲) تفسیر ابن جریر ۱۰:۵۷۱، نص: ۲۹۸۵۳، بذیل سورة ص ۳۸:۲۳

میں حاملہ ہوں[1]۔"

قارئین کرام! ہمارا ایمان ہے کہ اگر بالفرض سیدنا داوٗد علیہ السلام کی ایک بیوی بھی نہ ہوتی تب بھی یہ بے ہودہ حرکت ہرگز نہ کرتے کہ پہلے تو شاہی محل کی چھت پر چڑھ کر بے گانی اور غیر محرم عورت کو دیکھتے اور پھر غضب یہ ہے کہ وہ بھی اسے غسل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں' اور عورت بھی وہ جس کا خاوند زندہ اور خاوند بھی وہ جو قوم اور ملک کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے فریضہ جہاد ادا کر رہا ہے' اور وہ تھا بھی ان کا پڑوسی' مگر سیدنا داوٗد علیہ السلام ہیں کہ ان پر اس نہایت خوب صورت عورت کا عشق سوار ہو گیا ہے اور جب تک لوگوں کو بھیج کر اس عورت کو اپنے پاس بلوا نہیں لیتے اور اس سے صحبت کر کے حاملہ نہ کر دیں انہیں چین نہیں آتا اور پھر جب وہ حاملہ ہو جاتی ہے تو سیدنا داوٗد علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجتی ہے کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں' اس کا مطلب بظاہر یہی ہو گا کہ خاوند تو عرصہ سے گھر میں ہے نہیں' اور میں اس کی غیر حاضری میں حاملہ ہو گئی ہوں' اب یہ حمل کوئی مداری کا دھاگہ تو ہے نہیں کہ جو چُر رائیٹ کر کے غائب ہو جائے' اس لیے مجھے کوئی صورت بتائیں کہ میں خاوند اور لوگوں کے سامنے کس طرح سرخ رو ہو سکتی ہوں' اور کیوں کر ان میں یہ اعتماد اور باور پیدا کر سکتی ہوں کہ مجھے حمل نہیں' اور اگر ہے تو خاوند کا ہے' سیدنا داوٗد علیہ السلام بھی آخر بادشاہ تھے انہوں نے اپنے رقیب حتی اور یاہ کو ایسے مورچہ پر بھیج کر قتل کروا دیا جہاں سے اس کا زندہ اور صحیح و سالم واپس آنا عالم اسباب میں بالکل محال تھا[2] پھر کیا تھا سیدنا داوٗد علیہ السلام اور بت سبع کے مزے تھے چنانچہ اس عورت نے لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے اپنے شوہر کا کچھ ماتم بھی کیا اور پھر سیدنا داوٗد علیہ السلام کی بیوی بنی' چنانچہ حتی اور یاہ کے قتل کی پوری دل خراش داستان کے بعد لکھا:

"سو تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے حتی اور یاہ کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا[3]۔"

---

(۱) بائبل، پرانا عہد نامہ: ۳۰۳' سموئیل ۲' باب ۱۱: ۲-۵

(۲) جیسا کہ سموئیل ۲' باب ۱۱: ۱۵-۱۶ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) بائبل، پرانا عہد نامہ: ۳۰۴' سموئیل ۲' باب ۱۲: ۹-۱۰

مفسر ابن جریر نے اسے سدی کے سند سے نقل کیا ہے، جب کہ سدی، جس کا نام محمد بن مروان بن عبداللہ بن اسماعیل ہے، جھوٹ بولنے سے مُتَّھَم [بدنام] ہے (۱)۔

اس لیے اُس کی روایت ناقابل اعتبار اور متروک ہے۔ اور اس کے بل بوتے پر سیدنا داوٗد علیہ السلام تو درکنار کسی معمولی انسان کو بھی کسی معمولی جرم کا مرتکب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قد ذکر المفسرون ھھنا قصةً أکثرھا مأخوذٌ من الإسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم ﷺ حدیثٌ یجب اِتّباعه (۲).

"مفسرین نے یہاں ایک قصہ نقل کیا ہے، جس کا زیادہ تر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں نبی معصوم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں، جس کی اتّباع لازم ہو۔"

سیدنا سلیمان علیہ السلام

سورۃ ص ۳۸: ۳۴ کی تفسیر میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ایسی چیزیں نقل کی ہیں جن کی تردید کرنے کی نیت سے بھی نقل کرنا طبعِ سلیم کو گوارا نہیں، جیسے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا قصہ اور شیطان کا نعوذ باللہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آنا وغیرہ (۳)۔

جن لوگوں کو شانِ نبوت اور مقام سلیمانی کا ادنی سا بھی علم ہے، وہ ان خرافات کی تصدیق نہیں کر سکتے، چنانچہ امام ابن حیان لکھتے ہیں: إنّما ھذہ مقالة مسترقةٌ من زَنادِقَةِ السوفسطائیة (۴).

"یہ مقالہ زنادقہ اور سوفسطائیہ سے سرقہ ہو کر [مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے۔]"

اس بارے میں کچھ مفسرین نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے یہ گندی بات لکھی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: إسنادہ إلی ابن عباس رضی اللہ عنہ قويٌّ، ولکن الظاھر أنه إنما تلقّاہُ ابن عباس رضی اللہ عنہ -إنْ صحّ- من أھل الکتاب، وفیھم طائفةٌ لا یعتقدون نبوة سلیمان علیہ السلام فالظاھر أنھم یکذبون علیه (۵).

---

(۱) تقریب التھذیب: ۵۳۵، ترجمہ: ۶۲۸۴
(۲) تفسیر ابن کثیر ۱۲: ۸۱-۸۲
(۳) تفسیر ابن جریر ۱۰: ۵۸۱-۵۸۲، نص: ۲۹۹۰۰
(۴) البحر المحیط ۷: ۳۹۷
(۵) تفسیر ابن کثیر ۱۲: ۹۴

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تک اس کی سند بظاہر قوی تو ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اُنہوں نے یہ کہانی اہل کتاب ہی سے ماخوذ ہے، اور اہلِ کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا قائل ہی نہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ اُن کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔''

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابن جریر وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: كان النبي ﷺ قد زَوَّجَ زيد بن حارثة زينب بنت جحش، ابنة عمته، فخرج رسول الله ﷺ يومًا يريده، وعلى الباب سترٌ من شَعرٍ، فرفعت الريحُ السترَ فانكشف وهي في حجرتها حاسرة فوقع إعجابها في قلب النبي ﷺ...... (۲)

''نبی اکرم ﷺ ایک دفعہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ (۳) سے ملنے اُن کے گھر گئے، وہ گھر پر موجود نہیں تھے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا (۴) اُس وقت کپڑے تبدیل کر رہی تھیں۔ گھر کے دروازہ پر بالوں سے بنی ہوئی چادر تنی ہوئی تھی، ہوا چلی، جس نے چادر کو اُٹھا لیا اور نبی کریم ﷺ کی نظر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر اسی حالت میں پڑی۔ نبی اکرم ﷺ کے دل میں اُن کی صورت کُھب گئی جس کی وجہ سے وہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے دل سے اتر گئیں، اس کے بعد سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا: یارسول اللہ!

---

(۱) سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۷

(۲) تفسیر ابن جریر ۱۰:۳۰۲، نص: ۲۸۵۱۹، تاریخ الطبری ۲:۲۳۱، واقعات: ۵ ہجری

(۳) زینب بن جحش بن رئاب اسدیہ - اسد خزیمہ - ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔ ۳۳ قبل ہجری = ۵۹۰ء کو پیدا ہوئیں۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ناچاقی کے باعث جدائی ہوگئی۔ اُن کا نام بَرَّۃ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن سے نکاح کر لیا اور اُن کا نام زینب رکھا۔ ۲۰ھ = ۶۴۱ء کو وفات پا گئیں۔

[اسد الغابۃ ۵:۴۴۸، ترجمہ: ۶۹۵۸، الاعلام ۳:۶۶]

(۴) زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔ بچپن میں والدین سے چرا لیے گئے اور غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خریدا اور رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کیا۔ آپ ﷺ نے آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ آپ ﷺ اکثر سرایا میں اُن کو امیر جیش بنایا کرتے تھے۔ ۸ھ = ۶۲۹ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۱:۵۶۳، الاعلام ۳:۵۷]

اگر زینب آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں اُنہیں طلاق دے دوں۔''

اس قسم کی روایتیں ہیں جو مستشرقین کا مایہ اِسناد ہیں، امام ابن جریر نے تاریخ میں اس واقعہ کو حُدِّثْتُ عن محمد بن عمر کے الفاظ میں نقل کی ہے، جس میں دو خامیاں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ روایت اُنہوں نے محمد بن عمر سے خود نہیں سنی بلکہ کسی اور نے محمد بن عمر سے سن کر امام ابن جریر کو سُنائی۔ جس کا نام اُنہوں نے نہیں لیا، کہ معلوم ہو سکے کہ یہی شخص کیسے تھا۔ ثقہ تھا، یا غیر ثقہ؟

دوسری یہ کہ محمد بن عمر جس ہستی کا نام ہے۔ لوگ اُسے واقدی کے نام سے جانتے ہیں، جو کذاب تھا(۱)۔

امام ابن جریر اسے راوی یونس بن عبدالاعلی صدفی سے نقل کرتے ہیں، جو سب کے نزدیک ثقہ ہیں اُن کا استاذ عبداللہ بن وہب بن مسلم قُرشی فہری ہیں، جو بھی ثقہ ہیں، البتہ اُن کے استاذ ابن زید [عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم] ہیں(۲)۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں محدثین کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے والد سے یہ روایت سنی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی؟ کہنے لگا: ہاں!(۳)

امام حاکم فرماتے ہیں: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أحاديثُ موضوعةٌ لَايَخفى عَلَى مَنْ تأمَّلَها مِن أهلِ الصُّنعَةِ أن الحَمْلَ فيها عليه(۴)

---

(۱) امام شافعی واقدی کے بارے میں فرماتے ہیں: اُن کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔ امام احمد بن حنبل اُنہیں کذاب کہتے ہیں۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پر وضع حدیث کے معاملہ میں چار بندے زیادہ مشہور ہیں: مدینہ منورہ میں ابن ابی یحییٰ، بغداد میں واقدی، خراسان میں مقاتل اور شام میں محمد بن سعید۔ حافظ ابوزرعۃ فرماتے ہیں: لوگوں نے واقدی سے روایت لینا چھوڑ دیا ہے۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: اصحاب کتب ستہ نے اُن کی روایت نہیں لی۔ صرف ابن ماجۃ نے اُن کی ایک روایت نقل کی ہے۔ [سیر اعلام النبلاء ۹:۴۶۲-۴۶۳]

(۲) تہذیب الکمال ۱۶:۲۷۷-۲۸۲

(۳) میزان الاعتدال ۲:۵۶۵

(۴) المدخل الی الصحیح: ۱:۱۷۱، ترجمہ: ۹۸

''اس نے اپنے باپ کے نام سے موضوع احادیث نقل کی ہیں' اور اس فن کے جاننے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس کی ساری ذمہ داری عبد الرحمٰن ہی پر ہے۔''

پھر یہ بھی ہے کہ عبد الرحمٰن آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے' اس لیے اصولی طور پر یہ روایت منقطع ہوئی جو مردود ہوتی ہے' اس لیے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ذکر ابن أبی حاتم وابن جرير هاهنا آثاراً عن بعض السلف أحببنا أن نعرض عنها صفحاً لعدم صحتها(۱).

''ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض اسلاف کے زبانی یہاں کچھ آثار نقل کئے ہیں' جس کو ہم نے اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔''

التفسير البغوي = معالم التنزيل

ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد' الفراء' محيي السنۃ' البغوی' محدث' فقیہ اور مفسر تھے۔ ہرات ومرو کے مابین واقع قصبہ بَغا میں ۴۳۶ھ=۱۰۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ فراء[پوستین فروش] کے نام سے شہرت پائی۔ شافعی فقیہ تھے۔ عابد وزاہد اور قانع بزرگ تھے۔ ہمیشہ طہارت اور صفائی میں درس دیا کرتے تھے۔ حدیث میں مَصَابِيحُ السُّنَّةِ اور شَرْحُ السُّنَّةِ کے نام سے بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ۵۱۰ھ =۱۱۱۷ء کو مرو الروذ میں وفات پائی(۲)۔

امام بغوی ایک بڑے مفسر ہیں۔ فن تفسیر میں ان کی کتاب ''مَعَالِمُ التَّنزِيلِ'' مشہور ترین کتاب ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: وله القدمُ الراسخُ في التفسير(۳).

''[امام بغوی] تفسیر میں راسخ القدم ہیں۔''

حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا کہ علامہ زمخشری' علامہ قرطبی اور امام بغوی کی تفسیروں میں کن کی تفسیر بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: أمّا التفاسير الثلاثةُ المسئول عنها فأسلمها من البدعة و الأحاديث الضعيفة: البغويُّ ' لكنه مختصرٌ من تفسير الثعلبي ' وحذف منه الأحاديث الموضوعة' والبدع التي فيه' وحذف أشياء غير ذلك(۴).

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۱:۱۷۱

(۲) وفیات الاعیان ۲:۱۳۶' الاعلام ۲:۲۵۹

(۳) سیر اعلام النبلاء ۱۹:۴۴۱

(۴) مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۷۱

’’ان تینوں میں بدعات اور ضعیف روایات سے زیادہ محفوظ امام بغوی کی تفسیر ہے لیکن تفسیر ثعلبی سے وہ کسی قدر مختصر ہے انہوں نے اس میں سے موضوع احادیث بدعات اور غلط خیالات اور غیر ضروری چیزیں حذف کر دی ہیں۔‘‘

علامہ الاسنوی (۱) لکھتے ہیں: الإمام في التفسير والحديث و الفقه (۲).

’’امام بغوی فقہ حدیث اور تفسیر کے امام تھے۔‘‘

علامہ خازن نے ان کی تفسیر پر کام کیا وہ فرماتے ہیں: لمّا كان كتاب معالم التنزيل من أجل المصنّفاتِ في علم التفسير وأعلاها وأنبلها وأسناها ، جامعاً للصحيح من الأقاويل عارياً عن الشبه والتصحيف و التبديل ، مُحَلّى بالأحاديث النبوية ، مطرزاً بالأحكام الشرعية مُوَشّى بالقصص الغريبة وأخبار الماضيين مرسّعاً بأحسن الإشارات......ولما كان هذاالكتاب كماوصفتُ أحببتُ أن أنتخب مِن غُرَرِ فوائده و دُرَرِ فرائده وزَواهرِ نصوصه و جواهر فصوصه مختصراً جامعاً لمعاني التفسير و لباب التأويل والتعبير حاوياً لخلاصة منقوله متضمناً لنكته وأصوله مع فوائد نقلتها و فرائد لخصتها (۳).

’’فن تفسیر کی کتابوں میں معالم التنزیل ایک بہترین اعلیٰ پاکیزہ اور صحیح اقوال کی جامع کتاب ہے جو شبہ اور تبدیل و ترمیم سے مبرا ہے اور احادیث نبوی سے آراستہ احکام شرعیہ سے پیراستہ اور عجیب و غریب قصے کہانیوں سے پاک ہے اور جب ان تمام خوبیوں سے متصف تھی تو میں نے چاہا کہ اس کی مفید باتوں نادر موتیوں جواہر پاروں اور شگفتہ کلیوں کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ چن لوں۔‘‘

امام بغوی اپنی اس کتاب کے سبب تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) عبدالرحیم بن حسن بن علی اِسنوی شافعی ابو محمد جمال الدین۔ فقہ اصول اور عربی کے ماہر عالم تھے۔ ۷۰۴ھ = ۱۳۰۵ء کو اِسناء میں پیدا ہوئے۔ ۷۲۱ھ کو قاہرہ چلے گئے۔ بیت المال کے وکیل رہے ہیں۔ ۷۷۲ھ = ۱۳۷۰ء کو فوت ہوئے۔ [البدر الطالع ۱:۳۵۲ الاعلام ۳:۳۴۴]

(۲) طبقات الشافعیۃ ۱:۱۰۱ ت: ۱۷۷

(۳) تفسیر الخازن ۱:۳-۴

سألني جماعةٌ من أصحابي المخلصين على اقتباس العلم مقبلين كتاباً في معالم التنزيل و تفسيره، فأجبتهم إليه معتمداً على فضل الله تعالى و تيسيره ممتثلاً وصية رسول الله ﷺ أنه قال: إنَّ رجالاً يأتونكم مِن أقطار الأرض يتفقهون في الدين فإذا أتوكم فاستوصوا بِهم خَيراً. و إقتداءً بالماضيين من السلف في تدوين العلم إبقاءً على الخلق وليس على ما فعلوه مزيد(۱).

''میرے کچھ مخلص دوستوں نے مجھ سے درخواست کی کہ قرآن کی تفسیر میں ایک معلومات افزا کتاب تیار کروں پس میں اللہ تعالیٰ کے فضل اوراس کی توفیق پر بھروسہ کر کے اور نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پرعمل کرتے ہوئے کہ: لوگ تمہارے پاس دور دور سے دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے تم ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا۔ نیز علم کی تدوین اوراس کے بقاء کی جدوجہد میں سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے اس کام کے لیے میں تیار ہو گیا۔''

مزید لکھتے ہیں: جمعتُ بعونِ الله وحسنِ توفيقه فيما سألوا كتاباًمتوسطاً بين الطويل المُمِلِّ والقصيرِ المُخلِّ، أرجو أن يكون مفيداً لمن أقبَلَ على تحصيله مزيداً(۲).

''میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اوراس کی توفیق سے ایک متوسط درجہ کی کتاب تیار کر لی جو اس قدر مفصل نہ تھی کہ پڑھنے والے اکتا جائیں اور نہ اس قدر مختصر کہ مفہوم کا سمجھنا ہی دشوار ہو۔ مجھے امید ہے کہ قارئین اسے مفید پائیں گے۔''

تفسیر کے مآخذ

امام بغوی نے اپنی اس تفسیر میں جن مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا ہے ان کی صراحت کر دی ہے جو زیادہ تر وہی ہیں جن کی خبران کو ان کے شیخ ابوسعید احمد بن محمد الشریحی الخوارزمی نے اپنے شیخ ابو اسحاق بن محمد بن ابراہیم ثعلبی کے واسطے سے ان کو دی ہے۔ انہوں نے اپنی سند تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ مصادر درج ذیل ہیں:

(۱-۲) معالم التنزیل ا:۳)

۔۱:تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ: انہوں نے تین سندوں سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔علی بن ابوطلحہ الوالبی' عطیہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عکرمہ کے واسطے سے۔

۔۲:تفسیر مجاہد بن جبر مکی: اس کے راوی ابن ابی نجیم ہیں۔

۔۳:تفسیر عطاء بن ابی رباح: اس کے راوی ابن جریج ہیں۔

۔۴:تفسیر الحسن بصری اس کی روایت عمرو بن عبید نے کی ہے۔

۔۵:تفسیر قتادۃ: یہ تفسیر انہوں نے دو واسطوں سے نقل کی ہے: ایک شبان بن عبدالرحمٰن نحوی اور دوسرا واسطہ معمر کا ہے۔

۔۶:تفسیر ابی العالیہ رفیع بن مہران الریاحی۔اس کے راوی ربیع بن انس ہیں۔

۔۷:تفسیر محمد بن کعب القرظی: یہ تفسیر ابو معشر کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

۔۸:تفسیر زید بن اسلم: اس تفسیر کی روایت عبداللہ بن وہب نے کی ہے۔

۔۹:تفسیر الکلبی: اسے امام بغوی نے اپنے شیخ ابو عبداللہ محمد بن حسن مروزی سے ماہ رمضان ۴۶۳ھ میں مقام مرو میں پڑھا ہے اور محمد بن مروان کے واسطے سے بیان کیا ہے۔

۔۱۰:تفسیر الضحاک بن مزاحم: اس تفسیر کو بیان کرنے میں عبید بن سلیمان باہلی واسطہ ہیں۔

۔۱۱:تفسیر مقاتل بن حیان: یہ تفسیر ابو معاذ کے واسطہ سے بیان ہوئی ہے۔

۔۱۲:تفسیر مقاتل بن سلیمان: اس تفسیر کے راوی ابوصالح زیدانی ہیں۔

۔۱۳:تفسیر السدی: یہ تفسیر اسباط کے حوالہ سے نقل ہوئی ہے (۱)۔

امام بغوی نے انہی مصادر کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور دوسرے مصادر کی طرف سرسری سا اشارہ کیا گیا ہے۔وہ خود فرماتے ہیں: فهذه أسانيد أكثر مانقلته عن هؤلاء الأئمة وهي مسموعة من طرق سواها'تركتُ ذكرها حذراً من الإطالة (۲).

''جو سندیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ دوسری سندیں بھی ہیں جن کو طوالت کے اندیشے سے درج نہیں کیا گیا ہے۔''

---

(۱) معالم التنزیل ۱:۳-۵ (۲) معالم التنزیل ۱:۵

وہ تفسیریں جن کا ذکر ان کے مصادر کے بیان میں موجود نہیں ہے مگر تفسیر میں ان کے حوالے ملتے ہیں، درج ذیل ہیں:

-ا: تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ: آپ نے اس تفسیر سے کافی استفادہ کیا ہے مثلاً آیتِ کریمہ:

- وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: قال عبد الله بن مسعود: إنَّ من أكبر الذنبِ عند اللهِ أن يقال للعبد: اِتَّقِ الله فيقول: عليك بنفسك (۲).

''سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ جب کسی شخص کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے تو وہ یوں کہے کہ اپنے کام سے کام رکھو۔''

-يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (۳) کے تحت لکھتے ہیں:

قال عبد الله بن مسعود: هو أن يطاع فلا يُعصَى (۴).

''سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا حق تقویٰ یہ ہے کہ اُس کی ایسی اطاعت کی جائے کہ کبھی اُس کی نافرمانی نہ کی جائے۔''

- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (۵) کے تحت سیدنا ابن مسعودؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں: إنا قد سألنا عن ذلك رسولَ اللهِ ﷺ فقال: أرواحهم كطيرٍ خضرٍ، ويُروَى: في جوف طيرٍ خُضرٍ، لها قناديلُ معلَّقةٌ بالعرش تسرحُ من الجنة حيثُ شاء ت ثم تأوي إلى تلك القناديل، فاطَّلَعَ إليهم ربُّهُم اطِّلَاعَةً فقال: هل تشتهون شيئاً؟ قالوا: أيُّ شيئٍ نَشْتَهِي ونحنُ نسرحُ من الجنة حيث شِئنا، ففعل ذلك بهم ثلاث مراتٍ، فلما رأَوْا أنهم لم يُتركوا مِن أن يُسألُوا قالوا: يارَبِّ! نُريدُ أن تَرُدَّ أرواحَنا في أجسادنا حتى نُقتَلَ في سبيلك مرةً أخرَى، فلمَّا رأى أنهم لايَسألون إلَّا هذا تُرِكُوا (۶).

''ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا: اُن کے اَرواح

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۲۰۶ (۲) معالم التنزیل ۱:۱۳۱ (۳) سورۃ آل عمران ۳:۱۰۲
(۴) معالم التنزیل ۱:۲۵۹ (۵) سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹ (۶) معالم التنزیل ۱:۲۹۱

سبز پرندوں کے جسم میں ہوتی ہیں اور اُن کے لیے عرش کے ساتھ ساتھ کچھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، یہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں، وہاں سیر کرتی پھرتی ہیں، پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتی ہیں، اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ ہم جہاں چاہیں سیر کرتے پھرتے ہیں۔ اُن کے رب نے اُن سے تین بار یہی سوال کیا، اُنہوں نے جب دیکھا کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو کہا: ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحیں ہماری جسموں میں لوٹا دے تا کہ ہم تیری راہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھے گا کہ اُن کو کوئی اور حاجت نہیں، تو اُنہیں اُن کی حال پر چھوڑ دے گا(۱)۔''

– فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال عبد الله بن مسعود: العسلُ شفاءٌ من كل داءٍ، والقرآن شفاءٌ لما في الصدور. ورُوِيَ عنه أنه قال: عليكم بالشفائين: القرآن و العسلُ (۳).

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہد ہر جسمانی مرض کی دوا ہے اور قرآن ہر روحانی مرض کی دوا ہے، نیز انہی سے روایت ہے کہ شفا دینے والی دو چیزوں کو لازم کرلو: ایک قرآن مجید اور دوسرے شہد۔''

–۲: تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: بہت سے مقامات پر اس تفسیر کے حوالے بھی ہیں، مثلاً:

– وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۴) ''اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔''

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَن لم يستعزَّ بعزِّ اللهِ تَقَطَّعَت نفسه حسرات، ومَن يتبع بصره فيما في أيدي الناس بطل حزنه، و مَن ظَنَّ أنَّ نعمة اللهِ في مطعمه ومشربه وملبسه فقد قلَّ عمله وحضر عذابه (۵).

---

(۱) یہ صحیح مسلم ۳: ۱۵۰۲–۱۵۰۳، کتاب الامارة [۳۳] باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون [۳۳] حدیث: ۱۲۱–[۱۸۸۷] کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) سورۃ النحل ۱۶: ۶۹ (۳) معالم التنزیل ۳: ۶۲ (۴) سورۃ طٰہٰ ۲۰: ۱۳۱ (۵) معالم التنزیل ۳: ۱۹۹

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت سے مطمئن نہ ہو گا حسرتیں اسے پامال کر دیں گی اور جو شخص لوگوں کے مال و دولت کو حسرت آمیز نگاہ سے دیکھے گا اس کو غم لاحق ہو گا اور جو شخص خیال کرے گا کہ اللہ کی نعمت صرف اسے لباس اور کھانے پینے کی چیزیں دینے میں ہے تو اس کا عمل کم ہو جائے گا اور وہ مصیبت سے دوچار ہو گا۔''

۔۳: تفسیر طبری: اس تفسیر سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے اگر چہ اس کی مثالیں کم ہیں مثلاً آیت:

فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْراً (۱).

''تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور سحر زدہ ہے۔''

اس آیت کے تحت امام بغوی لکھتے ہیں: محمد بن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ:

معطي علم السحر ‘فهذه العجائب التي تفعلها من سحرك (۲).

''مَسْحُوْراً کا مطلب علم سحر سے واقف شخص ہے کہ یہ غیر معمولی اور انوکھے واقعات آپ کی سحر کاری کا نتیجہ ہیں۔''

۔۴: تفسیر الواقدی: آپ نے اس تفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً آیت:

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۳).

''جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ساری باتوں کو سنتا اور وہ نہایت باخبر ہے۔''

کے ذیل میں آپ فرماتے ہیں: قال مجاهد و الكلبي و الواقدي: غدا رسول الله ﷺ من منزل عائشةَ رضي الله عنها يمشي على رِجليه إلى أُحُدٍ فجعل يصف أصحابه للقتال كما يقوم القدح (۴).

''مجاہد، کلبی اور واقدی کے بقول رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان سے اُحد کی طرف پیدل روانہ ہوئے اور آپ صحابہ کی صف بندی کر رہے تھے جیسے کہ تیر سیدھی کی جاتی ہے۔''

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۱۰۱ (۲) معالم التنزیل ۳:۱۱۶، ابن جریر ۸:۱۵۸

(۳) سورۃ آل عمران ۳:۱۲۱ (۴) معالم التنزیل ۱:۲۷۰

امام بغوی کی تفسیر میں ائمہ لغت کے بہت سے اقوال کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں پر مختصر طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

[۱] الخلیل بن احمد (۱) - آیتِ کریمہ: يَقُولُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ (۲) کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

وقال الخليل: وَيَ مفصولةٌ مِن كَأَنَّ ومعناها التعجب كما تقول: وَيْ لِمَ فَعلتَ، ذلكَ، وذلك أن القوم تَنَدَّمُوا فقالوا: وَي متندمين على ماسلف منهم (۳).

''خلیل کے بقول ''وَیْ، کَاَنَّ'' سے مفصولہ ہے جس کے معنی تعجب، افسوس اور ندامت کے ہیں جیسا کہ وَيْ لِمَ فَعلتَ ذلكَ کہتے ہیں۔ قوم کو جب اپنے فعل پر ندامت ہوئی تو اُنہوں نے ایسا کہا (۴)۔''

[۲] الکسائی (۵) - آیتِ کریمہ: وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فراہیدی اَزدی یحمدی ابوعبدالرحمٰن، لغت وادب کے امام اور علم عروض کے واضع ہیں۔ ۱۰۰ھ = ۷۱۸ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ بہت صبر و برداشت سے فقر و غربت کی زندگی بسر کی۔ سر سے ننگے رہتے، بدہیئت تھے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے۔ کبھی سفر نہیں کی۔ تنہائی پسند تھے۔ لوگوں میں اُن کی کوئی شہرت نہیں تھی۔ امام سیبویہ کے استاذ محترم تھے۔ علم الحساب کو سہل ترین بنانے کی دھن میں لگے ہوئے مسجد کے اندر داخل ہوئے، جہاں ایک ستون سے ٹھکرائے، جو اُن کے موت کا سبب بنی۔ ۱۷۰ھ = ۷۸۶ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۲: ۲۴۴، الاعلام ۲: ۳۱۴]

(۲) سورۃ القصص ۸۲:۲۸

(۳) معالم التنزیل ۳: ۳۹۳

(۴) وَيْ كَاَنَّ میں وَیْ تنبیہ کا کلمہ ہے جس طرح ہم اپنی زبان میں ارے کہتے ہیں اس طرح عربی میں وَیْ ہے اس کے ساتھ جب كَاَنَّ یا كَاَنَّ مل جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ارے! یہ تو گویا کہ وہی بات ہوئی۔

[تدبر قرآن ۵: ۲۱۳]

(۵) علی بن حمزہ بن عبداللہ اسدی بالولاء، کوفی، ابوالحسن، کسائی۔ لغت، نحو اور قراءت کے امام ہیں۔ کوفہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ بڑی عمر میں علم نحو حاصل کیا۔ بغداد میں رہائش اختیار کی۔ ۱۸۹ھ = ۸۰۵ء کو ۷۰ سال کی عمر میں ''رے'' میں وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۱۱: ۴۰۳، الاعلام ۴: ۲۸۳]

(۶) سورۃ بنی اسرائیل ۱۲:۱۷

قال الكسائي: تقولُ العربُ: أبصر النهارُ: إذا أضاء ت بحيث يُبصَرُ بها [(۱)].

''کسائی نے فرمایا کہ اہل عرب کے یہاں أَبْصَرَ النَّهارُ کا اطلاق دن کے روشن ہو جانے پر ہوتا ہے۔''

[۳] ابن کیسان [(۲)] – آیت کریمہ: وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ [(۳)] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال ابن كَيْسَان: اَلْعَصْفُ كلُّ شيئ يخرج منه الحبُّ يبدو أوّلاً ورقاً وهو العصف ثم يكون سوقاً ثم يُحدِثُ الله فيه أكماماً ثم يُحدِثُ من الأكمام الحَبَّ [(۴)].

''ابن کیسان نے کہا کہ اَلْعَصْفُ پتے کو کہتے ہیں۔ ہر وہ شے جس سے دانہ نکلتا ہو اس میں پہلے پتہ ہی ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا تنا سامنے آتا ہے اور اخیر میں شگوفے بنتے ہیں پھر اس میں چھلکے نکلتے ہیں۔''

[۴] زجاج [(۵)] – آیت کریمہ: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ [(۶)] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال الزجاج: الرفثُ كلمةٌ جامعةٌ لكل مايريده الرجالُ من النساءِ [(۷)].

''الزجاج نے کہا کہ اَلرَّفَثُ ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی ہر وہ کام ہے جسے آدمی اپنی بیوی سے انجام دیتا ہے۔''

[۴] ثعلب – آیت کریمہ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

(۱) معالم التنزیل ۳: ۸۹

(۲) محمد بن احمد بن ابراہیم ابوالحسن المعروف با بن کَیْسان'۔ لغت اور نحو کے ماہر عالم تھے۔ بغداد سے تعلق تھا۔ مبرد اور ثعلب کے شاگرد رہے ہیں۔ ۲۹۹ھ = ۹۱۲ء کو وفات پائی۔ [معجم الادباء ۱۷: ۱۳۷' الاعلام ۵: ۳۰۸]

(۳) سورۃ الرحمٰن ۵۵: ۱۲

(۴) معالم التنزیل ۴: ۲۴۴

(۵) ابراہیم بن سری بن سہل ابواسحاق' زجاج' ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ نحو اور لغت کے ماہر عالم تھے۔ شیشہ گری کا کام کرنے کی وجہ سے زَجَّاجْ کہلائے۔ مبرد سے علم نحو سیکھا۔ بغداد میں ۳۱۱ھ = ۹۲۳ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱: ۴۹-۵۰' الاعلام ۱: ۴۰]

(۶) سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۷

(۷) معالم التنزیل ۱: ۱۱۱

وقال ثعلب من الكوفيين:هو من الوسم و السِمَةِ وهي العلامةُ و كأنه علامةٌ لمعناه و علامة للمسَمَّى (١).

"کوفی علماء میں سے ثعلب نے فرمایا: اِسْمٌ کا لفظ وَسمٌ اور اَلسِمَةُ سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ گویا یہ اپنے معنی کی بھی علامت ہے اور مسمّٰی کی بھی علامت ہے۔"

تفسیر کا منہج

امام بغوی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تین فصلیں قائم کی ہیں۔

- پہلی فصل: قرآن مجید کی تعلیم اور اُس کی فضیلتوں کے بارے میں ہے اور اس کے آغاز میں یہ حدیث درج ہے: خَیرُکُم مَّنْ تَعلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهٗ (٢).

"تم میں بہتر وہ ہے جو خود قرآن مجید سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔"

- دوسری فصل: تلاوت قرآن مجید کے فضائل کے بارے میں ہے اور اس فصل کی پہلی حدیث یہ ہے: الماهرُ بالقرآن مع السَّفرَة الكِرام البَرَرَة. و الذي يقرأ القرآن و يتَتَعْتَعُ فيه و هو عليه شاقٌّ له أجران (٣).

"قرآن مجید کا ماہر، نیک کار ملائکہ کی مجلس میں ہوگا اور جو شخص قرآن بمشکل مشقت کے ساتھ پڑھتا ہے اُسے دوہرا اجر ملے گا۔"

- تیسری فصل: بغیر علم کے تفسیر بالرائے کرنے والے شخص کے بارے میں آنے والی وعیدوں کے سلسلہ میں ہے۔

---

(١) معالم التنزیل ١٢:١

(٢) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن [٦٦] باب: خَیرُکُم مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهٗ [٢١] حدیث: ٥٠٢٧.

(٣) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا [٦] باب فضل الماہر بالقرآن والذی یتتعتع فیہ [٣٨] حدیث: ٢٤٤- [٧٩٨-

تفسیر کا عمومی انداز

- سب سے پہلے امام بغوی ہر سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ بتاتے ہیں پھر یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ مکی سورۃ ہے یا مدنی اسی طرح مدنی سورتوں میں مکی آیات یا مکی سورتوں میں مدنی آیات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں اور اس کے بارے میں مفسرین کے اختلافات کا ذکر کرتے ہیں۔ آیتوں کی تعداد بتاتے ہیں اور آخر میں اس سورۃ سے متعلق احادیث میں وارد فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے

- امام بغوی تفسیرِ قرآن مجید کے معاملہ میں قرآن مجید کو اکثر مقامات پر رہنما بناتے ہیں اور ایک آیت کی وضاحت کے لیے دوسری آیت سے بھی مدد لیتے ہیں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

[۱] سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں اسم کے معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

الإسم هو المسمّى وعينه وذاته، قال الله تعالى: إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اسْمُهُ يَحْيٰى (۱) أخبر أن اسمه يحيٰى ثم ناداه بالإسم فقال: يٰيَحْيٰى (۲) وقال: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا (۳) وأراد: الشخصيات المعبودة، لأنهم كانوا يعبدون المسميات وقال: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (۴) وقال: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ (۵)(۶)

''اسم جو کہ مسمّیٰ ہے وہ اس کا عین بھی ہے اور ذات بھی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا اور دوسری آیت میں انہیں یٰیَحْیٰی سے [یعنی اسی اسم سے] مخاطب بھی کیا اسی طرح مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا میں اسماء سے مراد معبود شخصیات ہیں اس لیے کہ کافران شخصیات کو پوجتے تھے اسی طرح تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ میں بھی اسم کے معنی مسمّٰی ہی کے ہیں۔''

---

(۱) سورۃ مریم ۱۹:۷ (۲) سورۃ مریم ۱۹:۱۲

(۳) سورۃ یوسف ۱۲:۴۰ (۴) سورۃ الرحمٰن ۵۵:۷۸

(۵) سورۃ الاعلیٰ ۸۷:۱ (۶) معالم التنزیل ۱:۱۱

[۲]وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱) کی تفسیر میں امام بغوی فرماتے ہیں:

وَيَمُدُّهُمْ :يترُكُهُم ويُمهِلُهُم، والمَدُّ والإمدادُ واحِدٌ، وأصله الزيادة إلّاأنّ المدّ كثيراً ماياْتي في الشر، والإمدادُفي الخير،قال الله في المد:وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (۲) وقال في الإمداد:وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (۳) وقال:وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ (۴)(۵)

''وَيَمُدُّهُمْ کا مطلب يَتْرُكُهُم وَيُمهِلُهُم ہے یعنی وہ انہیں چھوڑ دے گا اور انہیں ڈھیل دے گا اَلْمَدُّو الإمْدَادُ دونوں ایک ہی ہیں جس کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ مَدٌّ کا استعمال عام طور سے شر [مصیبت اور برائی] کے سیاق میں ہوتا ہے اور اِمْدَادٌ کا استعمال خیر [بھلائی] کے پہلو سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَنُمِدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا اور امداد کا استعمال اس طرح ہے:وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ۔''

[۳]يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (۶) کے ذیل میں لکھتے ہیں:بكتابهم الذي فيه أعمالهم بدليل سياق الآية : فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ و يُسَمَّى الكتابُ إماماً كماقال عزوجل:وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۷)(۸)

''یہاں امام سے مراد کتاب یعنی نامہ اعمال ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔''

-امام بغوی کی تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض واشکال کو واضح اور آسان انداز میں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (۹)

''اور ہم انہیں قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اندھا، بہرہ اور گونگا بنا کر اٹھائیں گے۔''

اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:فإن قيل: كيف وصفهم بأنهم عُميٌ وبُكمٌ وصُمٌّ و

---

(۱)سورۃ البقرۃ ۲:۱۵ (۲)سورۃ مریم ۱۹:۷۹ (۳)سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۶

(۴)سورۃ الطور ۵۲:۲۲ (۵)معالم التنزیل ۱:۲۴ (۶)سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۷۱

(۷)سورۃ یٰس ۳۶:۱۲ (۸)معالم التنزیل ۳:۱۰۳ (۹)سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۹۷

قد قال: وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ(۱) وقال: سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظاً وَّزَفِيراً (۲) وقال: دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْراً (۳) أثبت الرؤية والكلامَ والسمع ؟ قيل: يُحشرونَ على ما وصَفهم الله ثم تُعادُ إليهم هذه الأشياء . وجوابٌ آخر: قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: عمياً لايرون مايسرُّهُم بكماً لا ينطقون بحجةٍ، صُمّا لايسمعون شيئاً يسرُّهم (۴).

''اگر یہ اشکال پیش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کو ان صفات سے کیسے متصف کیا حالانکہ سورۃ الکہف [۱۸:۵۳] میں ہے کہ: ''مجرم آگ کو دیکھیں گے۔'' سورۃ الفرقان [۲۵:۱۲] میں ہے کہ ''وہ اس جہنم کی غضب ناکی اور جوش کی آوازیں سنیں گے۔'' اور سورۃ الفرقان [۲۵:۱۳] میں ہے کہ ''وہ اس وقت ہلاکت ہلاکت پکاریں گے۔'' ان آیتوں سے اہل جہنم کی بینائی، گویائی اور سماعت تینوں ثابت ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پہلے اسی حال میں اٹھائے گا جس کا ذکر پہلی آیت میں ہوا ہے۔ بعد میں ان کی وہ کیفیت ہو جائے گی جن کا ذکر آخری تین آیتوں میں ہوا ہے۔ اس کا ایک اور جواب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیا ہے کہ عُمْیًا سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی خوش کن منظر نہ دیکھ سکیں گے جب کہ بُکْمًا سے مراد یہ ہے کہ وہ دلیل و حجت کے ساتھ بات نہ کر سکیں گے اور صُمًّا سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی مسرت آمیز بات نہ سن سکیں گے۔''

- قرآن مجید میں درج ذیل آیات بظاہر آپس میں متضاد نظر آتی ہیں:

پہلی آیت ہے: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (۵).

دوسری آیت ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (۶).

تیسری آیت ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ (۷).

چوتھی آیت ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (۸).

امام بغوی نے درج بالا آیتوں کے بارے میں لکھا ہے: كيف وجه التوفيق بين هذه الآيات؟

---

(۱) سورۃ الکہف ۱۸:۵۳ (۲) سورۃ الفرقان ۲۵:۱۲ (۳) سورۃ الفرقان ۲۵:۱۳
(۴) معالم التنزیل ۳:۱۱۴ (۵) سورۃ الصافات ۳۷:۵ (۶) سورۃ الرحمٰن ۵۵:۱۷
(۷) سورۃ المعارج ۷۰:۴۰ (۸) سورۃ المزمل ۷۳:۹

قيل:أماقوله : رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ أراد به جهة المشرق وجهة المغرب.وقوله : رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ أراد مشرق الشتاء ومشرق الصيف،وأراد بالمغربين: مغرب الشتاء و مغرب الصيف. و قوله : بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ أراد الله أنه خلق للشمس ثلاثمائة وستين كوةً في المشرق و ثلاثمائة و ستين كوةً في المغرب على عدد أيام السَّنَةِ، تطلع الشمس كل يوم من كُوَّةٍ منها وتغرب في كُوَّةٍ منها،لاترجع إلى الكُوَّةِ التي تطلع الشمس منها من ذلك اليوم إلى العام المقبلِ، فهي المشارق والمغارب . و قيل: كل موضع شرقت عليه الشمس فهو مشرقٌ و كل موضع غربت عليه الشمس فهومغربٌ،كأنه أرادَ:ربُّ جميع ماشرقت عليه الشمس و غربت.(۱)

”رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ سے مشرق اور مغرب کی سمت مراد ہے۔رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ سے سردی اور گرمی کے مقام طلوع وغروب مراد ہیں جب کہ مشارق ومغارب کے رب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے لیے تین سو ساٹھ راستے [روشن دان] مشرق میں اور اتنے ہی راستے [روشن دان] مغرب میں سال کے دنوں [یعنی:۳۶۰] کے برابر بنا رکھے ہیں اور ہر دن سورج ایک نئے راستے [روشن دان] سے طلوع ہوتا ہے اورس طرح ایک نئے راستے [روشن دان] پر غروب ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں سورج طلوع ہو وہ مشرق ہے اسی طرح جہاں غروب ہو وہ مغرب ہے گویا اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور جن پر غروب ہوتا ہے۔“

احادیث نبویہ سے قرآن مجید کی تفسیر

امام بغوی نے آیتوں کے معانی اور مفاہیم کی وضاحت کے لیے احادیثِ نبویہ سے بھی خصوصی مدد لی ہے یہ ان کا امتیازی وصف ہے خود انہوں نے مقدمہ میں اس کی بھی وضاحت کردی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:وَماذَكرتُ مِن أحاديث رسول الله ﷺفي أثناء الكتاب على وِفاق آيةٍأو بيان

(۱) معالم التنزیل ۴:۱۹

حکمٍ ‘فإنَّ الکتاب یطلبُ بیانه من السُّنّة ‘وعلیهما مدار الشرع وأمور الدین ‘ فهي من الکتب المسموعة للحفاظ و أئمة الحدیث ‘ و أعرضتُ عن ذکر المناکیر و ما لایلیق بحال التفسیر(۱).

’’میں نے کسی آیت کی تفسیر یا حکمِ شرعی کی توضیح میں جہاں کہیں احادیث درج کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابِ الٰہی کی وضاحت وصراحت کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ کتاب اللہ کی توضیح وتفسیر سنت سے طلب کی جاتی ہے۔ شریعت اور امورِ دین کا انحصار ان دونوں [قرآن مجید اور سنت] ہی پر ہے۔ میں نے احادیث نبویہ کو معتبر حفاظِ حدیث سے اخذ کیا ہے اور منکر اور غیر متعلق روایات سے اِحتراز کیا ہے(۲)۔‘‘

---

(۱) معالم التنزیل ۱:۶

(۲) افسوس! کہ اس کا پورا پورا لحاظ نہیں کیا گیا اور تفسیر میں کئی بے بنیاد روایتیں درآئیں جیسے:

-۱: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا سبب ہے کہ آپ نے سورۃ التوبۃ کو سورۃ الانفال سے علیحدہ تو کر لیا ہے مگر اس کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو نہیں لکھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ سورۃ الانفال ہجرت کے تقریباً فوراً بعد نازل ہوئی اور سورۃ براءۃ مدنی زندگی کے بالکل اخیر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ سے ہم پوچھ نہ سکے اسے ہم کس سورۃ کے آگے پیچھے لگادیں۔ اب ان دونوں سورتوں کا مضمون بالکل ایک جیسا ہے اس لیے ہم نے ایک دوسرے کے بعد ان دونوں سورتوں کو لکھا اور ان کے درمیان بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں لکھا۔ [معالم التنزیل ۲:۲۲۴]

یہ سنن ابی داوٗد‘ کتاب الصلوٰۃ [۲] باب من جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم [۱۲۵] حدیث: ۷۸۶‘ سنن ترمذی کتاب تفسیر القرآن [۴۸] تفسیر سورۃ التوبۃ [۱۰] حدیث: ۳۰۸۶‘ مسند احمد ۱: ۵۷‘ ۶۹‘ المستدرک ۲: ۲۲۱‘ ۲۳۰‘ الاحسان ۱: ۲۳۰‘ حدیث: ۴۳ کی روایت ہے۔ جس کے بارے میں استاذ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں: في إسناده نظرٌ کثیرٌ‘ بل هو عندي ضعیفٌ جداً‘ بل هو حدیثٌ لا أصل له‘ یدور إسناده في کل روایاته علی یزید الفارسي ویزیدالفارسي هذااختلف فیه......وهویکاد یکون مجهولاً‘ ویذکره البخاري في الضعفاء‘ فلایقبل منه مثل هذاالحدیث ینفرد به‘ وفیه تشکیكٌ في معرفة سورالقرآن‘ الثابتة بالتواتر القطعي ‘قراءةً و سماعاً و کتابةً في المصاحف‘ وفیه تشکیكٌ في اثبات البسملة في أوائل السور‘ کأنَّ عثمان کان یثبتها برأیه وینفیها برأیه‘ و حاشاه من ذلك‘ فلاعلینا إذاً قلنا إنه حدیثٌ لاأصل له.

[شرح مسند احمد ۱: ۳۳۲-۳۳۳‘ بذیل حدیث: ۳۹۹]

......

......''اس کی سند میں بہت طویل کلام ہے۔میرے نزدیک یہ روایت شدید ضعیف بلکہ بالکل بے اصل ہے‘اس کا سارا دارومدار یزید الفارسی پر ہے جو مجہول ہے جو اس روایت کو نقل کرنے میں منفرد ہے۔امام بخاری نے الضعفاء میں اُن کا تذکرہ کیا ہے‘اس لیے جس روایت میں وہ منفرد ہے‘ قابلِ قبول نہیں‘نیز قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے اور اس کا محفوظ رہنا یقینی اور قطعی ہے جب کہ یہ روایت اس قطعی الثبوت کتاب میں شک وایہام پیدا کرنے کا سبب ہے۔اس روایت سے سورتوں کی ابتداء میں بسم اللہ لکھنے کے بارے میں یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ گویا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے بعض سورتوں میں بسم اللہ کو لکھ لیتے ہیں اور بعض میں نہیں لکھتے‘ حالانکہ وہ ایسا کرنے سے کوسوں دور ہیں‘اس لیے ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ یہ روایت بے اصل ہے اور اس بارے میں ہم بالکل ملامت نہیں ہیں۔''

مفسر قرطبی فرماتے ہیں:والصحیح أن التسمیة لم تکتب‘لأن جبریل علیہ السلام مانزل بها في هذه السورة قاله القشیري .[تفسیر القرطبی ۸:۶۰‘تفسیر سورۃ البراءۃ ۹:۱‘البرہان فی علوم القرآن ۱:۲۶۳]

''اس سورۃ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہ لکھنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل نہیں ہوئی تھی‘ یہ بات امام قشیری نے فرمائی ہے۔''

۲-وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا[سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۲۹] کے تحت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:ایک بچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے استدعاء کی کہ اپنی زرہ اسے پہنائیں اس وقت اُن کی ایک ہی قمیص تھی جسے آپ ﷺ اوڑھے ہوئے تھے۔آپ نے اس سے فرمایا:ابھی تو ظہر ہونے والی ہے کچھ دیر بعد آجانا۔بچہ اپنی ماں کے پاس آیا اور آپ ﷺ کا ارشاد اسے سنایا اور واپس آکر کہنے لگا:میری والدہ آپ سے استدعاء کرتی ہے کہ جو زرہ آپ نے پہنی ہے‘وہی مجھے دیجیے۔آپ نے اندر جاکر قمیص اُتار کر بچے کو دے دیا اور خود گھر کے اندر بغیر قمیص کے بیٹھ گئے۔اتنے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور جب آپ ﷺ بروقت نماز کے لیے نہیں نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اندر جاکر دیکھا کہ آپ کے پاس قمیص نہیں ہے اُس وقت درج بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔''[معالم التنزیل ۳:۹۳]

اس آیت کا سبب نزول ان کتابوں میں بھی موجود ہے:اسباب النزول‘واحدی:۵۷۵‘روایت:۲۹۲‘زادالمسیر‘ ابن جوزی ۳:۲۱‘روایت:۸۹۴‘تفسیر قرطبی ۱۰:۲۲۰‘روایت:۴۰۱۶‘اسباب النزول‘سیوطی:۱۴۷‘روایت:۶۴۴

یہ روایت شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا ایک راوی سلیمان بن سفیان جہنی ہے جس کے بارے میں حافظ ابوزرعۃ فرماتے ہیں کہ اس نے عبداللہ بن دینار سے تین روایتیں نقل کی ہیں جو ساری کی ساری منکر ہیں۔

[میزان الاعتدال ۲:۲۰۹‘ترجمہ:۳۴۷۰]

اس کا ایک راوی قیس بن ربیع ہے جو صدوق ہونے کے ساتھ سوءِ حفظ کا شکار تھے۔کثیر الخطأ تھے۔منکر الحدیث اور متروک تھے۔[میزان الاعتدال ۳:۳۹۳‘ترجمہ:۶۹۱۱] ......

.....اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :لَم أجدہٗ. [الکافی الشاف ۲:۶۲۲] ''یہ روایت مجھے نہیں ملی۔''
اس قسم کے الفاظ کے بارے میں علامہ ابن عراق لکھتے ہیں :أن الحفاظ الذین ذکرهم وأضرابهم إذاقال أحدهم في حدیث: لاأعرفه' أو: لاأصل له' کفی ذلك في الحکم علیه بالوضع.
[تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ۱:۸]
''جن حفاظ کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے [جیسے :امام احمد' امام علی المدینی' امام یحییٰ بن معین' امام بخاری' امام ابوحاتم' امام ابوزرعۃ' امام نسائی اور امام دارقطنی وغیرہ] کا کسی روایت کے بارے میں لاأعرفه یا لاأصل له کے الفاظ بولنا اس روایت کے موضوع ہونے کی پوری دلیل ہے۔''
– سورۃ الانبیاء ۲۱:۹۸: اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ کے تحت لکھتے ہیں :ابن زبعری نے نے یہ آیت پیش کر کے پوچھا: یہود سیدنا عزیر علیہ السلام کی' نصاریٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اور بنو ملیح ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ تو شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور پھر ابن زبعری کے بارے میں سورۃ الزخرف کی آیت [۵۸] نازل ہوئی :مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ [معالم التنزیل ۳:۲۲۷]
اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :وھو شیئٌ لا أصل له' ولا یوجدُ' لامسنداً ولا غیر مسند. [تخریج احادیث الکشاف ۳:۱۳۶]
''یہ ایک بے اصل چیز ہے۔[حدیث کی کسی کتاب میں] نہ باسند ملتی ہے اور نہ بلاسند۔''
اور علامہ خفاجی مصری' حنفی لکھتے ہیں :والوضع علیه ظاهرٌ' والعجب ممن نقله من المحدثین.
[حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی ۶:۲۷۳-۲۷۴]
''اس پر وضع کے آثار ظاہر ہیں اور اُن محدثین سے تعجب ہے جنہوں نے اسے نقل کیا ہے۔''
کوئی قاری یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ ابن الزبعری کون تھا؟ آیئے میں آپ کو بتادوں کہ یہ کون ہیں' سو یہ ہیں سیدنا عبداللہ بن زبعری بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص قرشی سہمی رضی اللہ عنہ۔ شاعر تھے۔ ابتداء میں اسلام کے شدید مخالف تھے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔
[الاستیعاب :۴۵۰-۴۵۲' ترجمہ: ۱۵۶۰' اسد الغابۃ ۳:۵۸-۵۹' ترجمہ: ۲۹۴۷]
– سورۃ القصص ۲۸:۲۸ کے تحت لکھتے ہیں :سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ سیدنا شعیب علیہ السلام اتنا روئے کہ اُن کی نظر جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شفایاب کیا پھر اتنا روئے کہ اُن کی نظر جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شفایاب کیا پھر اتنا روئے کہ اُن کی نظر جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شفایاب کیا اور اُن سے پوچھا: جنت کی شوق میں روتے ہو یا جہنم سے خوف کے سبب؟ آپ نے فرمایا: تیری ملاقات کے شوق میں روتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وحی کی: شعیب! خوش رہو اور اس لیے تو میں نے تمہیں موسیٰ علیہ السلام کا مخدوم .....

...... بنالیا۔'' [معالم التنزیل ۳:۳۸۰-۳۸۱]
یہ روایت شدید ضعیف ہے۔اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد ۶:۳۱۵ میں اسماعیل بن علی استرابازی کے حوالے سے نقل کر کے اس راوی کے بارے میں لکھا ہے: روایت حدیث کے سلسلے میں ثقہ نہیں۔
[تاریخ بغداد ۶:۳۱۶]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: یہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔[میزان الاعتدال ۱:۲۳۹، ترجمہ:۹۲۰]
پھر یہ بھی ہے کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ شیخ مدین شعیب علیہ السلام نہیں تھے اس لیے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا شعیب علیہ السلام کا زمانہ سیدنا موسی علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے جن کے درمیان صدیاں گزر چکی ہیں۔
قرآن مجید کہتا ہے کہ سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:
وَمَاقَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ. [سورۃ ہود ۱۱:۸۹]
''اور قومِ لوط [علیہ السلام کا معاملہ] تم سے کچھ دور نہیں ہے۔''
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقد كان هلاك قوم لوط في زمن الخليل علیہ السلام بنص القرآن، وقدعلم أنه كان بين الخليل وموسى عليهما السلام مدةً طويلةً تزيدعلى أربع مائة سنةٍ كماذكره غيرواحد.
[تفسیر ابن کثیر ۱۰:۴۵۲، بذیل تفسیر سورۃ القصص ۲۸:۲۵]
''قرآن مجید کے مطابق قومِ لوط علیہ السلام کی ہلاکت کا زمانہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا موسی علیہ السلام کے مابین کا زمانہ چار سو سال سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے کہا ہے۔''
حافظ ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں: ثم من المقوي لكونه ليس بشعيب علیہ السلام أنه لو كان إياه لأوشك أن ينص على إسمه في القرآن هاهنا. [تفسیر ابن کثیر ۱۰:۴۵۲، بذیل تفسیر سورۃ القصص ۲۸:۲۵]
''اس قول کی تائید کے لیے یہ دلیل بھی قوت رکھتی ہے کہ اگر صاحبِ موسی شعیب علیہ السلام ہوتے تو قرآن مجید اس مقام پر ضرور اُن کے نام کی تصریح کرتا اور اُسے مجمل اور مبہم نہ چھوڑتا۔''
حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ليس هو شعيباً علیہ السلام كمايظنه بعض الغالطين، بل علماء المسلمين من السلف وأهل الكتاب يعرفون أنه ليس شعيباً علیہ السلام. [مجموع الفتاوی ۲۰:۱۹۷]
''شیخ مدین سیدنا شعیب علیہ السلام نہیں ہیں، جیسا کہ بعض علماء سے تسامح ہوا ہے۔اہلِ اسلام کے اسلاف اور اہلِ کتاب کے علماء اس سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ شخص سیدنا شعیب علیہ السلام نہیں تھے۔''
ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ولم يُذكر عن هذاالشيخ أنه كان شعيباً علیہ السلام ولا أنه كان نبياً، ولا نُقِل عن أحدٍ من الصحابة أن هذاالشيخ الذي صاهَرموسى علیہ السلام كان شعيباً علیہ السلام النبي، لاعن ابن عباس رضی اللہ عنہ ولا غيره، بل المنقول عن الصحابة أنه لم يكن هو شعيب علیہ السلام. [جامع الرسائل ۱:۶۱]
......

امام بغوی کی تفسیر میں احادیث نبوی بکثرت نقل ہوئی ہیں اور ان میں اکثر احادیث کے ساتھ وہ اپنی سند بھی نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیت: وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (1) کے ذیل میں

.....''قرآن مجید میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ یہ شیخ شعیب علیہ السلام تھے اور نہ کہیں یہ مذکور ہے کہ یہ شیخ نبی تھے، بلکہ اہلِ کتاب کے نزدیک بھی شیخ نبی نہیں تھے، کسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ کہیں بھی مذکور نہیں کہ سیدنا موسی علیہ السلام کے خسر سیدنا شعیب علیہ السلام تھے، یہ روایت نہ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے اور نہ کسی اور صحابی کی، بلکہ صحابہ سے تو یہ ثابت ہے کہ مذکورہ شیخ شعیب علیہ السلام نہیں تھے۔''

امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وهذا ممالايدرك علمه إلّا بخبر، ولا خبر بذلك تجب حجته، فلاقول في ذلك أولى بالصواب مماقاله الله. [تفسیر ابن جریر ۱۰:۶۱، تفسیر ابن کثیر ۱۰:۴۵۲]

''نام کی تصریح کا یہ معاملہ حدیث کے بغیر طے نہیں ہوسکتا اور اس سلسلہ میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے جو حجت اور دلیل بن سکے، پس اس سلسلہ میں بہتر قول وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے، یعنی: نام کے تعین کے بارے میں سکوت۔''

– إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ [سورۃ العنکبوت ۲۹:۴۵] کے تحت لکھتے ہیں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انصار میں سے ایک جوان تھا جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں پنج وقتہ نماز پڑھا کرتا تھا مگر کسی بھی فحش کام سے نہیں رُکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اُس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: اُس کی نماز ایک روز اسے روکے گی۔ کچھ روز بعد اُس کی حالت سدھر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اُس کی نماز ایک روز اسے روکے گی؟''

اس روایت کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر نے لَمْ أَجِدْهُ کے الفاظ لکھے ہیں۔ [الکافی الشاف ۳:۴۵۶]

– وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ [سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۷] کے تحت لکھتے ہیں: إن رسول الله ﷺ أتى زيداًيوماً لحاجةٍ فأبصرزينب قائمةً في درعٍ وخمارٍ و كانت بيضاء جميلةً ذاتَ خُلقٍ من أتم نساء قريش فوقعت في نفسه وأعجبه حسنهافقال: سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ. [معالم التنزیل ۳:۴۵۸]

''رسول اللہ ﷺ ایک روز اپنے کسی کام کے سلسلے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے ملنے اُن کے گھر گئے، وہ گھر پر موجود نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو خوب صورت لباس میں ملبوس دیکھا اُن کا شمار قریش کی حسین ترین عورتوں میں ہوتا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے دل میں کُھب گئی اس پر آپ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ.

اس روایت کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ امام بغوی نے اس کی کوئی سند نہیں لکھی۔ یہ بالکل وہی بات ہے جس کا ذکر امام ابن جریر کی تفسیر کے تحت ہو چکا ہے۔

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۲۵

لکھتے ہیں: مجھ سے عبدالواحد الملیحی نے ان سے احمد بن عبداللہ النعیمی نے ان سے محمد بن یوسف نے ان سے محمد بن اسماعیل نے ان سے علی بن عبداللہ نے ان سے جریر نے اُن سے منصور نے اُن سے مجاہد نے طاؤس کے واسطہ سے اور انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: إنَّ هذا البلد حرمه اللّٰه یوم خلق السمٰوات و الأرض فهو حرامٌ بحُرمةِ اللّٰه إلی یوم القیٰمة لایُعضَدُ شوکه ولا ینفر صیده ولا یلتقطه لقطته إلّا مَن عرّفها ولا یُختلَی خلاه (۱)

''اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو آسمان وزمین پیدا کیے جانے کے دن حرام قرار دیا تھا پس اس کی حرمت قیامت تک کے لیے ہے۔ پس اس کے [درختوں کے] کانٹے تک بھی نہیں کاٹے جاسکتے۔ یہاں کے شکار بھی نہیں ہنکائے جاسکتے اور ان کے علاوہ جو اعلان کرکے [مالک تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہوں] کوئی شخص یہاں کی گری پڑی چیز بھی نہیں اٹھاسکتا۔''

امام بغوی کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ کسی آیت کے ذیل میں وہ ایسی تمام احادیث کا ذکر دیتے ہیں جو مفہوم کو واضح کرتی ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ پر بھی ان سے روشنی پڑتی ہو۔ مثلاً:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۲) کے تحت پانچ حدیثیں مع سند نقل کی گئی ہیں (۳) جن سے رسول اللہ ﷺ کے سنت کی وضاحت ہوتی ہے۔

اسی طرح: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اس سلسے میں سات حدیثیں سند کے ساتھ مذکور ہیں (۵)۔

امام بغوی نے بعض احادیث کے معیار پر بھی گفتگو کی ہے اور ان کی غرابت یا ضعف کی وضاحت کی ہے۔ کبھی وہ کسی حدیث کا ذکر کسی مشہور محدث کے حوالہ سے کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے ہی نقل کرتے ہیں۔

---

(۱) معالم التنزیل ۱:۴۷
(۲) سورۃ بنی اسرائیل ۷۹:۱۷
(۳) معالم التنزیل ۳:۱۰۶
(۴) سورۃ بنی اسرائیل ۷۹:۱۷
(۵) معالم التنزیل ۳:۱۰۷

اقوال صحابہ سے قرآن مجید کی تفسیر

امام بغوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ سلف کے اقوال بھی آیتوں کی توضیح وتشریح کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''صراط مستقیم کے بارے میں سیدنا ابن عباس، سیدنا جابر رضی اللہ عنہم نیز مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس سے مراد کتابُ اللہ ہے۔ سعید بن جبیر کے بقول جنت کا راستہ ہے۔ سہل بن عبد اللہ کے بقول اہل السنّت والجماعت کا راستہ ہے۔ بکر بن عبد اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور ابو العالیہ اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ آل نبی اور ان کے دونوں ساتھی [سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما] مراد ہیں (۲)۔''

نیز آیت کریمہ: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْماً جَھُوْلاً (۳) کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے سات مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

اسرائیلیات سے قرآن مجید کی تفسیر

امام بغوی نے ایک صحیح العقیدہ اور بلند پایہ محدث ہونے کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو بھی نقل کیا ہے۔ جیسے: وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ (۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے چار افراد: عازر، ابن عجوز، عاشر کی لڑکی اور سام بن نوح کو زندہ کیا۔ عازر کے زندہ کیے جانے کا واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس کے دوست تھے اس کی بہن نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اطلاع بھیجی کہ تمہارا بھائی مرض موت میں مبتلا ہے چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ تین دن کی مسافت طے کر کے اس کے پاس پہنچے

---

(۱) سورۃ الفاتحہ ۱:۶ (۲) معالم التنزیل ۱:۱۵ (۳) سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۲

(۴) سورۃ آل عمران ۳:۴۹

اس وقت تک وہ وفات پا چکا تھا آپ نے اس کی بہن سے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ وہ انہیں اس کے قبر تک لے گئی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عازر اٹھ بیٹھا نیز قبر سے نکل آیا قصہ مختصر یہ کہ وہ پھر زندہ رہا اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ ابن عجوز کا واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس کا جنازہ گذرا تو آپ نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ اٹھ بیٹھا اور بالآخر خود ہی جنازہ کی چارپائی لے کر گھر گیا۔ یہ بھی اس کے بعد زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ عاشر کی لڑکی کا قصہ یہ ہے کہ اس کا باپ عشر وصول کیا کرتا تھا اس کی بیٹی جب مرگئی تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ دوبارہ زندہ ہوگئی بعد میں اس کے بھی بال بچے ہوئے، سام بن نوح علیہ السلام کا واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان کی قبر کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے حوالے سے دعا کی تو وہ قبر سے نکل پڑے۔ ان کے سر کا نصف حصہ قیامت کے برپا ہو جانے کے خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا قیامت واقع ہوگئی ہے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کہا نہیں! بلکہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی تھی اس لیے تم زندہ ہو گئے اب تم دوبارہ مرجاؤ۔ اس نے کہا کہ اس شرط پر کہ موت کی تکلیف سے بچ جاؤں۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی اور وہ دوبارہ مرگیا[1]۔"

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی، سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصے اور ہاروت و ماروت کے قصے میں امام بغوی نے اسرائیلی روایات نقل کی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر روایات کے ماخذ مذکور ہیں مگر ان پر کوئی تبصرہ یا ان کے ضعف اور موضوعیت کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ ان پر تنقید ہونی چاہئے تھی۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ انہوں نے کسی اسرائیلی روایت کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کیا ہے۔

فقہاء کی آراء

امام بغوی فقیہ بھی تھے۔ آپ اپنی تفسیر میں فقہاء کی آراء بھی نقل کرتے ہیں۔ بسم اللہ کے بیان میں

---

(۱) معالم التنزیل ۱: ۲۳۴

فرماتے ہیں کہ: ''مدینہ اور بصرہ کے قراء اور کوفہ کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ الفاتحۃ سمیت کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے۔ یہ محض برکت کے لیے شروع میں درج کی گئی ہے جب کہ مکہ معظّمہ اور کوفہ کے قراء اور حجاز کے اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ یہ کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے بلکہ یہ سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھا جاتا ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ سورۃ التوبۃ کے علاوہ تمام سورتوں کا جزء ہے۔ یہ ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی کی رائے ہے (۱)۔''

اسی طرح آیت: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (۲) کی تفسیر میں فقہاء کی آراء درج کی ہیں (۳)۔

اسی طرح آیت: وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (۴) کے ذیل میں سفر کی کم سے کم مسافت کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے (۵)۔

امام بغوی نے ربیع بن سلیمان (۶) کے حوالے سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

لا أعلمُ في الإسلام شيئاً أُحِلَّ ثم حُرِّمَ ثم أُحِلَّ ثُمَّ حُرِّمَ غيرُ المتعةِ (۷).

''اسلام میں صرف متعہ ہی ایسا عمل ہے جو پہلے جائز تھا پھر اس کی حرمت آئی پھر اس کی اجازت مل گئی اور پھر وہ حرام قرار دے دیا گیا۔''

---

(۱) معالم التنزیل ۱:۱۲ (۲) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۴

(۳) معالم التنزیل ۱:۱۰۶ (۴) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۵

(۵) معالم التنزیل ۱:۱۰۸

(۶) ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل، مرادی، مصری ابو محمد، صاحب الامام الشافعی اور اُن کی کتابوں کے راوی تھے۔ ۱۷۴ھ=۷۹۰ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ جامع ابن طولون میں سب سے پہلے آپ ہی نے حدیث کی املاء کی۔ آپ مؤذن تھے۔ سلامتی طبع کے ساتھ ساتھ ذرا غفلت کے شکار تھے۔ ۲۷۰ھ=۸۸۴ء کو مصر ہی میں وفات پائی۔ یمن کے قبیلہ ''مراد'' سے تعلق کے باعث مرادی کہلاتے ہیں۔ [وفیات الاعیان ۲:۲۹۱، الاعلام ۳:۱۴]

(۷) معالم التنزیل ۱:۳۲۸

تفسیر القرآن العظیم = تفسیر ابن کثیر

اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر قیسی بصروی، قرشی، دمشقی، ابوالفداء، عماد الدین، حافظ، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ بُصریٰ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ=۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف لے گئے۔ ان کی تربیت دمشق میں ہوئی [1]۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۴ھ=۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

ابن شحنہ، ابن زراد، اسحاق آمدی، ابن عساکر، مزی، ابن رضی اور ایک جماعت سے انہوں نے سماع کیا۔ مصر میں الدبوسی، الوانی اور ختنی وغیرہ سے اجازت حاصل کی پھر حدیث میں مشغول ہو گئے اور متون حدیث اور رجال کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا۔ تفسیر جمع کی اور کتاب کبیر فی الاحکام لکھنا شروع کی مگر مکمل نہ کر سکے۔ تاریخ میں البدایہ والنہایہ لکھی۔ طبقات الشافعیہ پر کام کیا ان احادیث پر جو التنبیہ میں دلیل کے طور پر پیش کی گئی تھیں جرح کی اور ابن حاجب کی احادیث مختصر پر جرح کی۔ صحیح بخاری کی شرح بھی لکھنا شروع کی تھی۔ ان کی دیگر کتب میں التكميل في معرفة الثقات والضعفاء والمجاهيل اور کتاب الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن۔ جس میں مسند امام احمدؒ بزار، ابویعلی اور ابن ابی شیبہ کو جمع کر دیا ہے۔ شامل ہیں۔ حافظ مزی کے حلقے میں شامل ہو گئے تھے۔ ان سے تہذیب الکمال پڑھی اور ان کی لڑکی [زینب] سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن تیمیہ سے استفادہ کیا، وہ محبوس ہوئے تو انہیں بھی تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ بڑے حاضر جواب اور خوش طبع تھے۔ ان کی تصنیفات ان کی زندگی ہی میں شہروں میں پھیل گئی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے رہے۔ ابن کثیر فقہاء محدثین سے تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے ابن الصلاح کی کتاب کا مفید خلاصہ تیار کیا [2]۔

---

(۱) الدرر الکامنۃ ۱: ۳۷۴ (۲) البدر الطالع ۱: ۱۵۳، الاعلام ۱: ۳۲۰

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر: فقيهٌ متقنٌ، و محدثٌ متقنٌ، و مفسرٌ نقّالٌ، وله تصانيف مفيدةٌ . يَدري الفقه و يَفهم العربية و الأصول ، و يَحفظُ جملةً صالحةً من المتون و التفسير و الرجال و أحوالهم، سمع مِنّي، وله حِفظٌ و معرفةٌ، يُدمِجُ قراءَ ته (۱)۔

''امام، مفتی، محدث، ماہر فقیہ، کئی علوم میں کامل پختہ کار، محدث، نقل روایات وآثار کرنے والے مفسر اور مفید تصانیف کے مالک تھے۔''

ان کی تفسیر علامہ ابن جریر کی تفسیر کا کچھ زوائد کے ساتھ اختصار ہے۔ یہ تفسیر انسان کو بہت سے تفاسیر سے بے نیاز کردیتی ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن تیمیہ کے اقوال کے حق میں دلائل دیے ہیں مثلاً: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ (۲) کے متعلق ان کا کہنا کہ یہ عورت کا قول ہے (۳)۔

تفسیر کے مآخذ

حافظ ابن کثیر نے اپنی اس تفسیر میں ان مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا ہے: تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر بغوی، تفسیر کشاف، تفسیر ابن عطیہ، تفسیر کبیر اور تفسیر قرطبی۔

ان میں سے تفسیر ابن جریر سے بکثرت استفادہ کیا ہے اور اُن کا نام لے کر تنقیح کے بعد اکثر اُن ہی کی عبارت لکھتے ہیں۔ علامہ ابن جریر سے اَحادیث نقل کرنے میں نہایت حزم احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً:

۱- وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ (۴) کے تحت اُن کے حوالے سے یہ حدیث لکھتے ہیں:

مَنْ حَلَفَ عَلَى يمينٍ قطيعةِ رَحِمٍ و معصيةٍ فَبِرُّهُ أن يحنث فيها ويرجع عن يمينه (۵)۔

''جس نے قطع رحم یا کسی معصیت کو سرانجام دینے کی قسم اُٹھائی تو اس کی نیکی یہ ہے کہ اُس قسم کو توڑ

---

(۱) المعجم المختص بالمحدثین: ۷۵، ترجمہ: ۸۶ (۲) سورۃ یوسف ۱۲: ۵۳

(۳) اس کی تفصیل تفسیر ماوردی ۳: ۴۸، مجموع الفتاویٰ ۱۰: ۱۵۸، ۱۵: ۶۵-۶۶، اور تفسیر ابن کثیر ۲: ۴۳۳ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۴) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲۴ (۵) ابن جریر ۲: ۴۲۴، نص: ۴۴۵۶، ابن کثیر ۸: ۵۰

دے اور اُس پر عمل نہ کرے۔''

اور پھر اس پر یہ تبصرہ لکھا ہے: هذا حديثٌ ضعيفٌ؛ لأن خارجة هو ابن أبي الرجال محمد بن عبد الرحمن متروك الحديث، ضعيفٌ عند الجميع.(۱)

''یہ ایک ضعیف حدیث ہے اس لیے کہ اس کا راوی حارثہ ابن ابی الرجال محمد بن عبد الرحمن تمام محدثین کے نزدیک متروک الحدیث اور ضعیف ہے۔''

۲- وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ (۲) کے تحت علامہ ابن جریر نے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے: لو لم يقل الكلمة التي قال مالبث في السجن طولَ ما لبث حيث يبتغي الفرج من عند غير الله.(۳)

''اگر وہ [یوسف علیہ السلام] وہ کلمہ نہ کہتے جو اُنہوں نے کہی یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۲۶ (۲) سورۃ یوسف ۱۲: ۴۲ (۳) تفسیر ابن جریر ۷: ۲۲۱، نص: ۱۹۳۱۹

یہ روایت ان الفاظ میں بھی منقول ہے: رحم الله يوسف، لولا لكلمة التي قالها: أذكرني عند ربك، ما لبث في السجن طول مالبث. [موارد الظمآن: ۴۳۲، حدیث: ۱۷۴۷، صحیح ابن حبان ۸: ۲۹، حدیث: ۲۱۷۳]

''یوسف علیہ السلام پر اللہ رحم کرے، اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔''

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں، ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے، شاید اسی لیے یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

[معارف القرآن ۵: ۵۹]

لیکن جس روایت سے مفتی صاحب نے اس مسئلے کا استنباط فرمایا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ جِدًّا، یعنی شدید ضعیف ہے۔ [تفسیر ابن کثیر ۸: ۴۶]

اور تاریخ میں لکھتے ہیں: إنه حديثه منكرٌ من هذا الوجه، ومحمد بن عمرو بن علقمة له أشياء ينفرد بها، وفيها نكارةٌ، وهذه اللفظة مِن أنكرها وأشدها. [البدایۃ والنہایۃ ۱: ۲۱۶]

''یہ روایت منکر ہے اور محمد بن عمر علقمہ کئی منکر روایات میں منفرد ہے۔ اور اس کی یہ روایت شدید منکر ہے۔''

پھر عکرمہ نے اپنے استاذ کا نام بھی نہیں لیا کہ کون تھے اس لیے یہ منقطع بھی ہوئی۔

امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔''

حافظ ابن کثیر اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھذا الحدیث ضعیفٌ جِدًّا، لأنَّ سفیان بن وکیع ضعیفٌ، وإبراھیم بن یزید الخُوزِي أضعف منه، وقد روي عن الحسن وقتادة مرسلاً عن کل منھما، وھذہ المرسلات ھاھنا لا تُقبلُ، لو قبل المرسل من حیث ھو في غیر ھذا الموطن.(1)

''یہ حدیث شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا راوی سفیان بن وکیع ضعیف ہے اور ابراہیم بن یزید خُوزِی اُس سے زیادہ ضعیف ہے۔ یہ روایت حسن بصری اور قتادہ سے بھی مرسلاً مروی ہے لیکن اس قسم کے معاملہ میں مرسَل روایتیں قابل قبول نہیں اگرچہ [بعض محدثین] دوسرے مقامات میں مرسَل قبول کرتے ہیں۔''

۳۔ کبھی کبھار علامہ ابن جریر کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ کو نقل نہیں کرتے بلکہ اُن کی طرف اشارہ کر کے اپنی تحقیق لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً: وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ(2) کے تحت علامہ ابن جریر نے ایک عجیب وغریب اور طویل روایت درج کی ہے(3)۔ حافظ ابن کثیر اُس کی طرف اشارہ کر کے لکھتے ہیں: قد رَوَی ابن جریر في ھذا المکان حدیثاً أسندہ عن حذیفة مرفوعاً مطولاً، وھو حدیثٌ موضوعٌ لا محالةَ، لا یستریب في ذلك مَن عندہ أدنی معرفة بالحدیث، والعجب کل العجب، کیف راجَ علیه مع إمامته وجلالة قدرہ؟ وقد صرَّحَ شیخنا الحافظ العلامة أبو الحجاج المزي رحمه اللّٰه بأنه موضوعٌ مکذوبٌ، وکتب ذلك علی حاشیة الکتاب وقد وردت في ھذا آثارٌ کثیرةٌ إسرائیلیةٌ لم أر تطویل الکتاب لأنَّ ما ھو موضوعٌ من وضع زنادقتھم، ومنھا ما قد یحتمل أن یکون صحیحاً، ونحن في غنیةٍ عنھا، ولله الحمد، وفیما قَصَّ اللّٰه تعالی علینا في کتابه غنیة عما سواہُ من بقیة الکتب قبله، ولم یحوجنا اللّٰه ولا رسوله إلیھم.(4)

---

(1) تفسیر ابن کثیر ۸: ۴۵-۴۶
(2) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۴
(3) تفسیر ابن جریر ۸: ۲۱، نص: ۲۲۰۵۷
(4) تفسیر ابن کثیر ۸: ۴۳۸

''ابن جریر اس مقام پر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱) کے حوالے سے ایک طویل حدیث مرفوعاً نقل کی ہے حالانکہ وہ حدیث بلاشبہ موضوع ہے۔ احادیث کی معمولی معرفت رکھنے والا شخص اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ علامہ ابن جریر پر تعجب ہے کہ امامت اور جلالتِ قدر سے متصف ہونے کے باوجود انہوں نے اسے کیوں کر درج کر دیا ہے [اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے] ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی (۲) نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع اور جھوٹی ہے' اُنہوں کتاب کے حاشیے پر بھی یہ بات لکھ دی۔ اس بارے میں اور بھی کافی اسرائیلی روایات وارِد ہیں جن کو ذکر کر کے میں اپنی کتاب کو طول دینا نہیں چاہتا اس لیے کہ اُن میں کچھ ایسی روایتیں ہیں جن کو ان کے زنادِقہ نے وضع کیا اور کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں سچ کا اِحتمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں ہمیں جو کچھ بیان کیا ہے اُس نے ہمیں اور چیزوں سے مستغنی کر دیا ہے۔'' ۱۵

۔۴: کبھی کبھار علامہ ابن جریر کی پیش کردہ عبارت سے اتفاق کر کے اسے ہو بہو اُن کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں' مثلاً: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (۳) کے تحت علامہ ابن جریر نے اس روایت کی تنقید کی ہے کہ سِجِل رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے (۴)۔ حافظ ابن کثیر نے

---

(۱) حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بن جابر' عبسی' ابوعبداللہ' یمان کا اصلی نام حِسل یا حُسَیل تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے راز دان تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن [فارس] کا عامل مقرر کیا تھا۔ آپ سے ۲۲۵ روایتیں مروی ہیں۔ کوفہ میں ۳۶ھ = ۶۵۶ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۱: ۳۱۷' الاعلام ۲: ۱۷۹]

(۲) حافظ مِزّی [بکسر المیم و تشدید الزای] یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف' ابوالحجاج' قضاعی' کلبی' مزی' محدث دیارشام' ۶۵۴ھ = ۱۲۵۶ء کو حلب میں پیدا ہوئے اور دمشق کے ایک گاؤں مِزّہ میں پلے بڑھے۔ دمشق میں ۷۴۲ھ = ۱۳۴۱ء کو وفات پائی۔ لغت' حدیث اور اسماء رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔

[الدرر الکامنۃ ۴: ۴۵۷' الاعلام ۸: ۲۳۶]

(۳) سورۃ الانبیاء ۲۱: ۱۰۴

(۴) وأولى الأقوال في ذلك عندنا بالصواب قولُ من قال: السجل في هذا الموضع: الصحيفة لأن ذلك هو المعروف في كلام العرب' ولا يعرفُ لنبينا كاتب كان اسمه السجل. [تفسير ابن جرير ۹: ۹۵]

اُن کی بات آگے بڑھاتے ہوئے تحریر کیا ہے: وهذا منكر جدًا من حديث نافع عن ابن عمر لا يصحُّ أصلاً، وكذلك ماتقدم عن ابن عباس من رواية أبي داود وغيره، لايصح أيضاً وقد صرّح جماعةٌ من الحفاظ بوضعه وإن كان في سنن أبي داود (۱).

''یہ روایت شدید منکر ہے۔ نافع از سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے اس کی کوئی اصل نہیں اور اسی طرح وہ روایت جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اسے موضوع کہا اگر چہ یہ سنن ابی داود کی روایت ہے (۲)۔

-۵: اسی طرح امام ابن ابی حاتم سے بھی روایات نقل کرتے ہیں لیکن کڑی تحقیق کے بعد یا تو اسے کر لیتے ہیں یا اُس پر جرح کر کے رد کرتے ہیں، جیسے:

وَهَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (۳) کے تحت امام ابن ابی حاتم نے ایک طویل روایت لکھی ہے (۴) جس کی تنقید کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قد ذكر المفسرون هاهنا قصة أكثرها مأخوذٌ من الإسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم ﷺ حديث يجبُ اتِّباعُهُ ولكن روى ابن أبي حاتم هنا حديثاً لا يصحُّ سنده لأنه من رواية يزيد الرقاشي عن أنس رضی اللہ عنہ، ويزيد وإن كان من الصالحين لكنه ضعيف

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۹: ۴۵۵

(۲) سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارة والفیئ [۱۴] باب فی اتخاذ الکاتب [۶] حدیث: ۲۹۳۵۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: سمعتُ شيخنا أباالعباس بن تيمية يقول: هذاالحديث موضوعٌ، ولايُعرفُ لرسول الله ﷺ كاتبٌ اسمه السجل قطُّ، وكُتّابُ النبي ﷺ معروفون لم يكن فيهم مَن يقال له السجل. قال: والآيةُ مكيةٌ، ولم يكن لرسول الله ﷺ كاتبٌ بمكة. والسجل: الكتاب المكتوب.

[تہذیب السنن ۳: ۱۴۶۷]

''میں نے اپنے استاذ ابوالعباس ابن تیمیہ سے سنا جو فرماتے تھے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سجل نامی کوئی کاتب نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے کاتب معروف ومشہور ہیں ان میں سجل نام کا کوئی کاتب نہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ آیت کریمہ مکی ہے جب کہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی کاتب نہیں تھا۔ سجل تو لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔''

(۳) سورۃ ص ۳۸: ۲۱ (۴) تفسیر ابن ابی حاتم ۱۰: ۳۲۳۸

الحديث عند الأئمة ، فالأولَى أن يُقتصَرَ على مجرد تلاوة هذه القصةِ وأن يُرَدَّ علمها إلى الله عز و جل ،فإن القرآن حقٌّ ،وماتضَمَّنَ فهو حقٌّ أيضاً (۱)

''مفسرین نے یہاں ایک قصہ لکھا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے جب کہ اس بارے میں نبی معصوم ﷺ کی کوئی صحیح اور واجب الاتباع حدیث موجود نہیں لیکن امام ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث لکھی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیوں کہ اُس میں یزید رقاشی ہے جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔ یزید رقاشی اگرچہ صالح اور نیک مرد تھے مگر ائمہ کے ہاں حدیث کے باب میں ضعیف ہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور اس قصہ کی تلاوت ہی پر اکتفا کی جائے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے اس لیے کہ قرآن مجید اور اس میں مندرج سب کچھ حق ہی ہے۔''

قرآن مجید سے قرآن مجید کی تفسیر

حافظ ابن کثیر خود لکھتے ہیں :فإن قال قائلٌ :فماأحسنُ طرق التفسير ؟فالجواب :إنَّ أصحَّ الطُّرُقِ في ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن ، فما أجملَ في مكانٍ فإنه قد فُسِّرَ في موضعٍ آخر ،فإن أعياكَ ذلك فعليك بالسنة ،فإنهاشارحةٌ للقرآن وموضحة له ،بل قال الإمام أبوعبد الله محمد بن إدريس الشافعي :كُلُّ ما حَكَمَ به رسول الله ﷺ فهومما فَهِمَه من القرآن (۲)

''اگر کوئی یہ سوال اُٹھائے کہ تفسیر کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی سے کی جائے اس لیے کہ اگر کہیں کوئی اجمال یا اختصار موجود ہے تو دوسری جگہ میں اس کی تفسیر و تفصیل کی گئی ہے۔ اگر قرآن مجید سے تفسیر نہ مل سکے تو پھر سنت میں اسے ڈھونڈ لینا چاہیے اس لیے کہ سنت بھی قرآن مجید کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے بلکہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام احکام قرآن مجید ہی سے سمجھے ہیں۔''

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۲: ۸۱-۸۲ (۲) تفسیر ابن کثیر ۱: ۶

حافظ ابن کثیر کی اس تفسیر کا زیادہ حصہ تفسیر القرآن بالقرآن پر مشتمل ہے۔ ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

[۱] فتلقّٰی اٰدم من ربّہٖ کلمٰتٍ فتاب علیہ (۱) کی تفسیر میں لکھا: اس سے وہ کلمات مراد ہیں جو سورۃ الاعراف ۷: ۲۳ میں مذکور ہیں: ربّنا ظلمنا انفسنا وان لّم تغفرلنا وترحمنا لنکوننّ من الخٰسرین (۲).

[۲] ولقد علمتم الّذین اعتدوا منکم فی السّبت (۳) کے تحت لکھتے ہیں: وهذه القصة مبسوطةٌ في سورة الأعراف حيث يقول تعالى: وسئلهم عن القریۃ الّتی کانت حاضرۃ البحر (۴).

یہ واقعہ سورۃ الاعراف ۷: ۱۶۳ "وسئلهم عن القریۃ الّتی کانت حاضرۃ البحر" میں بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

[۳] وسئلهم عن القریۃ الّتی کانت حاضرۃ البحر (۵) کے تحت لکھا: هذا السياق هو بسطٌ لقوله تعالى: ولقد علمتم الّذین اعتدوا منکم فی السّبت (۶).

"اس سیاق میں یہ واقعہ سورۃ البقرۃ ۲: ۶۵ "ولقد علمتم الّذین اعتدوا منکم فی السّبت" کی تفصیل ہے۔"

[۴] اُحلّت لکم بھیمۃ الانعام الّا ما یتلٰی علیکم (۷) میں "الّا ما یتلٰی علیکم" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین نے کئی تاویلیں کیے ہیں جب کہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: والظاهر والله أعلم أن المراد بذلك: حرّمت علیکم المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر وما اُھلّ لغیر اللہ بہٖ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردّیۃ والنّطیحۃ وما اکل السّبع (۸)(۹).

"ظاہر تو یہ ہے کہ "الّا ما یتلٰی علیکم" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں:

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲: ۳۷ (۲) تفسیر ابن کثیر ۱: ۳۷۱ (۳) سورۃ البقرۃ ۲: ۶۵
(۴) تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۳۶ (۵) سورۃ الاعراف ۷: ۱۶۳ (۶) تفسیر ابن کثیر ۶: ۴۲۲
(۷) سورۃ المائدۃ ۵: ۱ (۸) سورۃ المائدۃ ۵: ۳ (۹) تفسیر ابن کثیر ۵: ۱۰

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ.

[۵] مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۱) کے تحت لکھتے ہیں: هذه الآية الكريمةُ مفصلة لما أجمل في الآية الأخرى، وهي قوله: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا (۲)(۳)

''اس آیت میں ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا'' کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔''

[۶] فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ (۴) کے تحت لکھا: أي: يسرعون، وهذه القصة هاهنا مختصرةٌ وفي سورة الأنبياء مبسوطةٌ، فإنهم لما رجعوا ما عرفوا من أول وَهلةٍ مَن فعل ذلك حتى كشفوا واستعملوا فعرفوا أن إبراهيم عليه السلام هو الذي فعل ذلك (۵).

''وہ اُن کے طرف دوڑتے ہوئے آئے۔ یہ قصہ یہاں مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس کی تفصیل سورۃ الانبیاء میں ہے اس لیے کہ جب یہ لوگ واپس لوٹ آئے تو انہیں اول وہلہ میں کچھ نہیں معلوم ہوا کہ اُن کے الٰہہ کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا؟ خوب غور وخوض اور تفتیش و تحقیق کے بعد یہ راز اُن پر منکشف ہوئی کہ یہ سارا کیا دھرا تو سیدنا ابراھیم علیہ السلام کا تھا۔''

احادیثِ نبویہ سے قرآن مجید کی تفسیر

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: يَجِبُ أن يُعلَمَ أنَّ النبي ﷺ بَيَّنَ لأصحابه معاني القرآن كما بَيَّنَ لهم ألفاظه، فقوله تعالى: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۶) يتناول هذا وهذا (۷).

''یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کے معانی کی تعلیم دی تھی جیسا کہ الفاظ قرآن مجید کی تعلیم بھی آپ ﷺ ہی کے ذمہ تھا اور لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ان دونوں کو شامل ہے۔''

حافظ ابن کثیر اپنی اس تفسیر میں آیت کے تحت اس سے متعلق مرفوع احادیث ذکر کرتے ہیں اور

---

(۱) سورۃ الانعام ۶: ۱۶۰ (۲) سورۃ النمل ۲۷: ۸۴ (۳) تفسیر ابن کثیر ۶: ۲۴۱
(۴) سورۃ الصافات ۳۷: ۹۴ (۵) تفسیر ابن کثیر ۱۲: ۳۵ (۶) سورۃ النحل ۱۶: ۴۴
(۷) مجموع الفتاویٰ ۱۳: ۱۴۸

ساتھ ہی یہ نشان دہی بھی کرتے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث قابل احتجاج ہے اور کون سی نا قابل احتجاج! اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

[۱] غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: و الصحيح من مذاهب العلماء أنه يغتفر الإخلال بتحرير ما بين الضاد والظاء لقرب مخرجيهما وذلك أن الضاد مخرجها من أول حافة اللسان وما يليها من الأضراس، ومخرج الظاء من طرف اللسان وأطراف الثنايا العليا، ولأنّ كلًّا من الحرفين من الحروف المجهورة، ومن الحروف الرخوة، ومن الحروف المطبقة، فلهذا كله اغتفر استعمال أحدهما مكان الآخر لمن لا يميز ذلك، والله أعلم. وأما حديث: أنا أفصح مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ فلا أصل له (۲).

''ضاد اور ظے کی قراءت میں بہت باریک فرق ہے اور ہر ایک کے بس کا نہیں اس لیے علماء کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے۔ ضاد کا صحیح مخرج تو زبان کا اول کنارہ اور اس کے پاس کی داڑھیں ہیں جب کہ ظے کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے دو دانتوں کے کنارے ہیں۔ یہ حروف مجہورہ، رخوہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنی مشکل ہو اُسے معاف ہے کہ ضاد کو ظے کی طرح پڑھ لے۔ رہی حدیث: أنا أفصح مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ سو اس کی کوئی اصل نہیں۔''

[۲] فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلاً (۳) کی تفسیر میں صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا: قيل لبني إسرائيل ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَّ قُوْلُوا حِطَّةٌ فدخلوا يزحفون على أستاههم فبدّلوا وقالوا: حبةٌ في شعرةٍ (۴).

''بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازے میں عاجزی سے جھکتے ہوئے داخل ہو اور کہتے جاؤ کہ

---

(۱) سورۃ الفاتحہ ۱: ۷ (۲) تفسیر ابن کثیر ۱: ۲۲۷-۲۲۸ (۳) سورۃ البقرۃ ۲: ۵۸

(۴) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ الاعراف [۷] باب قولہ: حِطَّةٌ [۴] حدیث: ۴۶۴۱، تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۲۰

توبہ ہے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے لیکن اُنہوں نے حکم بدل ڈالا۔ چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کہا کہ ہم کو بالیوں میں دانہ چاہیے۔"

[۳] كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: في الحديث: كل حرفٍ من القرآن يُذ كر فيه القنوت فهو الطاعة' و كذا رواه الإمام أحمد عن حسن بن موسى عن ابن لهيعة عن درّاج بإسناده مثله. ولكن هذاالإسناد ضعيفٌ' لايُعتمد عليه'ورفع هذاالحديث منكرٌ' وقديكون من كلام الصحابي أومن دونه' واللّٰه أعلم' وكثيراًماياتي بهذاالإسنادتفاسير فيها نكارةٌ'فلا يغتر بها'فإن السند ضعيفٌ (۲).

"قرآن مجید میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ وارد ہے وہاں اس سے مراد طاعت کے ہیں۔ اسے امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بن موسیٰ از ابن لہیعہ از دراج نقل کیا ہے لیکن یہ سند ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے۔ اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ ممکن ہے کسی صحابی یا نیچے درجے کے کسی راوی کا کلام ہو۔ اس سند سے کئی ایک تفاسیر منقول ہیں جو ساری کی ساری منکر اور ضعیف ہوتی ہیں ان سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے۔"

[۴] وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۳) میں قوت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حدیث میں ہے: ألا إنَّ القوةَ الرَّمي' ألا إنَّ القوةَ الرَّمي (۴).

"خبردار رہو! تیراندازی قوت ہے۔ خبردار رہو! تیراندازی قوت ہے"

اسرائیلیات اور حافظ ابن کثیر

تفسیر ابن کثیر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ تفسیر ماثور میں جو اسرائیلی واقعات مندرج ہیں وہ اس پر کبھی اِجمالاً اور کبھی تفصیلاً نقد و جرح کرتے ہیں' مثلاً:

[۱] اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (۵) کے تحت سلف سے منقول روایات کو تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وهذه السياقات والظاهر أنها مأخوذةٌ من كتب بني إسرائيل' وهي مما

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۱۶ (۲) تفسیر ابن کثیر ۲:۳۸ (۳) سورۃ الانفال ۸:۶۰
(۴) تفسیر ابن کثیر ۷:۱۰۹ (۵) سورۃ البقرۃ ۲:۶۷

يجوز نقلها و لكن لا تُصدَّق و لا تُكذَّبُ ' فلهذا لا يعتمد عليها إلّا ما وَافَقَ الحقَّ عندنا[1] .

''ظاہر ہے کہ یہ روایات بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ان کو نقل کرنا بلاشبہ درست ہے مگر ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی۔لہٰذا ان پر اعتماد کرنا درست نہیں۔ماسوا اُن روایات کے جو اسلامی حقائق کے موافق ہوں۔''

[۲] سورۃ ق کی تفسیر کرتے ہوئے سورۃ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

وقد رُوي عن بعض السلف أنهم قالوا: ق: جبلٌ محيطٌ بجميع الأرض' يقال له: جبلُ قاف' و كأنَّ هذا- **والله أعلم** -من خرافات بني إسرائيل' التي أخذها عنهم بعض الناس لما راى من جواز الرواية عنهم فيما لا يصدق و لا يكذب. و عندي أن هذا و أمثاله و أشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم' يُلبِسون به على الناس أمر دينهم كما أُفتُرِيَ في هذه الأمة- مع جلالة قدر علمائها و حفاظها و أئمتها -أحاديث عن النبي ﷺ و ما بالعهد من قِدَمٍ ' فكيف بأمة بني إسرائيل مع طول المُدَى' و قلة الحفاظ النقاد فيهم' و شربهم الخُمور' و تحريف علمائهم الكلم عن مواضعه' و تبديل كتب الله و آياته' و إنما أباح الشارع عليه السلام الرواية عنهم في قوله: وَ حَدِّثُوْا عَنْ بَنِىْ إِسْرائيلَ و لَا حَرَجَ ' فيما قد يجوزه العقل ' فأما فيما تُحيله العقولُ و يُحكم عليه بالبطلان و يغلب على الظنون كذبه فليس هذا من هذا القبيل' **والله أعلم**[2] .

''بعض علمائے سلف کا قول ہے کہ ''ق'' سے یہاں ایک پہاڑ مراد ہے جو روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے اس کو ''کوہِ قاف'' کہتے ہیں۔دراصل یہ بھی اسرائیلیات ہی کا ایک حصہ ہے جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔میرا خیال ہے کہ ایسی باتیں اہلِ کتاب کی زنادقہ کی وضع کردہ ہیں جو انہوں نے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے وضع کی ہیں۔جب علمائے حدیث اور حفاظ و ائمہ کی کثرت کے باوجود امت محمدیہ میں اَحادیث وضع کر کے اُن کو نبی اکرم ﷺ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۴۷-۴۴۸ (۲) تفسیر ابن کثیر ۱۳: ۱۸۰

کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے تو بنی اسرائیل کی امت میں ایسا کیوں کر نہ ہوتا حالانکہ اس پر عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں اُن میں حفاظ ونقّاد کی شدید قلت پائی جاتی ہے۔ وہ شراب کے رسیا ہیں۔ بنی اسرائیل کے علماء نے کتب مقدسہ میں تحریف کا اِرتکاب کیا ہے۔ شارع علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے جو نقل وروایت کی اجازت دی ہے تو وہ ایسی باتوں تک محدود ہے جو عقل کے معیار پر پوری اترتی ہو، جو بات عقلِ سلیم کے منافی ہو اور بظاہر جھوٹ معلوم ہوتی ہو اُس کا بنی اسرائیل سے روایت کرنا ہرگز درست نہیں۔"

الدُّرُّ المَنثُورُ فِي التَّفسِيرِ بِالمَأثُورِ = تفسیر درمنثور

اس تفسیر کے مصنف حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین، خضیری، سیوطی ہیں۔ آپ ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی (۱)۔

درمنثور ایک جامع کتاب ہے جس میں آپ نے صحاح سمیت اَن گنت کتابوں سے تفسیری روایات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ آپ نے اس تفسیر کا سبب تصنیف کچھ اس طرح لکھا ہے:

فَلَمَّا أَلَّفتُ كتاب ترجمان القرآن- وهو التفسير المسند عن رسول الله وأصحابه- و تَمَّ بحمد الله في مجلدات، فكان ما أوردتُهُ من الآثار بأسانيد الكتب المخرج منها واردات، و رأيتُ قصور أكثر الهِمَمِ عن تحصيله، و رغبتهم في الإقتصار على متون الأحاديث دون الإسناد و تطويله، فخلصتُ منه هذا المختصر، مقتصراً فيه على متن الأثر، مُصَدَّراً بِالعَزْوِ و التخريج إلى كل كتابٍ معتبرٍ (۲).

"میں نے پہلے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مسند و ماثور تفسیر ترجمان القرآن کے نام سے ایک تفسیر مرتب کی، جس کی بحمد اللہ کئی جلدیں ہیں۔ میں نے اس کتاب میں مرفوع و موقوف احادیث کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر لوگوں کی کم ہمتی اور طبائع کا میلان اختصار کی طرف دیکھ کر

---

(۱) شذرات الذہب ۸: ۵۱، الاعلام ۳: ۳۰۱

(۲) الدر المنثور ۱: ۵

میں نے اس کی تمام احادیث کے سند حذف کر کے صرف متن پر اکتفا کیا اور معتبر کتاب اور مصدر ومرجع کا حوالہ دیا۔"

اس تفسیر کا منہج یہ ہے۔

[۱] سورۃ کا نام لکھ کر اُس کا مکی یا مدنی (۱) ہونا واضح طور پر بتاتے ہیں۔

[۲] سورۃ کے فضائل بیان کرتے ہیں، جس میں النحاس (۲) ابن الضریس (۳) ابوالشیخ (۴) اور ابن ابی الدنیا (۵) کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں۔

---

(۱) امام قرطبی لکھتے ہیں: و کل ماأنزل من القرآنِ بعدهجرة النبي ﷺ فهومدني، سواء نزل بالمدينة أو في سفرٍ من الأسفار، وإنمايُرسم بالمكي مانزل قبل الهجرة.

[تفسیر القرطبی ۶: ۳۰، بذیل تفسیر سورۃ المائدۃ ۵: ۱]

"ہجرت نبوی سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکی کہلاتی ہیں، اگرچہ وہ کسی سفر کے دوران نازل ہوئی ہوں اور ہجرت سے بعد میں نازل ہونے والی سورتیں مدنی کہلاتی ہیں [اگرچہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں۔"

(۲) احمد بن محمد بن اسماعیل، المرادی، المصری، ابوجعفر النحاس۔ قرآن مجید کے مفسر اور ادیب تھے۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت معلوم نہیں۔ نفطویہ اور ابن الانباری کے ہم درس رہے ہیں۔ امام نسائی اور اخفش صغیر سے کسب فیض کیا۔ تصانیف میں تفسیر القرآن، ناسخ القرآن ومنسوخہ اور معانی القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ ۳۳۸ھ = ۹۵۰ء کو فوت ہوئے۔ [العبر فی خبر من غبر ۲: ۵۴، الاعلام ۱: ۲۰۸]

(۳) محمد بن ایوب بن یحییٰ بن الضریس البجلی الرازی ابوعبداللہ، حافظ حدیث تھے۔ ۲۰۰ھ = ۸۱۵ء کو پیدا ہوئے آپ کے جد امجد یحییٰ، امام ثوری کے اصحاب میں سے تھے۔ ۲۹۴ھ = ۹۰۶ء کو "رے" میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲: ۶۴۳، ترجمہ: ۶۶۵، الاعلام ۶: ۴۶]

(۴) عبداللہ بن محمد بن حبان الاصبہانی ابومحمد/ ابوالشیخ۔ ۲۷۴ھ = ۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور رجال حدیث کے بڑے عالم تھے۔ اپنے دادا حبان کی نسبت سے حَبّانی کہلاتے ہیں۔ حصول علم کے لیے موصل، حران، حجاز مقدس اور عراق کے سفر کیے ۳۶۹ھ = ۹۷۹ء کو وفات پائی۔ [العبر ۲: ۱۳۲، الاعلام ۴: ۱۲۰]

(۵) عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان، ابن ابی الدنیا، القرشی، الاموی، البغدادی، ابوبکر۔ ۲۰۸ھ = ۸۲۳ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث ہیں۔ بکثرت کتابیں لکھیں۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی اور اُن کے بعد اُن کے فرزند مکتفی باللہ کے اتالیق اور مؤدب رہے ہیں۔ ۲۸۱ھ = ۸۹۴ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲: ۶۷۷، ترجمہ: ۶۹۹، الاعلام ۴: ۱۱۸]

[۳] طویل سورتوں کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک یا دو دو آیتیں ذکر کر کے تفسیر لکھتے ہیں اور مختصر سورتوں کو مکمل ذکر کر کے تفسیر نقل کر دیتے ہیں۔

[۴] قراءات کو خصوصی طور پر درج کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، مگر اس میں صحت کا خیال نہیں کرتے اور ضعیف قراءات کو نقل کرنے سے نہیں چوکتے۔

[۵] اکثر آیات کا سبب نزول ذکر کرتے ہیں۔

[۶] ناسخ و منسوخ آیات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

[۷] غریب (۱) الفاظ اور مبہم عبارات کی تشریح کرتے ہیں۔

[۸] کوئی آیت کسی فقہی حکم کو متضمن ہو تو اس کا حکم ذکر کرتے ہیں۔

[۹] ساری کتاب میں صحیح روایات کے ساتھ جھوٹی اور موضوع و من گھڑت روایات بھی نقل کرتے ہیں، مثلاً سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کس طرح قبول ہوئی؟ اس کے لیے امام طبرانی (۲) امام حاکم، حافظ ابو نعیم (۳) اور امام بیہقی (۴) کے حوالے سے یہ حدیث لکھتے ہیں:

لَمَّا أذنب آدم الذنب الذي أذنبه رفع رأسه إلى السماء فقال: أسألك بحق محمد إلاَّ

---

(۱) غریب کے معنی: عجیب، نادر، نامانوس، یا غیر ملکی کے ہیں، اس لیے یہ لفظ قرآن و حدیث کے اُن نادر الفاظ کے لیے اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے جن کا مطلب و مفہوم بہت سے لوگوں پر واضح نہیں ہوتا۔

(۲) سلیمان بن احمد اللخمی الشامی، ابو القاسم، بہت بڑے محدث تھے۔ طبریہ [شام] سے تعلق کی وجہ سے طبری کہلائے۔ عکا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے حجاز مقدس، یمن، مصر، عراق، فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۶۰ھ = ۹۷۱ء کو اصبہان میں وفات پائی۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۶: ۲۴۰، الاعلام ۳: ۱۲۱]

(۳) احمد بن عبد اللہ بن احمد اصفہانی، ابو نعیم، حافظ حدیث اور مؤرخ تھے۔ اصفہان میں ۳۳۶ھ = ۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ و روایت حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ اصفہان ہی میں ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱: ۹۲، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۹۲، الاعلام ۱: ۱۵۷]

(۴) احمد بن حسین بن علی ابو بکر، ائمہ حدیث میں سے تھے۔ نیشاپور کے کے شہر بیہق کے مضافاتی گاؤں خسرو جرد میں ۳۸۴ھ = ۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ بیہق میں پلے بڑھے۔ حصول علم کے سلسلے میں بغداد، کوفہ اور مکہ معظمہ کے سفر کیے۔ ۴۵۸ھ = ۱۰۶۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ اُن کا جسد خاکی بیہق منتقل کیا گیا، جہاں اُن کی تدفین ہوئی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۳: ۹: ۵۷، الاعلام ۱: ۱۱۶]

غفرتَ لِي ؟فأوحى اللهُ إليه: وَمَن محمد؟فقال: تَبَارَكَ اسمكَ لَمَّا خَلَقتَني رفعتُ رأسي إلى عرشكَ فإذافيه مكتوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فعلِمتُ أنه ليس أحدٌ أعظمُ عندكَ قدراً ممن جعلتَ اسمه مع اسمكَ، فأوحى الله اليه: ياآدم إنه خير النبيين من ذريتكَ، ولولا هو ماخلقتُكَ (۱).

"جب [سیدنا] آدم [علیہ السلام] اُس گناہ کا شکار ہوئے [جس سے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں روکا تھا تو] اُنہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا میں تجھ سے بحق محمد [مصطفیٰ ﷺ] دعاء کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی: محمد [مصطفیٰ ﷺ] کون ہیں؟ تو اُنہوں نے عرض کیا: تیرے نام کی برکت پڑھتا ہوں، جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اُٹھا کر اُس پر نظر دوڑائی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے، جس سے میں نے سمجھا کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ عظیم القدر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یہ وحی کر ڈالی: آدم! وہ تیری اولاد میں خاتم النبیین ہیں اور اگر وہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔"

مگر یہ روایت شدید ضعیف بلکہ موضوع ہے اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے امام بخاری فرماتے ہیں: شدید ضعیف ہے (۲)۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں: لاعلمی سے روایات میں ہیر پھیر کیا کرتا تھا اور کثرت سے اس کا شکار ہو گیا اور مدلس کو مرفوع اور موقوف کو مسند کہنے لگا تو چھوڑ دینے کا مستحق ٹھہرا (۳)۔

خود امام حاکم اس راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: اپنے باپ کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے (۴)۔

جب کہ یہ روایت بھی اپنے باپ ہی سے نقل کرتے ہیں۔

---

(۱) المستدرک ۲: ۶۱۵، المعجم الصغیر ۲: ۸۲-۸۳، دلائل النبوۃ ۵: ۴۸۹، درمنثور بذیل تفسیر سورۃ البقرۃ ۲: ۳۷

(۲) التاریخ الکبیر ۶: ۲۸۴

(۳) المجروحین ۲: ۲۲، ترجمہ: ۵۹۳

(۴) المدخل الی الصحیح ۱: ۱۷۰، ترجمہ: ۹۸

حافظ ذہبی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: موضوع ہے۔اس کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن ابن زید بن اسلم واہی ہے اور اس کا ایک اور راوی عبداللہ بن مسلم فہری مجہول ہے (۱)۔

[۱۰] ساری کتاب میں اسرائیلی روایات (۲) کی بھرمار ہے۔اسرائیلی روایات کی کئی قسمیں ہیں:

-۱: وہ روایات جن کی اسلامی روایات تصدیق کرتی ہیں' مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کے رفیق کا نام خضر تھا (۳)۔

-۲: وہ روایات جن کی اسلامی شریعت تکذیب کرتی ہے' مثلاً ان کا یہ کہنا کہ سیدنا اسحاق علیہ السلام ذبیح تھے یا یہ کہ سیدنا داوٗد علیہ السلام نے اوریاہ فوجی کی بیوی لینے کے لیے اسے جنگ میں مروادیا۔

-۳: وہ روایات جو پہلی اور دوسری قسم کے علاوہ ہو یعنی اسلامی شریعت نے نہ ان کی تصدیق کی ہو اور نہ تکذیب' ان میں زیادہ طور پر وہ روایات شامل ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متعلق نہیں ہوتا مثلاً یہ کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیا تھا؟ یا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کس درخت سے بنی تھی۔

اس سلسلے میں حدیث میں وارد ہے کہ: حَدِّثُوا عَنْ بَنِي اِسْرَائِیلَ وَلَا حَرَجَ (۴)۔

''بنی اسرائیل سے روایت نقل کیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال مالك: المراد جواز التحدث عنهم بما كان من أمر حسنٍ' أمّا ماعلم كذبه فلا' وقال الشافعي: من المعلوم أن النبي ﷺ لا يجيز التحدث بالكذب' فالمعنى: حدثوا عن بني إسرائيل بمالا تعلمون كذبه' وأمّاماتجوزونه فلاحرج عليكم في التحدث به عنهم (۵)۔

---

(۱) تلخیص المستدرک ۲:۶۱۵

(۲) وہ روایات ہیں جو یہود اور نصرانیوں سے مروی ہوں۔ یہ روایات ان دونوں فرقوں کی طرف سے آئی ہیں مگر یہودی روایات کی کثرت کی وجہ سے انہیں تغلیباً اسرائیلیات یا اسرائیلی روایت کا نام دیا گیا۔

(۳) صحیح بخاری' کتاب العلم [۳] باب ماذکر فی ذہاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر [۱۷] حدیث: ۷۴

(۴) صحیح بخاری' کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب ماذکر عن بنی اسرائیل [۵۰] حدیث: ۳۴۶۱

(۵) فتح الباری ۶: ۴۹۸-۴۹۹

''امام مالک (۱) نے فرمایا: کوئی اچھی بات اُن سے نقل کرنا درست ہے اور جس بات کے بارے میں علم ہو کہ جھوٹی ہے، سو یہ حدیث اس کے بارے میں اجازت نہیں دیتی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ جھوٹ بولنے کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتے، پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل سے وہ چیزیں نقل کیا کرو جس کا جھوٹا ہونا تمہیں ثابت نہیں اور جس کا جھوٹ ہونا ثابت ہو، اسے نقل نہ کرو۔''

یہ روایتیں تفسیر کی اکثر کتابوں میں پائی جاتی ہیں، یہاں تفسیر درمنثور سے اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

[۱] ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو جنت میں شَجَرَۃُ الْخُلْدِ سے منع کیا تھا۔ ابلیس انہیں ورغلانے کے لیے سانپ — جو اونٹ کی طرح چار ٹانگوں والا بڑا جانور تھا — کے منہ میں چھپ کر جنت کے اندر گیا اور ان کو ممنوعہ درخت کے کھانے پر اکسایا۔ اسے کھاتے ہی اُن کے کپڑے اتر گئے آدم علیہ السلام نے حواء سے کہا: عذابِ الٰہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ خود بھاگا تو ایک درخت نے اسے گھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا: وہ مٹی ملعون ہے جس سے تو پیدا ہوا اس پر ہمیشہ کانٹے دار درخت ہوں گے۔ حوا سے کہا: تیری سزا یہ ہے کہ تو حاملہ ہو کر تکلیف میں ہو گی اور جب بچہ جنے گی تو بھی تکلیف میں ہو گی اور ہر ماہ تجھ سے خون بہے گا۔ سانپ سے کہا: تو پیٹ پر چلے گا۔ مٹی تیرا خوراک ہو گا اور انسان تیرا اور تو اس کا دشمن ہو گا (۲)۔''

یہ روایت اس لیے نادرست ہے کہ اس کے راویوں میں سدی اور ابو صالح ہیں، جو کذاب اور وضاع تھے۔

---

(۱) مالک بن اَنس بن مالک، اصبحی، حمیری ابو عبد اللہ، امام دار الہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء کو وفات پائی۔ دینی امور میں متصلب اور امراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۳۵، الاعلام ۵: ۲۵۷]

(۲) تفسیر ابن جریر ۱: ۲۷۳، نص: ۷۴۳، درمنثور ۱: ۱۲۱-۱۲۱، بذیل: اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ.

[۲] امام طبرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: سیدنا آدم علیہ السلام جب زمین پر اتارے گئے تو ان کے پاؤں زمین اور سر آسمان میں تھا اور آسمان والوں کی باتیں سنتے تھے (۱)۔

[۳] امام طبری کی تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں: سیدنا آدم علیہ السلام جب ہند سے حج کی ادائیگی کے لیے جاتے تو جو جگہیں آپ کے قدموں کے نیچے آئیں وہ شہر اور درمیان والی جگہیں صحرا بن گئے (۲)۔

[۴] سیدنا آدم علیہ السلام کو ہند، حوا کو جدہ، ابلیس کو بیسان اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا (۳)۔

[۵] ہاروت و ماروت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دو فرشتے انسانی شکل میں لوگوں کے فیصلے کرنے کے لیے بابل شہر میں اتارے گئے جو زہرہ نامی ایک حسین عورت پر فریفتہ ہوئے اور اس سے خواہش پوری کرنے کا مطالبہ کیا۔ زہرہ نے شرک کرنے، شراب پینے اور ایک قتل کرنے کا مطالبہ کیا انہوں نے شراب پی کر وہ تمام گناہ کیے۔ سزا کے طور پر انہیں بابل شہر کے ایک ویران کنویں میں الٹا لٹکایا گیا جو قیامت تک اسی طرح ہوں گے اور زہرہ مسخ ہو کر آسمان پر ستارہ بن گئی (۴)۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارے میں فرمایا ہے:

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۞ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۞ (۵)

---

(۱) حافظ طبرانی کی کسی کتاب میں یہ روایت نہ مل سکی، البتہ اسے محدث عبدالرزاق نے مصنف ۵:۹۱، حدیث: ۹۰۹۰ میں عطاء بن ابی رباح کے نام سے نقل کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح کو یہ روایت کہاں سے ملی؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے اسے اَلْعَرْشُ وَمَافِیہا ۱:۳۹۵، حدیث: ۳۹ میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے، جس کا ایک راوی طلحہ بن عمرو بن عثمان حضرمی مکی ہے، جو متروک الحدیث ہے۔ [میزان الاعتدال ۲:۳۴۰، ترجمہ: ۴۰۰۸]

(۲) ابن جریر، تاریخ الطبری المعروف بتاریخ الامم والملوک ۱:۸۴، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء، درمنثور ۱:۱۲۶

(۳) تاریخ ابن جریر طبری ۱:۸۱، درمنثور ۱:۱۲۵ (۴) درمنثور ۱:۲۲۳

(۵) سورۃ الانبیاء ۲۱:۱۹-۲۰

''وہ [ملائکہ] جو اللہ کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں بلکہ شب و روز تسبیح کرتے ہیں اور دم نہیں لیتے۔''

- بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (۱)

''بلکہ [ملائکہ] معزز بندے ہیں۔''

- لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (۲)

''وہ اُس سے آگے بڑھ کر کام نہیں کرتے اور اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔''

- وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (۳)

''اور سب اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

- لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۴)

''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ اُن کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔''

- اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے اوصاف حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (۵)

''رحمٰن کے خاص بندے نہ تو کسی دوسرے اِلٰہ کو پکارتے ہیں اور نہ کسی شرعی جواز کے بغیر اس نفس کو قتل کرتے ہیں جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ ہی وہ زنا کرتے ہیں۔''

[٦] سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ ارادتاً بدکاری کا اقدام کیا تھا اور کپڑے اتار کر برائی شروع ہی کرنے والے تھے کہ غیب سے آواز آئی: یوسف! خیانت نہ کر (٦) ۔

---

(۱) سورۃ الانبیاء ۲۱:۲۶
(۲) سورۃ الانبیاء ۲۱:۲۷
(۳) سورۃ الانبیاء ۲۱:۲۸
(۴) سورۃ التحریم ۶۶:۶
(۵) سورۃ الفرقان ۲۵:۲۸
(٦) تفسیر ابن جریر طبری ۷:۱۸۲، در منثور ۴:۴۶۴-۴۶۵

مفسر خازن (۱) لکھتے ہیں: وأما ماروي عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: أنه جلس منها مجلس الخائن، فحاشا ابن عباس رضی اللہ عنہ أن يقول مثل هذا عن يوسف علیہ السلام ولعل بعض أصحاب القصص و الأخبار وضعوه عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و كذلك ماروي عن مجاهد و غيره أيضاً فإنه لا لايكاد يصح بسند صحيح (۲).

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس آیت کی جو تفسیر منسوب ہے اور اسے ہم درست بھی نہیں سمجھتے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام ایک خائن کی طرح بیٹھ گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ واعظین نے اسے وضع کر کے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اسے رواج دیا اسی طرح مجاہد کی طرف منسوب کر کے جو بات کہی گئی ہے اُس کی سند بھی صحت کے قریب نہیں پہنچ سکتی۔''

امام ابوسعود (۳) لکھتے ہیں: وماقيل بأنه علیہ السلام حل الهميان وجلس مجلس الختان وبأنه حل تكة سراويله وقعد بين شعبها ، و رؤيته للبرهان بأنه سمع صوتاً و رأى تمثال يعقوب علیہ السلام عاضاً على أنملته فخرجت شهوته مِن أنامله، إن كل ذلك إلَّا خرافات و أباطيل تمجها الآذان وتردها العقول السليمة و الأذهان ، ويل لمن لَا كَهَا و لَفِقَهَا و صدقها (۴).

---

(۱) علی بن محمد بن ابراہیم الشّیحی علاء الدین المعروف بالخازن، تفسیر وحدیث کے بڑے عالم تھے۔ شافعی فقیہ تھے۔ حلب کے ایک علاقے شیحہ سے منسوب ہو کر شیحی کہلائے۔ ۶۷۸ھ=۱۲۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک دمشق میں مقیم تھے جہاں کے مدرسہ سمیساطیہ میں کتب خانہ کے خازن تھے۔ ۷۴۱ھ=۱۳۴۱ء کو حلب میں وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۳:۹۷، الاعلام ۵:۵]

(۲) لباب التاویل ۳:۲۷۶

(۳) محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی، ابوالسعود، مفسر اور شاعر تھے۔ ترکی مستعربین میں سے تھے۔ ۸۹۸ھ=۱۴۹۳ء کو قسطنطنیہ کے قریبی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے متعدد شہروں کے سفر کیے۔ نہایت حاضر دماغ اور ذکی و فطین تھے۔ ۹۸۲ھ=۱۵۷۴ء کو وفات پائی اور سیدنا ابوایوب انصاری کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

[شذرات الذہب ۸:۳۹۸، الاعلام ۷:۵۹]

(۴) ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ۴:۲۶۶-۲۶۷

''یہ بات جو مشہور کی گئی ہے کہ اُنہوں نے اپنا ازار بند کھول کر اُس کے سامنے بیٹھ گئے' پھر ایک آواز سنی اور اپنے والد محترم کی شبیہ دیکھی جو اپنے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹ رہے تھے' یہ سب باتیں باطل خرافات ہیں۔ عقول اور اذہانِ سلیمہ ان کو قبول نہیں کرتے۔ وہ لوگ ہلاک ہوں جنہوں نے یہ باتیں وضع کی ہیں اور وہ لوگ بھی جو اِن کی تصدیق کرتے ہیں۔''

[۷] بعض دفعہ بالکل بے سروپا بات لکھتے ہیں اور قطعاً اس کا خیال نہیں رکھتے کہ یہ قواعد مسلمہ کے بالکل خلاف ہے' مثلاً تفسیر کے آخر میں سورۃ الخُلع اور سورۃ الحفد کے نام سے ایک مضمون پیش کرتے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی سورتیں ہیں حالانکہ یہ دونوں قرآن مجید کا حصہ نہیں اور اس لیے تو:

-امام بغوی لکھتے ہیں: و القرآنُ لایثبت بأخبارالآحاد (۱).

''[کسی عبارت کا] قرآن [ہونا] اخبار آحاد سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔''

-امام قرطبی لکھتے ہیں: القرآن لایثبت بأخبارالآحاد' وإنماطریقه التواترالقطعي الذي لا یُختلفُ فیه (۲).

''اخبارِ آحاد کے بل بوتے پر قرآن کریم کا ثبوت مہیا نہیں کیا جاسکتا' اس کے ثبوت کے لیے ایسی قطعی دلیل کی ضرورت ہوگی جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو''۔

-امام نووی فرماتے ہیں: أن القرآن لایثبت بخبرالواحد (۳).

''خبرِ واحد کی بنیاد پر کسی عبارت کو قرآن نہیں کہا جائے گا۔''

-امام بدرالدین زرکشی لکھتے ہیں: و لایجوزالقطع علی إنزال قرآنٍ ونسخه بأخبارآحادٍ' لاحجة فیها (۴).

''خبرِ واحد کے بل بوتے پر کسی چیز کو قرآن کہنا یا اُسے منسوخ قرار دینا جائز نہیں' اس میں دلیل نام کی کوئی شے نہیں۔''

---

(۱) شرح السنۃ ۹:۸۲' بذیل حدیث: ۲۲۸۴
(۲) تفسیر قرطبی ۱:۱۲۹-۱۳۰
(۳) شرح صحیح مسلم ۱۰:۳۰' بذیل حدیث: ۱۴۵۲
(۴) البرہان فی علوم القرآن ۲:۴۰' نوع: ۳۴

التَّفْسِيْرُ الْمَظْهَرِي = تفسیر مظہری

قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی تصنیف ہے۔

ثناء اللہ پانی پتی، قاضی حنفی مجددی، از اولادِ جلال الدین چشتی صابری پانی پتی [وفات: ۸۵۲ھ = ۱۳۴۸ء] ان کا نسب نامہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ پانی پت [مشرقی پنجاب] میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اس سلسلے میں دہلی گئے، جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [وفات: ۱۱۷۶ھ = ۱۷۶۲ء] سے حدیث سنی پھر صغر سنی ہی میں حافظ محمد عابد لاہوری سُنَّامی احمدی نقش بندی [وفات: ۱۱۶۰ھ = ۱۷۴۷ء] سے علم طریقت [نقش بندیہ] اخذ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد [اور ایک روایت کے مطابق حافظ محمد عابد کی ہدایت پر] مرزا مظہر جانِ جانان دہلوی [وفات: ۱۱۹۵ھ = ۱۷۸۱ء] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے علم طریقت [احمدیہ] حاصل کیا۔ مرزا مظہر جانِ جاناں اُن کے جوہر سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں عَلَمُ الْهُدَی [ہدایت کی نشانی] کا لقب دیا۔ مرزا مظہر جانِ جانان نے اُن کے حق میں ایک بار یہ بھی فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بروزِ محشر پوچھا کہ ہماری درگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو؟ تو عرض کروں گا کہ ثناء اللہ پانی پتی لایا ہوں۔

تحصیل علم کے بعد قاضی صاحب موصوف وطن پہنچے اور باقی عمر افتاء، تصنیف وتالیف اور نشرِ علوم میں گزار دی۔ متعدد نافع، مفید، مقبول اور مشہور کتب اُن کے قلم سے نکلیں۔ فقہ واصول میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے۔ تفسیر، کلام اور تصوف میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ پانی پت میں قضاء کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے انہیں بیهقیِ وقت کا خطاب دیا۔

قاضی ثناء اللہ نے یکم رجب ۱۲۲۵ھ = ۲-اگست ۱۸۱۰ء کو وفات پائی (۱)۔

---

(۱) مقامات مظہری: ۳۵۹، نزہۃ الخواطر ۷: ۱۲۸، ترجمہ: ۱۹۱، حدائق الحنفیۃ: ۴۸۳، تذکرہ علمائے ہند: ۱۴۲، ترجمہ ۱۰۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶: ۱۰۳۲، نیل السائرین: ۴۵۹.

قاضی صاحب نے تیس سے زیادہ تألیفات چھوڑیں، جن میں سب سے بڑی تفسیر مظہری ہے۔
التَّفسیر المَظهَري عربی زبان میں لکھی گئی دس اجزاء [سات جلدوں میں مجلد] پر مشتمل ہے، جو انہوں نے مرزا مظہر جانِ جانان کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا اور انہی کے نام سے مُعنوَنُ کی یہ تفسیر پہلے دہلی پھر دوسری بار حیدر آباد [دکن] سے دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

اس تفسیر کا رنگ محدثانہ اور حنفی مَذاق کے موافق ہے۔ متداوَل تفاسیر میں سے ابن جریر، بیضاوی اور بغوی کی طرف زیادہ اشارے ملتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے محمد بن اسحاق اور کلبی کی تألیفات پر بھی انحصار کیا ہے۔ قراآت کے سلسلے میں انہوں نے مشہور قاریوں کے علاوہ ہشام [ابوالولید] کو بھی قابل قبول سمجھا ہے، حالانکہ ہشام بن عمار سلمی ابوالولید اگرچہ صدوق اور بکثرت روایات بیان کرنے والے راوی تھے، مگر ان کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا اور دوسروں کا لقمہ و تلقین قبول کیا کرتے تھے۔ امام ابوداود کہتے ہیں: اس نے چار سو سے زیادہ بے اصل واَساس روایتیں بیان کی ہیں (۱)۔

یہ تفسیر بڑی حد تک اسرائیلی روایات سے پاک ہے۔ آیات کی تفسیر کے تحت جو اسرائیلی روایات مشہور ہیں، قاضی صاحب اُن کی تردید کرتے نظر آتے ہیں۔ ہاروت و ماروت اور چاہِ بابل کے بارے میں جو روایت مروی ہے اُس کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذه القصةُ من أخبار الآحاد، بل من الروايات الضعيفة الشاذَّةِ، ولا دلالة عليها في القرآن بشيءٍ، وفي بعض روايات هذه القصة ما يأباهُ العقلُ والنقل...... وأئمة النقل لم يصححوا هذه القصة، ولا أثبتوا روايتها...... قال العاصي: إنَّ هذه الأخبار لم يُرْوَ منها شيء صحيحٌ ولا سقيمٌ عن النبي ﷺ، وهذه الأخبار من كعب اليهود وإفترائهم (۲).

"اور یہ قصہ اخبارِ آحاد بلکہ ضعیف وشاذّ روایات میں سے ہے۔ قرآن مجید میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس قصہ کی بعض روایات تو ایسی ہیں کہ عقل و نقل دونوں اس سے انکار کرتی ہیں، ائمہ

---

(۱) میزان الاعتدال ۴:۳۰۲، ترجمہ: ۹۲۳۴
(۲) تفسیر مظہری ۱:۱۰۹

نقل نے اس قصہ کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور نہ اس کی روایت کو ثابت مانا ہے۔ گنہگار [قاضی ثناء اللہ]
کہتا ہے کہ ان روایات میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ یہ ساری کی ساری یہودیوں کی مفتریات میں سے ہیں۔"

نمونہ تفسیر

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (1) کے تحت لکھتے ہیں:

أي: لِيَغضُضنَ عما لايحِلُّ النظرإليه، وهذه الآية تدُلُّ على أنه لايجوزللمرأة النظر إلى الرجل الأجنبي مطلقاً، وبه قال الشافعي. وقال أبو حنيفة: جازلهاأن ينظرمن الرجل إلى ماينظرالرجل إليه إذاأمنت الشهوة. احتج الشافعي بحديث أم سلمة أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة رضي الله عنهما إذ أقبل ابن أم مكتوم رضي الله عنه فدخل عليه - وذلك ذلك بعدماأمرنابالحجاب - فقال رسول الله ﷺ: إحتجبامنه، فقلتُ يارسول الله! أليس هوأعمَى، لايبصرنا؟ فقال رسول الله ﷺ: أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه؟ رواه أحمد وأبوداود والترمذي، واحتجَّ أبو حنيفة بحديث ابن عباس رضي الله عنه قال: جاءت امرأة من خثعم عام حجة الوداع قالت: يا رسول الله! إنَّ فريضة الله على عباده في الحج، أدركتُ أبي شيخاً كبيراً، لايستطيع أن يستوي على الراحلة فهل يقضي عنه أن أحج عنه؟ قال: نعم، قال ابن عباس رضي الله عنه: كان الفضل ينظرإليها وتنظر إليه فجعل النبي ﷺ يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر. رواه البخاري، ورواه الترمذي من حديث علي رضي الله عنه نحوه، وزادَ: فقال العباس رضي الله عنه: لَوَّيتَ عنق ابن عمكَ؟ فقال: رأيتُ شاباً وشابةً فلم أمن عليهما الشيطان، صححه الترمذي. و استنبط ابن القطان من هذاالحديث: جواز النظر عندالأمن من الفتنة من حيث أنه لم يأمرها بتغطية وجهها، ولو لم يفهم العباس أنَّ النظر جائزة ما سأل، ولولم يكن ما فهم لما أقرَّهُ عليه و بحديث فاطمة بنت قيس

---

(1) سورۃ النور ۲۴: ۳۱

أنَّ زوجها طَلَّقَهَا فبَتَّ طلاقها فأمرها النبي ﷺ أن تعتد في بيت ابن أم مكتوم. وهذا يدُلُّ على جواز نظر المرأةِ إلى الأعمَى ونحوه يعني: عندالأمن من الشهوةِ[1]

''یعنی جس کو دیکھنا جائز نہیں اُس سے آنکھیں بند رکھیں۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عورت کے لیے اجنبی مردوں کو دیکھنا مطلقاً ناجائز ہے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر میلانِ صنفی کا اندیشہ نہ ہو تو عورت اجنبی مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو ایک مرد دوسرے مرد کا دیکھ سکتا ہے۔ امام شافعی نے اپنے قول کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ ایک بار سیدہ ام سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں پردے میں ہو جاؤ۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ نابینا نہیں ہیں؟ فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں[2]؟ امام ابوحنیفہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حجۃ الوداع کے سال خثعم قبیلہ کی ایک عورت آئی اور اُس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بندوں پر اللہ تعالیٰ نے جو حج فرض کیا ہے وہ میرے بوڑھے باپ پر [بھی عائد ہوتا ہے اور] ایسے وقت میں [اُس پر یہ فرض] عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ ٹھیک طرح سے سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا اگر میں اُس کے بدل میں حج کر لوں تو کیا اُس کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ فرمایا: ہاں! سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فضل [رضی اللہ عنہ جو اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے] اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی فضل [رضی اللہ عنہ] کی طرف دیکھ رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے فضل [رضی اللہ عنہ] کا منہ دوسری طرف پھیر دیا[3]۔ امام ترمذی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث اس طرح بیان کی ہے کہ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ

---

(۱) التفسیر المظھری ۶: ۴۹۲-۴۹۳

(۲) سنن ابی داود، کتاب اللباس [۲۶] باب فی قولہ عزوجل: وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ [۳۷] حدیث: ۴۱۱۲، سنن ترمذی، کتاب الادب [۴۴] باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال [۲۹] حدیث: ۲۷۷۸

(۳) صحیح بخاری، کتاب الاستئذان [۷۹] باب [۲] حدیث: ۶۲۲۸] صحیح مسلم، کتاب الحج [۱۵] باب الحج عن العاجز [۷۱] حدیث: ۴۰۷-[۱۳۳۴]

نے اپنے چچا کے بیٹے کا منہ موڑ دیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک جوان مرد کو [جوان عورت کی طرف] اور جوان عورت کو جوان مرد کی طرف نظر کرتے دیکھا، مجھے دونوں کے متعلق شیطان [کی مداخلت] کا اندیشہ ہوا اس روایت کو ترمذی نے صحیح کہا ہے (۱)۔ امام ابن قطان نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو [عورت کا مرد کی طرف] نظر کرنا جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے [اُس] عورت کو منہ چھپانے کا حکم نہیں دیا اور اگر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نظر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تو سوال نہ کرتے اور جو کچھ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے اگر وہ درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اس پر قائم نہ رکھتے۔ دوسری حدیث سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے آئی ہے کہ جب اُن کے شوہر نے طلاق دے دی اور قطعی طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کو سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ [نابینا] کے گھر میں ایام عدت بسر کرنے کا حکم دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت اجنبی نابینا مرد کو دیکھ سکتی ہے یعنی صنفی میلان کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے (۲)۔''

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الحج [۷] باب ماجاء ان عرفۃ کلھا موقف [۵۴] حدیث: ۸۸۵

(۲) تفسیر مظہری، اردو مترجم ترجمہ: مولانا عبدالدائم جلالی ۸: ۲۱۹

فصل سوم

تفسیر بالرأي

رأي کا اِطلاق عقل، اجتہاد، قیاس اور تفکر وتدبر پر کیا جاتا ہے اس لیے قیاس کے قائلین کو أصحاب الرأي کہا جاتا ہے۔ علامہ مُطَرِّزِي (۱) لکھتے ہیں:

والرأيُ: ما ارتآهُ الإنسانُ واعتَقَدَهُ، ومنه ربيعة الرأي - بالإضافة - فقيه أهل المدينة. وكذلك هلال الرأي بن يحيى البصري، صاحب الوقف (۲).

''رائے اُس نظریہ اور اِعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے، اسی سے - اضافت کے ساتھ - ربیعۃ الرأي (۳) ہے جو اہل مدینہ کے فقیہ تھے اور اسی طرح ہلال الرأي بن یحییٰ بصری - صاحب وقف - (۴)۔''

علامہ ابو الفضل قرشی (۵) نے لکھا ہے: دیدن بدل، وبینائی دل (۶)۔

---

(۱) ناصر بن عبد السید ابو المکارم بن علی، ابو الفتح، برہان الدین، خوارزمی، ادیب تھے۔ لغت کے عالم تھے۔ حنفی فقیہ اور معتزلی تھے۔ ۵۳۸ھ = ۱۱۴۴ء کو جرجانیہ [خوارزم] میں پیدا ہوئے۔ ۶۰۱ھ میں بغداد کا سفر کیا۔ ۶۱۰ھ = ۱۲۱۳ء کو وفات پائی۔ اُن کی وفات پر تین سو سے زائد مرثیے پڑھے گئے۔

[وفیات الاعیان ۵: ۳۶۹، ترجمہ: ۷۵۸، الاعلام ۷: ۳۴۸]

(۲) المُغرِب في ترتيب المُعرِب ۱: ۳۱۴، مادہ: الرأي.

(۳) ربیعۃ بن ابو عبد الرحمٰن [فروخ] التیمی بالولاء، ابو عثمان، امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور قیاس کے نہایت ماہر عالم تھے۔ نہایت سخی تھے۔ اپنے بھائیوں پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے تھے۔ اپنے زمانے میں سنت نبوی کے بہت بڑے محافظ تھے۔ امام مالک نے اُن سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۶ھ = ۷۵۳ء کو ''ہاشمیہ'' [انبار] میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۵۷، ترجمہ: ۱۵۳، الاعلام ۳: ۱۷]

(۴) ہلال بن یحییٰ بن مسلم بصری، حنفی فقیہ تھے۔ فراخی علم اور بکثرت قیاس کرنے سے ہلال الرأي کہلائے۔ قاضی ابو یوسف، امام زفر، امام ابو عوانہ اور امام ابن مہدی کے شاگرد رہے ہیں۔ شروط اور احکام وقف سے متعلق کتابیں لکھیں۔ ۲۴۵ھ = ۸۵۹ء کو وفات پائی۔ [تاج التراجم ۱۲: ۳۱۲، ترجمہ: ۳۰۹، الاعلام ۸: ۹۲]

(۵) حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے۔ (۶) صراح مع قراح: ۵۵۹

''رائے، دل کی بصیرت و بینائی کو کہتے ہیں۔''

قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر مطلوب و مقصود ہے' اس لیے ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱)

''یہ نہایت مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کے آیات میں تدبر [غور و فکر] کریں اور صاحبِ عقل اس سے یاد دہانی حاصل کریں۔''

یہ بھی ارشاد ہے کہ: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۲)

''تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے' یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟''

دلوں کو زندہ کرنے والی چیز قرآن مجید ہے بشرطے کہ اس پر تدبر کیا جائے' لیکن قدر ناشناس لوگ اس پر غور نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دلوں کو جو زنگ لگتے ہیں وہ اس طرح ان کے دلوں پر چڑھ گئے ہیں جس طرح قفل سے دروازے بند ہو جاتے ہیں اسی طرح ان کے دل بھی اس زنگ سے بند ہو چکے ہیں۔

لفظ قُلُوْبٌ کی تنکیر یہاں اظہارِ نفرت و کراہت کے لیے ہے' گویا یہ دل ایسے قابل نفرت اور گھنونے ہیں کہ متکلّم کو تعین کے ساتھ ان کی طرف اشارہ بھی گوارہ نہیں۔

اجتہاد بالرائے کی تحسین کرنے کے باوجود حدیث میں وارد ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۳)

''جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔''

اور ایک روایت میں ہے: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ [كِتَابِ اللّٰهِ] بِرَأْيِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ (۴)

''جس نے قرآن مجید [کی تفسیر] میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اُس کی بات درست بھی نکلی تو اُس

---

(۱) سورۃ ص ۳۸:۲۹ (۲) سورۃ محمد ۴۷:۲۴

(۳) سنن ترمذی' کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ [۱] حدیث: ۲۹۵۰

(۴) سنن ابی داود' کتاب العلم [۱۹] باب الکلام فی کتاب اللّٰہ بغیر علم [۵] حدیث: ۳۶۵۲' سنن ترمذی' کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ [۱] حدیث: ۲۹۵۱' ۲۹۵۲

نے خطاً [غلطی] کی۔

امام ترمذی ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: هكذا رُوِيَ عن بعض أصحاب النبي ﷺ وغيرهم أنهم شَدَّدُوا في هذا في أن يفسر القرآن بغير علمٍ، و أما الذي رُوِيَ عن مجاهد وقتادة وغيرهما من أهل العلم أنهم فَسَّرُوا القرآن، فليس الظن بهم أنهم قالوا في القرآن أو فسَّروهُ بغير علمٍ أو من قِبَلِ أنفسهم، وقد رُوِيَ عنهم ما يدُلُّ على ماقلنا أنهم لم يقولوا من قِبَلِ أنفسهم بغير علمٍ، و قد تَكَلَّمَ بعضُ أهل الحديث في سهيل بن أبي حزم (۱).

''بغیر علم کے تفسیر قرآن مجید کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے سخت وعید منقول ہے۔ مجاہد اور قتادۃ وغیرہ نے قرآن مجید کی جو تفسیر کی ہے، اُس کے بارے میں یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے بغیر علم کے یا اپنی طرف سے کوئی تفسیر کی ہو اور اُن سے بھی علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ اُنہوں نے اپنی طرف سے کوئی تفسیر نہیں کی (۲)۔ حدیث کا علم رکھنے والے بعض علماء نے سہیل بن ابی حزم کے بارے میں کلام کیا ہے (۳)۔''

-علامہ ابن الانباری، نحوی، لغوی (۴) کتاب الرد میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی دو تفسیریں ہیں:

---

(۱) سنن ترمذی ۵:۱۸۴، تحت حدیث: 2952

(۲) یہ امام ترمذی کا حسن ظن ہے، ورنہ ''مجاہد اور تفسیر عقلی'' کے تحت جو مثالیں آپ نے پڑھی ہیں، وہ تفسیر بالرأي المذموم ہی کے زمرہ میں آتی ہیں۔

(۳) اس سے پہلی روایت بھی ضعیف ہی ہے اس لیے کہ اس کا راوی عبد الاعلی بن عامر بھی ضعیف ہی ہے اور شاید اس وجہ سے امام ابن العربی المالکی نے لکھا ہے:

قلنا: ليس في الوعيد على ذلك حديث صحيح. [قانون التاويل: ۶۵۹]

''ہم کہتے ہیں: رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کی وعید کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔''

(۴) محمد بن القاسم بن محمد بن بشار، ابو بکر الانباری، اپنے زمانے میں ادب اور لغت کے بہت بڑے امام تھے۔ ۲۷۱ھ=۸۸۴ء کو فرات کے ساحلی گاؤں اَنبار میں پیدا ہوئے۔ یہ بات مشہور تھی کہ اُنہیں قرآن مجید کے شواہد تین سو ہزار اَشعار زبانی یاد تھے۔ ۳۲۸ھ=۹۴۰ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۳:۱۸۱، الاعلام ۶:۳۳۴]

أحدهما: مَن قال في مشكل القرآن بما لايُعرفُ من مذهب الأوائل من الصحابة و التابعين فهو متعرض لسخط الله. **والجواب الآخر** -وهو أثبت القولين و أصحهما معنىً- مَن قال في القرآن قولاً يعلم أنَّ الحق غيره فليتبو أمقعده من النار (۱) .

''ایک یہ کہ جس نے مشکل القرآن کے بارے میں کوئی ایسی رائے قائم کی جو اسلاف یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام کا مذہب نہ رہا ہو تو ایسا شخص خود کو اللہ تعالیٰ کی عذاب میں مبتلا ہو جانے کے لیے سامان مہیا کرتا ہے اور دوسرا جواب- جو ان دونوں میں نسبتاً زیادہ صحیح اور ٹھوس ہے- یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید کی تفسیر میں کوئی ایسی بات کہی کہ وہ جانتا ہے کہ حق بات وہ نہیں بلکہ دوسری ہے تو ایسا شخص جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا رہا ہے۔''

آپ یہ بھی فرماتے ہیں: حمل بعض أهل العلم هذاالحديث على أنَّ الرأي مَعْنِيٌّ به الهَوَى، من قال في القرآن قولاً يوافقُ هواهُ لم يأخذه عن أئمة السلف فأصاب فقد أخطأ بحكمه على القرآن بما لايعرف أصله، ولايقف على مذاهب أهل الأثر والنقل فيه (۲) .

''بعض اہل علم نے یہ حدیث اس پر محمول کیا ہے کہ رائے سے مراد ہویٰ [اپنی پسندیدہ رائے ہے] جو شخص ایسی بات کرے جو اُس کی خواہشِ نفس کے موافق ہو اور ائمہ سلف سے مأخوذ نہ ہو تو اگر وہ صحیح بھی ہو پھر بھی خطأ [غلط] ہے اس لیے کہ اُس نے قرآن مجید کی طرف وہ حکم منسوب کیا ہے جس کی بنیاد اُسے معلوم نہیں اور اہل نقل واثر کی مذہب پر مبنی نہیں۔''

-امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: و ذكر بعض المحققين أن المذهبين هماالغلو و التقصير، فمن اقتصر على المنقول اليه فقد ترك كثيراً مما يحتاج اليه، و مَن أجازَ لكل أحد

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، القرطبی ۱:۶۷، باب ماجاء من الوعيد في تفسير القرآن بالرأي

(۲) الفقيه والمتفقه ۱:۵۷، الجامع لاحکام القرآن، القرطبی ۱:۶۷

الخوض فيه فقد عرضه للتخليط ' و لم يعتبر حقيقة قوله تعالى: لِيَدَّبَّرُوا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْاَلْبَابِ' والواجب أن يبين أوّلاً ماينطوي عليه القرآن' ومايحتاج اليه المفسرمن العلوم (۱).

''یہ دونوں مذاہب دراَصل اِفراط وتفریط پرمبنی ہیں۔جس نے صرف مأثور ومنقول تفسیر پرانحصار کیا اُس نے تفسیر کے نہایت ضروری حصہ کونظر اَنداز کردیا اور جس نے ہرکس وناکس کوتفسیر قرآن مجید کی اجازت دی اُس نے کتابِ عزیز کو اِختلاط وامتزاج کانشانہ بنایا' گویا اُس نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ''لِيَدَّبَّرُوا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْاَلْبَابِ'' کا صحیح مفہوم ہی نہیں سمجھا۔''

-حافظ ابن قیم (۲) لکھتے ہیں: أنّ الرأي نوعان: **أحدهما**: رأيٌ مجردٌ لادليل عليه' بل هو خَرصٌ و تخمينٌ' فهذاالذي أعاذ الله الصديق و الصحابة منه' **والثاني**: رأيٌ مستنِدٌ إلى استدلال و استنباط من النَّصِّ وحده ' أو من نص آخرمعه ' فهذا مِن ألطَفِ فَهم النصوص وأدقه (۳).

''رائے [اوراجتہاد] کی دوقسمیں ہیں: ایک تو ایسی مجرد رائے ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو بلکہ محض ظن وتخمین کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو۔اِس رائے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ مانگی ہے اور دوسری وہ رائے ہے جس کا استدلال واستنباط کسی دوسری نص سے کی گئی ہو تو یہ نہایت لطیف اور دقیق فہم نصوص کا نتیجہ ہے۔''

---

(۱) مقدمة التفسير: ۲۰۴

(۲) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زُرعی' دمشقی' ابوعبداللہ' شمس الدین' اکثر وبیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی' ۶۹۱ھ=۱۲۹۲ء کو پیدا ہوئے۔اپنے دور کے بہت بڑے محدّث' مفسر' فقیہ اور متکلم تھے۔امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔۷۵۱ھ=۱۳۵۰ء کو وفات پائی۔ [البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۲۲۱' البدر الطالع ۲: ۱۴۳-۱۴۶' الاعلام ۶: ۵۶]

(۳) اَعلام الموقعین عن رب العالمین: ۴: ۷۷

تفسیر بالرأي کی قسمیں

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرأي کی دو قسمیں ہیں:

-تفسیر بالرأي المحمود [پسندیدہ اور عمدہ رائے سے قرآن مجید کی تفسیر]

-تفسیر بالرأي المذموم [غیر پسندیدہ اور مذموم رائے سے قرآن مجید کی تفسیر]

پسندیدہ اور عمدہ رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کے شرائط

تفسیر بالرأي کی جائز قسم کو تفسیر بالرأي المحمود کہا جاتا ہے۔ اس کے مفہوم میں اہل لغت کا لغت کی روشنی میں، اہل نحو کا علم نحو کی روشنی میں اور فقہاء و مجتہدین کا معانی و مفاہیم اور استنباط و استدلال پر مبنی تفسیریں شامل ہیں۔ جو شخص قواعد و ضوابط کے مطابق اجتہاد سے کوئی بات کرتا ہے تو وہ مجرد رائے سے بات کرنے والا نہیں کہا جا سکتا اس سلسلے میں مفسرین نے چند علوم میں ماہر ہونے کی شرط لگائی ہے تاکہ اُن کی روشنی میں قرآن مجید کی پسندیدہ تفسیر کیا جا سکے۔ یہ علوم کسی مفسر کے لیے بمنزلہ آلات و اسباب کے ہیں جو مفسر کو غلطی میں پڑنے سے محفوظ رکھتے ہیں، جن میں سے چند ایک شرائط یہ ہیں:

[ا] علم لغت: مجاہد فرماتے ہیں: لاَ یَحِلُّ لأحدٍ یؤمنُ باللّٰهِ و الیومِ الآخرأن یتکلم في کتاب اللّٰه إذا لم یکن عالماً بلغات العرب (۱).

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس کے لیے حلال نہیں کہ لغتِ عرب میں مہارت حاصل کیے بغیر قرآن مجید میں رائے زنی کرے۔''

امام مالک فرماتے ہیں: لا أوتِي برجل یُفَسِّرُ کتاب اللّٰه غیر عالم بلغة العرب إِلَّا جَعَلتُه نَکَالاً (۲).

---

(۱) البرہان فی علوم القرآن ۱:۲۹۲

(۲) شعب الایمان ۲:۴۲۶، روایت: ۲۲۸۷، البرہان فی علوم القرآن ۱:۲۹۲، الاتقان ۴:۱۶۴، نوع: ۷۸

''میرے سامنے اگر کوئی ایسا شخص لایا جائے جو لغتِ عرب میں مہارت رکھے بغیر کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اسے نمونہ عبرت بناؤں گا۔''

[۲] علم نحو: علم نحو میں مہارت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس لیے کہ اِعرابی حالت کی تبدیلی سے معنی میں فرق آجاتا ہے' چنانچہ حسن بصری (۱) سے دریافت کیا گیا:

الرجلُ يتعلم العربية 'يلتمس بها حسن المنطق' ويقيم بها قراء ته؟ فقال: حَسَنٌ يا ابن أخي فتعلمها' فإن الرجل لَيقرأُ الآية فيعيا بوجهها فيهلك فيها (۲).

''اگر کوئی شخص عربیت میں مہارت حاصل کرنا چاہے کہ وہ اچھی طرح گفتگو کر سکے اور قراءت کو درست کر سکے؟ تو آپ نے فرمایا: بھتیجے! بہتر ہے۔ تمہیں عربیت سیکھنا چاہیے' اس لیے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک آیت تلاوت کرتا ہے اور اس کو غلط معنی پہنا کر اپنی ہلاکت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔''

اور حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وعلى النَّاظر في كتاب الله تعالى' الكاشف عن أسراره: النظر في الكلمة وصيغتها ومحلها' ككونها مبتدأً أو خبراً' أو فاعلاً أو مفعولاً' أو في مبادئ الكلام أو في جواب' إلى غير ذلك (۳).

''جو شخص کتاب اللہ کا مطالعہ کرتا اور اُس کے اَسرار معلوم کرنا چاہتا ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ ہر

(۱) ابوسعید حسن بن ابی الحسن یسار بصری' مشہور تابعی ہیں۔ علم' زہد' تقوی اور عبادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے والد ماجد یسار سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مدینہ منورہ میں ۲۱ھ = ۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سایہ عاطفت میں رہے۔ بصرہ میں سکونت پذیر تھے۔ ۱۱۰ھ = ۷۲۸ء کو فوت ہوئے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: کثرت سے تدلیس کیا کرتے تھے اس لیے اُن کی معنعن روایت مقبول نہیں۔ حسن بصری کبھی کبھار سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے عَــن کے ساتھ روایت کرتے ہیں حالانکہ اُن کی سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ثابت نہیں ہے اس لیے اُن کی روایات منقطع ہوتی ہیں۔

[وفیات الاعیان ۲:۶۹' میزان الاعتدال ۱:۵۲۷' الاعلام ۲:۲۲۶]

(۲) فضائل القرآن' ابوعبید قاسم بن سلاّم: ۲۱۰-۲۱۱' باب اِعراب القرآن [۵۳]' الاتقان ۲:۲۱۵' نوع: ۴۱

(۳) الاتقان فی علوم القرآن ۲:۲۱۵' نوع: ۴۱

لفظ کے صیغہ اور اُس کے محل پر بھی غور کرے' یعنی دیکھے کہ مبتدا ہے یا خبر' فاعل ہے یا مفعول اور مبادی کلام[کلام کے ابتدائی حصوں] میں سے ہے [یا کسی سابقہ کلام کا] جواب ہے اور اسی طرح کی دوسری باتوں کے معلوم کرنے کی سعی کرے۔''

[۳] علم صَرف: حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وَمَن فاتَهُ عِلمَهُ فاتَه المُعظَّمُ' لأنَّ "وَجَدَ" مثلاً كلمةٌ مُبُهمَةٌ' فإذا صَرفناها اتَّضحت بمصادرها(۱).

''جس شخص نے صَرف کا علم حاصل نہیں کیا اُس کے ہاتھ سے ایک بڑی عظیم الشان چیز جاتی رہی کیونکہ مثلاً حرف وَجَدَ ایک مبہم کلمہ ہے تو جس وقت ہم اس کی گردان کریں گے' وہ اپنے مصدروں کے ذریعے واضح ہوتا چلا جائے گا۔''

علامہ زمخشری (۲) لکھتے ہیں: وَمِن بِدَعِ التَّفاسِير: أنَّ الإمام جمع أمٍّ' وأنَّ النَّاسَ يُدعَونَ يومَ القيامة بأمهاتهم' وأنَّ الحكمةَ في الدُّعاءِ بالأمهات دون الآباء رعاية حق عيسى عليه السلام' واظهارُ شرف الحسن والحسين ' وأن لا يفتضح أولاد الزنا. وليت شعري أيهما أبدع: أصحة لفظه أم بَهاءُ حكمته(۳).

''بدعی تفاسیر میں سے ایک یہ ہے [جو يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ .سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۱ کے تحت ذکر کی گئی ہے کہ] اِمَامٌ، اُمٌّ [ماں] کی جمع ہے اور [روزِ قیامت] ماؤں کے نام سے پکارنے اور آباء کے ناموں نہ پکارنے میں حکمت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا خیال رکھنا ہے [کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے اور اسی طرح] سیدنا حسن (۴) اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما (۵) کے شرف وعزت کا اظہار مقصود ہے اور

---

(۱) حافظ سیوطی نے اسے امام ابن فارس کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔[الاتقان ۴: ۱۶۷' نوع: ۷۸]
جب کہ حافظ ابن صلاح نے اسے المعافی بن زکریا نہروانی کا قول کہہ کر لکھا ہے۔[مقدمۃ ابن الصلاح: ۲۰۰]
(۲) ان کا ترجمہ آگے متن میں مذکور ہوگا۔
(۳) تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل ۲: ۶۸۲' البرہان ۱: ۲۹۸-۲۹۹' الاتقان ۴: ۱۶۷
(۴) حسن بن علی رضی اللہ عنہما' ہاشمی قرشی ابو محمد' پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ ۳ھ = ۶۲۴م کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ عاقل' حلیم' فصیح وبلیغ اور بہت حسین وجمیل تھے۔ مکہ معظّمہ کو پیدل جا کر ۲۲ حج ادا کیے۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو وفات پائی۔
......

اولادِ زنا کی پردہ پوشی۔ کاش! مجھے علم ہوتا کہ ان دونوں میں کون سی تفسیر زیادہ بدعت ہے: صحت لفظی [کیوں کہ اُمٌّ [ماں] کی جمع اُمَّھَاتٌ ہے، نہ کہ اُمٌّ] یا حکمت وفلسفہ کی تابانی؟"

امام قرطبی لکھتے ہیں: یہ [امام کو اُم کی جمع کہنا] نہایت کمزور ہے اس لیے کہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے: إذا جمع الله الأولين و الآخرين يوم القيامة يُرفعُ لكل غادرٍ لواءٌ فيقال: هذه غدرة فلان بن فلانٌ خرَّجه مسلم و البخاري (۱). فقوله: هذه غدرة فلان دليلٌ على أن الناس يُدعونَ في الآخرة بأسمائهم و أسماء آبائهم، وهذا يَرُدُّ على مَن قال: إنما يدعونَ بأسماءِ أمهاتهم، لأنَّ في ذلك ستراً على آبائهم (۲).

"جب روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع فرمائیں گے تو ہر دھوکہ باز کے لیے ایک ایک علم اُٹھایا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ دہی ہے۔ پس ارشادِ نبوی: هذه غدرة فلان اس بات کا بین ثبوت ہے کہ روزِ قیامت سارے لوگ اُن کے آباء کے ناموں سے پکارے جائیں گے اور اس میں اُن لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ پردہ پوشی کی خاطر لوگوں کو اُن کے ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔"

[۴] علم اِشتقاق: حافظ سیوطی لکھتے ہیں: اس علم کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ: لأنَّ الإسمَ إذا كان اشتقاقه مِن مادَّتين مختلفتين، اختلف المعنى باختلافهما، كالمسيح، هل هو من السياحةِ أو المسح (۳).

...... [الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱: ۳۲۸، الاعلام ۲: ۱۹۹]

(۵) حسین بن علی رضی اللہ عنہما، ہاشمی قرشی ابو محمد، ۴ھ = ۶۲۵ م کو مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ کو ظلماً شہید کیے گئے۔

[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱: ۳۳۲، الاعلام ۲: ۲۴۳]

حواشی صفحہ ہذا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب [۷۸] باب مایدعی الناس بآبائہم [۹۹] حدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر [۳۲] باب تحریم الغدر [۴] حدیث: ۹-[۱۷۳۵] واللفظ لہ.

(۲) تفسیر القرطبی ۱۰: ۲۵۸ (۳) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۶۷

''جب کوئی اسم دو مختلف مادوں سے مشتق ہو تو اس کے مشتقات سے مادہ کے فرق و اختلاف کا علم ہو جاتا ہے' مثلاً: مسیح' کہ یہ سیاحت سے ہے یا مسح ہے۔''

پہلے مادہ کے اعتبار سے مسیح کے معنی ہوں گے: سیاحت کرنے والا اور دوسرے مادہ کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے: ''چھونے والا'' جس کے چھونے سے مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ اس معنوی فرق کا پتا علم اشتقاق سے چلا۔''

[۵-۷] علم البلاغۃ [معانی' بیان' بدیع]: حافظ سیوطی لکھتے ہیں: علم معانی سے کلام کی ترکیبوں کے خواص کی معرفت اُن کے معانی کا فائدہ دینے کی جہت سے حاصل ہوتی ہے۔ علم بیان سے تراکیبِ کلام کی معرفت اور وضوح و خفاءِ دلالت کے خواص کا علم ہو جاتا ہے جب کہ علم بدیع وجوہ تحسین کلام کی معرفت کا سبب ہوتا ہے(۱)۔

[۸] علم القراءات: یہ علم اس لیے ضروری ہے کہ اس کی معرفت سے کسی آیت کی تفسیر میں امکانی وجوہ میں کسی ایک کو ترجیح دینا ممکن ہو جاتا ہے(۲)۔

[۹] علم اصول الدین: حافظ سیوطی لکھتے ہیں: أصول الدين' بما في القرآن من الآيات الدالة بظاهرها على ما لا يجوز على الله تعالى ' فالأصولي يُؤَوِّلُ ذلك ' و يستدلُّ على ما يستحيل' و مايجب' و مالا يجوز(۳).

''یہ علم اس وجہ سے ضروری ہے کہ قرآن مجید میں کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے اس طرح کی باتوں پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہیں۔ لہٰذا اصولی [یعنی: علم اصولِ دین کا عالم] ان کے تأویل کر کے ناممکن' واجب اور جائز ہونے والی باتوں پر استدلال کرے گا۔''

[۱۰] علم اصول فقہ: اس لیے کہ اسی علم کے وسیلہ سے اَحکام اور استنباط پر دلیلیں قائم کرنے کی وجہ معلوم ہوتی ہے(۴)۔

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۶۸
(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۶۹
(۳) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۶۹
(۴) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۶۹

[۱۱]علم اسباب نزول اور قصص: اس لیے کہ سبب نزول ہی کے ذریعہ سے آیت کے وہ معنی معلوم ہوا کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ آیت نازل کی گئی ہے (۱)۔

[۱۲]علم الناسخ والمنسوخ: تا کہ محکم آیات کو منسوخ آیات سے الگ کر کے معلوم کیا جا سکے (۲)۔

[۱۳]علم فقہ (۳)

[۱۴]اُن احادیث کا علم جو مجمل اور مبہم آیات کی تفسیر و تبیین کرتی ہیں (۴)۔

[۱۳]علم الموہبۃ: حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وھو علمٌ یورثه الله تعالى لمن عمل بماعلم، وإليه الإشارة بحديث: مَن عَمِلَ بِمَا عَلِمَ ورَّثَهُ الله علمُ مالَم يَعلَمُ (۵).

''وہبی، ایسا علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے عالم با عمل بندوں کو عطا فرماتے ہیں اور حدیث: مَن عَمِلَ بِمَا عَلِمَ ورَّثَهُ الله علمُ مالَم يَعلَمُ (۶). ''جس نے [اپنے] علم پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اُس علم کا بھی وارث بنائیں گے، جسے یہ نہیں جانتا'' میں اس کی طرف اشارہ ہے۔''

آگے حافظ سیوطی نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ علم وہبی تو ایک مشکل امر ہے نیز یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی قدرت میں نہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ صاحب موصوف کہتے ہیں: یہ گمان درست نہیں اور اس کا حصول ناممکن اور محال نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کے چند طریقے ہیں۔ اگر ان پر کوئی عمل پیرا ہو جائے تو علم وہبی اسے حاصل ہو سکتا ہے اور پھر امام زرکشی کے حوالے سے لکھتے ہیں: إعلم أنه لايحصل للناظرفَهُمُ معاني الوحي حقيقةً ولايظهرله أسراره وفي قلبه بدعةٌ، أو كبرٌ أوهوىً، أوحُبّ الدنيا، أوهو مصرٌ على ذنبٍ، أوغير متحقق بالإيمان، أوضعيف التحقيق، أويعتمد على قول مفسرليس عنده علم إلّا بظاهر، أويكون راجعاً

(۱-۵) الاتقان فی علوم القرآن ۴:۱۶۹

(۶) یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہ مل سکی، البتہ اسے حافظ ابونعیم نے عبدالواحد بن زید کے حوالے سے اس طرح لکھا ہے کہ: کان يقال: مَن عَمِلَ بِمَا عَلِمَ ورَّثَهُ الله علمُ مالَم يَعلَمُ یعنی کہا جاتا تھا کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اس علم کا بھی وارث بنائیں گے جسے یہ نہیں جانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابونعیم اس کو حدیثِ نبوی نہیں کہتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ عبدالواحد بصرے کا ایک قصہ گو واعظ تھا۔ بد مذہب تھا اور سچا نہیں تھا۔[احوال الرجال، جوزجانی:۱۱۶، ترجمہ:۱۸۹]

إلى معقوله. وهذه كلها حجبٌ وموانع. بعضها آكدُ من بعض (۱).

''خوب جان لیجئے کہ وحی کے اَسرار ورُموز کسی شخص پر اُسی وقت منکشف ہو سکتے ہیں جب اس کا دل ودماغ، بدعت، کبر، ہوا وہوس اور حبِ دنیا سے خالی ہو۔ جب کوئی شخص کسی گناہ کے کرنے پر مُصِر ہو، یا ضعیف الایمان ہو، یا کسی جاہل مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو، یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھتا ہو تو اُس پر وحی الٰہی کا راز کھل نہیں سکتا۔ یہ سب حجابات اور موانع ہیں جن میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ پختہ اور سنگین ہیں۔''

مشہور کتب تفسیر بالرأی المحمود

– مفاتیح الغیب = تفسیر کبیر –

امام محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری، ابوعبداللہ فخر الدین رازی۔ اپنے زمانے میں معقول اور علوم اوائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبرستان سے تعلق تھا۔ ''رے'' میں ۵۴۴ھ = ۱۱۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ہرات میں ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات ہوئے۔ اُن کا سبب وفات یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرقہ کرامیہ اور آپ کے درمیان عرصہ دراز سے نزاع وجدال بپا تھی۔ آپ اُن کو برا بھلا کہتے اور اُن کی تکفیر کرتے ہیں اور وہ آپ کی توہین کرتے ہیں چنانچہ اُنہوں نے آپ کو زہر دے کر نجات حاصل کی (۲)۔

اس تفسیر کے بارے میں منقول ہے: وهو كبيرٌ جدًا لكنه لم يكمله (۳).

''یہ بہت بڑی ضخیم تفسیر ہے لیکن امام رازی اسے پورا نہ کر سکے۔''

تفسیر کبیر کو کس نے مکمل کیا؟ اس سوال کا شافی اور کافی جواب ملنا مشکل ہے اس لیے کہ اس ضمن میں کئی باتیں ہیں:

---

(۱) البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۸۰-۱۸۱، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۶۹

(۲) وفیات الاعیان ۴: ۲۴۸، الاعلام ۶: ۳۱۳

(۳) وفیات الاعیان ۴: ۲۴۹

۱- اس تفسیر میں آیت کریمہ: جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱) کے تحت درج ہے کہ:

المسألة الأولى: أصولية ذكرها الإمام فخر الدين رحمه الله في مواضع كثيرة، ونحن نذكر بعضها (۲).

"پہلا اصولی مسئلہ: جسے امام فخر الدین رازی نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے جس میں سے کچھ کا ہم ذکر کیے دیتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی سورۃ الواقعۃ کی تفسیر تک نہیں پہنچے تھے جب کہ آیت کریمہ: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (۳)" کے تحت تفصیلی مباحث کے بعد لکھتے ہیں:

وقد حققنا الكلام في هذا الدليل في تفسير قوله تعالى: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (۴) فليرجع إليه في طلب زيادة الإتقان (۵).

"اس دلیل کے بارے میں ہم نے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے تحت تحقیقی گفتگو کی ہے، پس جو زیادہ اتقان اور پختگی کا طالب ہو وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سورۃ البینۃ کی تفسیر تک پہنچے تھے (۶)۔

۲- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام فخر الدین کی تفسیر کو احمد بن محمد بن ابی الحزم مکی نجم الدین

---

(۱) سورۃ الواقعہ ۵۶:۲۴ (۲) تفسیر کبیر ۱۰:۳۹۸ (۳) سورۃ المائدۃ ۵:۶

(۴) سورۃ البینہ ۹۸:۵ (۵) تفسیر کبیر ۴:۲۹۹، مسئلہ: ۵

(۶) ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے: أمّا إحالةُ الفخر على ما كتبه في سورة البينة فهذا ليس بصريح في أنه وصل إليها في تفسيره، إذ لعله كتب تفسيراً مستقلاً لسورة البينة أو لهذه الآية وحدها، فهو يشير إلى ما كتب فيها ويحيل عليه. أقول هذا وأعتقد أنه ليس حلاً حاسماً لهذا الإضطراب، وإنما هو توفيقٌ يقوم على الظن، والظنُّ يخطئُ ويُصيبُ. [التفسیر والمفسرون ۱:۱۹۲]

"امام رازی کا سورۃ البینہ کی تفسیر کا حوالہ دینا اس باب میں تصریح نہیں کہ انہوں نے سورۃ البینہ تک تفسیر لکھی ہو بلکہ ممکن ہے کہ اُنہوں اس سورۃ یا خاص اس آیت کی تفسیر لکھی ہو جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ اس اضطراب کا مکمل حل نہیں، صرف خارجی قرائن کی بنیاد پر میں نے ان دونوں اقوال میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، جو غلط بھی ہوسکتی ہے اور درست بھی۔"

مخزومی قمولی[وفات:۷۲۷ھ بعمر:۸۰سال] نے مکمل کیا[1]۔

جب کہ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: وصَنَّفَ الشيخ نجم الدين أحمد بن محمد القمولي تكملة له، وتوفي سنة ٧٢٧، وقاضي القضاة شهاب الدين بن خليل الخويي الدمشقي كمل ما نقص منه أيضاً وتوفي سنة ٦٣٩[2].

''شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی[وفات:۷۲۷ھ] نے تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا، جو حصہ ناقص تھا اس کی تکمیل قاضی شہاب الدین بن خلیل الخویی الدمشقی[وفات:۶۳۹ھ] نے کیا۔''

-۳: ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں: وجدنا على هامش كشف الظنون ما نصه: الذي رأيته بخط السيد مرتضى نقلاً عن شرح الشفاء للشهاب أنه وصل فيه إلى سورة الأنبياء[3]

''ہم نے کشف الظنون کے حاشیہ میں یہ عبارت دیکھی ہے: ''میں نے سید مرتضیٰ کے خط میں شہاب خفاجی کی شرح شفاء کے حوالے سے دیکھا ہے کہ وہ اس میں سورۃ الانبیاء تک پہنچے تھے۔''

-۴: اور مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے کشف الظنون کے حوالے سے لکھا ہے:

''امام رازی نے یہ تفسیر سورۃ الفتح تک لکھی تھی کہ وفات ہوگئی، چنانچہ سورۃ الفتح کے بعد ایک دوسرے عالم قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقی، متوفیٰ ۶۳۹ھ یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی، متوفیٰ ۷۷۷ھ نے مکمل فرمایا[4]۔''

مگر کشف الظنون کے متداول نسخہ میں ''سورۃ الفتح'' تک کا ذکر نہیں اور نہ وہ گومگو کی کیفیت ہے جسے مولانا عثمانی صاحب نے نقل کیا ہے بلکہ وہاں تو صاف تصریح ہے کہ:

''شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی[وفات:۷۲۷ھ] نے تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا، جو حصہ ناقص تھا اس کی تکمیل قاضی شہاب الدین بن خلیل الخویی الدمشقی[وفات:۶۳۹ھ] نے کیا[5]۔''

---

(۱) الدرر الکامنۃ ۱:۳۰۴، ترجمہ:۷۶۹

(۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲:۱۷۵۶

(۳) التفسیر والمفسرون ۱:۱۹۱ (۴) علوم القرآن:۵۰۴

(۵) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲:۱۷۵۶

بہر حال تفسیر کی تکمیل جس نے بھی کی ہے کمال کی ہے اس لیے کہ:

إنَّ القاري في هذا التفسير لا يكاد يلحظ فيه تفاوتاً في المنهج والمسلك، بل يجري الكتابُ من أوله إلى آخره على نمط واحد وطريقةٍ واحدةٍ، تجعل الناظر فيه لا يستطيع أن يميز بين الأصل والتكملة، ولا يتمكن من الوقوف على حقيقة المقدار الذي كتبه الفخر، والمقدار الذي كتبه صاحب التكملة(۱).

''اس تفسیر کا قاری قطعاً یہ محسوس نہیں کرتا کہ ایک شخص کی تصنیف ہے یا اس کے لکھنے والے زیادہ ہیں۔ پوری کتاب میں اسلوب نگارش ایک ہی نمط اور ایک ہی طریقے کا ہے اس لیے کوئی شخص اس بات کی نشان دہی نہیں کر سکتا کہ امام رازی نے کہاں تک لکھا اور صاحبِ تکملہ کی تحریر کہاں سے شروع ہوئی۔''

علامہ طوفی صرصری (۲) لکھتے ہیں: وأجمع ما رأيته من التفاسير لِغالب علم التفسير كتاب القرطبي وكتاب مفاتيح الغيب، ولعمري كم فيه من زلةٍ وعيبٍ(۳).

''میں نے قرطبی اور رازی کی تفسیر سے بڑھ کر تفسیری اقوال کی جامع کوئی کتاب نہیں دیکھی مگر امام رازی کی تفسیر عیوب کا مجموعہ ہے۔''

اور اپنے شیخ الشیخ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انھوں نے: صَنَّفَ كتاب المآخذ على مفاتيح الغيب وبَيَّنَ ما فيه من البهرجِ والزيف في نحو مجلدين وكان ينقم عليه كثيراً خصوصاً إيراده شبه المخالفين في المذهب والدين، على غاية ما يكون من القوة، وإيراد جواب أهل الحق منها على غاية ما يكون من الوهاء(۴).

---

(۱) التفسیر والمفسرون ۱:۱۹۲

(۲) سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم طوفی صرصری بغدادی ابوالربیع نجم الدین، حنبلی فقیہ ہیں۔ عراق کے علاقہ صرصر میں طوف/طوفا کے مقام پر ۶۵۷ھ = ۱۲۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ۶۹۱ھ کو بغداد اور ۷۰۴ھ کو دمشق چلے گئے۔ حرمین میں عرصہ دراز تک رہے۔ الخلیل [فلسطین] میں ۷۱۶ھ = ۱۳۱۶ء کو وفات پائی۔

[الدرر الکامنۃ ۲:۱۵۴، الاعلام ۳:۱۲۷]

(۳-۴) الاکسیر فی علم التفسیر: ۵۵

''کتاب الماٰخذ دو جلدوں میں لکھی ہے جس میں امام رازی کی تفسیر پر تنقید کی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ امام رازی مخالفینِ اسلام کے اعتراضات بڑی تحقیق کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور بخلاف اس کے اہل سنت کی نمائندگی نہایت کمزور الفاظ میں کرتے ہیں۔''

بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ: إنه جمع في كتابه في التفسير أشياء كثيرة طويلة لا حاجة بها في علم التفسير ولذلك حكي عن بعض المتطرفين من العلماء أنه قال: فيه كل شيئ إلّا التفسير (۱).

''انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی طویل چیزیں جمع کی ہیں جن کی علم تفسیر میں کوئی حاجت نہیں اس لیے بعض اعتدال سے گزرے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ اس کتاب میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ موجود ہے۔''

سید رشید رِضا (۲) لکھتے ہیں: والحَقُّ أن هذه مبالَغة في الإنكار على ما هو الغرض الذي امتاز به تفسيره، وهو نقل آراء الفلاسفة والمتكلمين وحجج المعتزلة والأشاعرة (۳).

''درست بات یہ ہے کہ اس تفسیر کے خلاف یہ محض ایک مبالغہ ہے۔ اس تفسیر کا بنیادی غرض و غایت یہ ہے کہ فلاسفہ اور متکلمین کے آراء اور معتزلہ اور اَشاعرہ کی حجتیں اس میں جمع کی جائیں۔''

-اَنوارُ التنزیل واَسرارُ التاویل-

عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی، شیرازی، ابوسعید، بیضاوی، قاضی [Judge] اور مفسر تھے۔ فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں ''بیضاء'' میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔ تبریز

---

(۱) البحر المحیط ۱: ۳۴۱، بذیل تفسیر: مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا، الاتقان ۴: ۱۹۱

(۲) محمد رشید رضا بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بہاء الدین بن منلا علی خلیفہ القلمونی، بغدادی الاصل اور الحسینی النسب ہیں۔ طرابلس [شام] میں ۱۲۸۲ھ = ۱۸۶۵ء کو القلمون میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے بڑھے اور وہیں اور طرابلس میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۵ھ میں مصر جا کر شیخ محمد عبدہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر لیے۔ ہند، حجاز مقدس اور یورپ کے سفر کیے۔ مصر میں رہائش اختیار کی۔ ۱۳۵۴ھ = ۱۹۳۵ء کو سویس سے قاہرہ واپس لوٹتے ہوئے اچانک گاڑی میں وفات پائی۔ [الاعلام ۶: ۱۲۶]

(۳) تفسیر المنار ۱۱: ۳۷۷، بذیل تفسیر: وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ. [سورۃ یونس ۱۰: ۳۹]

میں ۶۸۵ھ=۱۲۸۶ء کو وفات پائی[۱]۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ تفسیر الکشاف کی اَن گنت طریقوں سے خدمت کی گئی۔ اس کے احادیث کی تخریج کی گئی، بعض علماء نے اس کی بلاغت سے کلام کیا اور بعض نے اس کے مختصرات تیار کیے اور: وسیدُ المختصراتِ منه کتاب أنوار التنزیل و أسرار التأویل للقاضي ناصر الدین البیضاوي، لَخَّصَهُ فأجادَ، وأتی بکل مستجاد، ومَازَ منه أماکن الإعتزال، وطَرَحَ مواضع الدَّسائسِ وأزال، وحرر مهمات، واستدرك تتمات، فبرز کأنه سُبَیکة نُضَار، واشتهر اشتهارَ الشمس في وسط النهار، وعکف علیه العاکفون، ولهج بذکر محاسنه الواصفون، وذاق طعم دقائقه العارفون، فأکَبَّ علیه العلماء والفضلاء تدریساً ومطالعةً وبادروا إلی تلقیه بالقبول رغبةً فیه ومسارعةً[۲].

"ان میں سب سے عمدہ خلاصہ قاضی ناصر الدین بیضاوی کا ہے جس سے معتزلی نظریات کو چھانٹ دیا ہے۔ اب یہ تفسیر آبِ زر کی طرح تابندہ و درخشندہ اور آفتاب نصف النہار کی طرح معروف و مشہور ہے۔ لوگوں نے اس کو مرکزِ توجہ بنالیا ہے اور ثنا خواں اس کی مدح و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ علماء اس کے درس و مطالعہ میں منہمک ہیں اور اسے بہت ذوق و شوق کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔"

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: و تفسیره هذا کتابٌ عظیمُ الشان، غنيٌّ عن البیان، لَخَّصَ فیه من الکشاف مایتعلق بالإعراب والمعاني والبیان، ومن التفسیر الکبیر ما یتعلق بالحکمة و الکلام ومن تفسیر الراغب مایتعلق بالإشتقاق وغوامض الحقائق ولطائف الإشارات وضَمَّ إلیه ماوري زناد فکره من الوجوه المعقولة التصرفات المقبولة[۳].

"اُن کی یہ تفسیر مدح و توصیف سے بالاتر اور عظیم الشان کتاب ہے۔ اس میں جو مباحثِ اِعراب اور معانی و بیان سے متعلق ہیں وہ تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔ حکمت و کلام سے وابستہ معلومات

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۵:۵۹، الاعلام ۴:۱۱۰
(۲) نواہد الابکار و شوارد الافکار ۱:۱۳
(۳) کشف الظنون ۱:۱۸۷

تفسیر کبیر سے لیے گئے ہیں۔اشتقاق سے متعلقہ مسائل راغب اصفہانی کی تفسیر سے مستفاد ہیں۔ جو نِکات ودقائق بیضاوی نے اپنی فکرِ رسا سے اختراع کیے ہیں وہ اس پر مزید ہیں۔"

—مدارک التنزیل وحقائق التاویل—

مصنف کا نام عبداللہ بن احمد بن محمود،نسفی 'ابوالبرکات ہے۔آپ حنفی فقیہ اور مفسر قرآن تھے۔ان کی نسبت نَسَف (۱) کی طرف ہے جو دریائے جیحون اور سمرقند کے درمیان واقع ہے تفسیر کے علاوہ انہوں نے کنز الدقائق،المنار،کشف الاسرار،الوافی اور الکافی جیسی مفید کتابیں لکھیں۔۷۱۰ھ = ۱۳۱۰ءکووفات پائی اور علاقہ کردستان کے مقام ایذج میں مدفون ہوئے (۲)۔

مصنف علام نے اس تفسیر کی تالیف کا سبب ان الفاظ میں لکھا ہے:

قد سألني من تتعَيَّنُ إجابته كتاباً وسطاً في التأويلات،جامعاً لوجوه الإعراب و القراءات،متضمناًلدقائق عِلمَي البديع والإشارات،حالياًبأقاويل أهل السنةِ والجماعة خالياً عن أباطيل أهل البدع والضلالة،ليس بالطويل الممل،ولا بالقصير المخل (۳).

"مجھ سے کچھ ایسے لوگوں نے یہ فرمائش کی جن کی فرمائش پوری کرنا ضروری تھا کہ میں تاویل و تفسیر میں ایک متوسط کتاب لکھوں جو وجوہِ اِعراب اور قراءات کی جامع ہو۔علم بدیع و اشارات کی متضمن ہو۔اس میں اہل سنت و جماعت کے اقوال اور حوالے درج ہوں۔اہل بدعت وضلال

---

(۱) علمی اور ادبی ذوق رکھنے والا ہر شخص ماہِ نخشب سے واقف ہے،وہی ماہِ نخشب جس کو دوسری صدی ہجری کے نقاب پوش مدعیٔ نبوت، نے جادوگر حکیم بن عطاء المعروف بہ مقنع نے اپنے معجزے کے طور پر پیش کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ مقنع کا شعبدے سے بنایا ہوا یہ چاند رات کے وقت ایک کنوئیں سے نکلتا اور اس کی روشنی چار میل تک پھیلتی اور صبح ہوتے ہی اسی کنوئیں میں غروب ہو جاتا تھا۔[اردو دائرہ معارف اسلامیہ۲۲:۱۵۷]

ماہ نخشب سے واقفیت کے باوجود عام طور سے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہی نخشب،نسف بھی کہلاتا تھا اور اسلام کی تاریخ میں جتنی بھی نامور "نسفی" ہستیاں گزری ہیں وہ اسی شہر نخشب کی زائیدہ و پروردہ تھیں۔

(۲) تاج التراجم:۱۷۴-۱۷۵،ترجمہ:۱۲۲،الجواہر المضیۃ۱:۲۷۰،الفوائد البہیۃ:۲:۱۷،ترجمہ:۲۱۸،الاعلام ۶۷:۴

(۳) مدارک التنزیل۱:۱۳-۱۴

کی اباطیل سے خالی ہواور وہ نہ بہت طویل ہواور نہ زیادہ مختصر۔"

اس مقصد کو حاجی خلیفہ نے ان الفاظ میں لکھا ہے: وھو کتابٌ وسطٌ في التأویلات، جامعٌ لوجوہ الإعراب و القراآت متضمناً لدقائق علم البدیع و الإشارات، حالیاً بأقاویل أھل السنة و الجماعة، خالیاً عن أباطیل أھل البدع و الضلالة، لیس بالطویل الممل، ولا بالقصیر المخل (۱).

"تاویلات میں ایک متوسط تفسیر ہے۔ وجوہِ اعراب اور قراآت کی جامع ہے۔ علم بدیع و اشارات کی متضمن ہے۔ اس میں اہل سنت و جماعت کے اقوال کے حوالے درج ہیں۔ اہل بدعت وضلال کی اباطیل سے خالی ہے۔ نہ بہت طویل ہے اور نہ زیادہ مختصر۔"

امام نسفی نے اپنی اس کتاب کو تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی سے اخذ کیا ہے۔ البتہ کشاف کے معتزلی عقائد کو اس میں دَر آنے نہیں دیا اور اہل سنت و جماعت کی راہ پر جمے رہے ہیں۔ یہ کتاب نہایت عام اور متداول ہے۔ قرآن مجید کا لفظی ترجمہ سیکھنے کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں۔

۔لباب التأویل فی معانی التنزیل۔

اسے عرف عام میں تفسیر خازن کہا جاتا ہے۔ مصنف علام کا تعارف یہ ہے:

علی بن محمد بن ابراہیم الشَّیحِي علاء الدین المعروف بالخازن، تفسیر وحدیث کے بڑے عالم تھے۔ شافعی فقیہ اور صوفی تھے۔ حلب کے ایک علاقے شیحہ سے منسوب ہو کر شیحی کہلائے۔ ۶۷۸ھ = ۱۲۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک دمشق میں مقیم تھے جہاں کے مدرسہ سمیساطیہ میں کتب خانہ کے خازن تھے۔ ۷۴۱ھ = ۱۳۴۱ء کو حلب میں وفات پائی اور مقبرۂ صوفیاء میں مدفون ہوئے (۲)۔

---

(۱) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲: ۱۶۴۱

(۲) الدرر الکامنۃ ۳: ۹۷، الاعلام ۵: ۵

ابن قاضی شہبہ[1] لکھتے ہیں: الشیخ الصالح الخیّرو کان من أھل العلم، و ألَّفَ أشیاء[2]۔

''بہت بڑے استاذ، صالح، اہل خیر اور اہل علم میں سے تھے۔ کئی کتابیں لکھیں''۔

مفسر خازن نے اپنی اس کتاب میں تفسیر معالم التنزیل کو مختصر کر کے لکھا اور متقدمین کی تفاسیر سے اس پر مفید اضافے کیا ہیں۔ روایات کی اسانید حذف کر دی ہیں اور بے جا طوالت سے احتراز کیا ہے۔ اس کا اعتراف اُنہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ ۱:۳-۴ میں کیا ہے۔ یہ تفسیر ایسی اسرائیلی روایات، قصص اور اَخبار سے پُر ہے جو علم صحیح اور عقل سلیم کے ترازو میں پورے نہیں اُترتے اور یہ بھی نہایت تعجب انگیز ہے کہ مؤلف کوئی قصہ نقل کر کے اس کے ضعف و کذب پر بہت کم روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً: اصحاب کہف کا جو طویل اور عجیب و غریب واقعہ انہوں نے نقل کیا ہے اُس پر بالکل کوئی تنقید نہیں کی[3]۔

کبھی کبھار وہ اس قسم کے واقعات نقل کر کے اس کی تکذیب بھی کر لیتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے: وَهَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ[4]۔

''اور کیا تمہیں فریقوں کے معاملہ کی خبر پہنچی ہے جب کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں داخل ہو گئے؟ جب کہ وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ اُن سے ڈرا''

اس کی تفسیر میں صوفی خازِن لکھتے ہیں: ''ایک شیطان سیدنا داود علیہ السلام کے پاس سونے کی کبوتری کی شکل میں آیا۔ اُس کے پر زبرجد کے تھے۔ وہ کبوتری اُڑ کر آپ کے پاؤں پر آ بیٹھی اور آپ کو نماز سے غافل کر دیا اس ضمن میں اُنہوں نے ایک عورت کا ذکر کیا ہے جس کو سیدنا داود علیہ السلام نے دیکھا اور اُس کے حسن و جمال پر نَعُوْذُ بِاللّٰهِ فریفتہ ہو گئے۔ اس عورت کو حاصل کرنے کے لیے

---

(۱) ابوبکر بن احمد بن محمد بن عمر اسدی شہبی دمشقی، تقی الدین۔ ۷۷۹ھ = ۱۳۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابن قاضی شُہبہ سے اس لیے شہرت پائی کہ اُن کے جدامجد نجم الدین عمر اسدی حوران کے علاقہ شُہبَہ میں چالیس سال تک عہدۂ قضاء پر فائز رہے تھے اس لیے یہ ابن قاضی شہبہ کہلائے۔ اپنے زمانے میں شام کے بہت بڑے عالم اور مؤرخ تھے۔ ۸۵۱ھ = ۱۴۴۸ء کو وفات پائی۔ [الضوء اللامع ۱۱:۲۰، ترجمہ: ۶۱، الاعلام ۲:۶۱]

(۲) تاریخ ابن قاضی شہبہ، جلد اول، جزء اول: ۱۷۱

(۳) دیکھیے لباب التأویل ۳:۱۵۳-۱۵۸

(۴) سورۃ ص ۳۸:۲۱-۲۲

انہوں نے اُس کے خاوند کو مروادیا......۔''(۱)

لیکن اُنہوں نے اس واقعہ کو نقل کرنے سے قبل یہ تنبیہ بھی لکھی ہے: سأذكر ماقاله المفسرون ثم أتبعه بفصل فيه ذِكر نزاهة داود عليه السلام عما لا يليق بمَنصَبه لأن منصب النبوة أشرف المناصب وأعلاها فلايُنسبُ إليها إلّا مايليق بها۔(۲)

''میں مفسرین کے اقوال کو ذکر کیے دیتا ہوں جس کے بعد سیدنا داود علیہ السلام کی عصمت ونزہت پر مشتمل ایک مستقل فصل لکھوں گا اس لیے کہ نبوت کا منصب نہایت اعلیٰ واشرف منصب ہے اس لیے غیر مناسب باتیں اُن کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔''

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں: وهكذا نجد هذاالتفسيريطرق موضوعات كثيرة في نواحٍ من العلم مختلفة و لكن شهرته القصصية ' وسِمَّته الإسرائيلية أساءَت إليه كثيراً ' و كادت تصد الناس عن الرجوع إليه و التعويل عليه ' و لعل الله يُهَيِّئُ لهذاالكتاب مَن يعلق عليه بتعليقات توضح غَثَّهُ من سمينه'وتستخلص صحيحه من سقيمه'والكتاب مطبوعٌ في سبعة أجزاء متوسطةالحجم'وهومتداولٌ بين الناس خصوصاًمن له شغفٌ بالقصص وولوع بالأخبار۔(۳)

''اوراسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تفسیر مختلف ومتنوع علوم وفنون کی جامع ہے لیکن اسرائیلیات کے ذکرو بیان میں جوشہرت اس کو حاصل ہوچکی ہے اس نے اس کی ساکھ کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اوراسی کا نتیجہ ہے کہ اس تفسیر پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس کے مواد کو چھانٹ کراس کے صحیح وسقیم کو ممیّز اور ممتاز کردے۔ کتاب سات اجزاء میں مطبوع اورلوگوں میں متداول ہے۔ قصہ کہانیوں سے دلچسپی لینے والے لوگ اس سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔''

---

(۱) دیکھیے لباب التأویل ۴: ۳۴

(۲) نفس المصدر

(۳) التفسیر والمفسرون ۱: ۲۰۷

ـ ا لبحر المحيط ـ

اس تفسیر کے مصنف کا تعارف یہ ہے: محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان' اثیر الدین' ابو عبداللہ' اندلسی' غرناطی' ۶۵۴ھ=۱۲۵۶ء کو غرناطہ میں پیدا ہوئے۔ مالقہ اور دیگر شہروں میں گھومنے پھرنے کے بعد قاہرہ میں رہائش اختیار کی' جہاں ۷۴۵ھ=۱۳۴۴ء کو وفات پائی۔ عربیت' تفسیر' حدیث' تراجم اور لغات کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں (۱)۔

تفسیر البحر المحیط آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ وجوہِ اِعراب سے مصنف کو خصوصی دلچسپی ہے اس لیے اس سلسلے میں یہ اولین اور اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف علام جب کسی نحوی مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو اُن کی براعت و مہارت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتی ہے لیکن اس تفسیر میں نحوی مسائل و اختلافات کی اتنی بھرمار ہے کہ یہ تفسیر کے بجائے علم نحو کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔

ابوحیان کو اعتراف ہے کہ: واعتمدتُ في أكثر نقول كتابي هذا على كتاب التحرير و التحبير لأقوال أئمة التفسير من جمع شيخنا الصالح القدوة الأديب جمال الدين أبي عبدالله محمد بن سليمان بن حسن بن حسين المقدسي عرف بإبن النقيب' إذ هو أكبر كتاب رأيناهُ صُنِّفَ في علم التفسير يبلغ في العدد مائة سفر أو يكادُ إلَّا أنه كثير التكرير (۲).

''میں نے استاذ محترم جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سلیمان المقدسی المعروف با بن النقیب کی کتاب ''التحرير و التحبير لأقوال أئمة التفسير '' سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ علم تفسیر میں ضخیم ترین کتاب ہے اور قریباً یک صد جلدوں پر مشتمل ہے مگر اس میں تکرار کی بھرمار ہے۔''

مفسر ابوحیان اندلسی ضعیف و کمزور اور جھوٹی روایتوں کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کر دیتے ہیں' مثلاً قصۃ الغرانیق کے بارے میں لکھتے ہیں: وهي قصةٌ سُئل عنها محمد بن إسحق جامع السيرة النبوية فقال: هذا من وضع الزنادقة وصنف في ذلك كتاباً. و قال الإمام الحافظ

---

(۱) الدرر الکامنۃ ۴: ۳۰۲' الاعلام ۷: ۱۵۲

(۲) البحر المحیط ۱: ۱۱

أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي: هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل، وقال ما معناه: أن رُواتها مطعون عليهم، وليس في الصحاح ولا في التصانيف الحديثية شيءٌ مما ذكروه فوجب إطراحه (۱).

''محمد بن اسحاق- جویرۃ کے جامع ہیں (۲)- سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے اور اس بارے میں ایک کتاب لکھی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: سند کے لحاظ سے یہ روایت ثابت نہیں، اس لیے کہ اس کے راوی مطعون ہیں، پھر صحاح اور احادیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود نہیں اس لیے اس کو دور پھینکنا ہی لازم ہے۔''

صوفیاء کے اقوال کی سختی سے تردید کرجاتے ہیں، مثلاً: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (۳) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولسهل التستري كلامٌ في المشرقين و المغربين شبيه بكلام الباطنية المحرفين مدلول كلام الله، ضربنا عن ذكره صفحاً، و كذلك ما وقفنا عليه من كلام الغلاة الذين ينسبون للصوفية لأنا لا نستحلُّ نقل شيئ منه، و قد أولَعَ صاحب كتاب التحرير و التحبير بحسب ما قاله هؤلاء الغلاة في كل آيةٍ ويسمى ذلك الحقائق و أرباب القلوب، وما ادعوا فهمه في القرآن فأغلوا فيه لم يفهمه عربي قطُّ و لا أراده الله بتلك الألفاظ، نعوذ بالله من ذلك (۴).

''مشرقین اور مغربین کے بارے میں سہل تستری نے جو کلام کیا ہے وہ باطنیہ کے کلام کے مشابہ ہے جو کلام اللہ کے مدلول کو بدلتے ہیں اس لیے ہم نے اُسے بالکل نقل نہیں کیا اسی طرح ہم کچھ غالی قسم کے صوفیاء کے کلام سے بھی واقف ہیں جس کو نقل کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے۔ التحریر والتحبیر کے مصنف ایسے اقوال کو جمع کرنے کے حریص ہیں جن کو غالی صوفی ہر ہر آیت کے تحت بیان

(۱) البحر المحیط ۶:۳۸۱-۳۸۲

(۲) ابو حیان اندلسی تسامح اور اشتباہ کے باعث ابن اسحاق کو صاحبِ سیرت بتاتے ہیں، مگر یہ صاحبِ سیرت ابن اسحاق نہیں ہیں بلکہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں۔

(۳) سورۃ الرحمٰن ۵۵:۱۷

(۴) البحر المحیط ۸:۱۹۱

کرتے ہیں، جسے اربابِ قلوب کے حقائق کا نام دیا جاتا ہے۔ جس فہم قرآن کے وہ مدعی ہیں اور اس میں وہ غلو کی حد تک چلے جاتے ہیں کوئی عربی دان اس کا قائل نہیں اور نہ اُن الفاظ سے وہ مراد ہے جو ان صوفیوں نے لیا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔"

—روح المعانی—

سید محمود آلوسی کی تصنیف ہے۔ پورا نسب نامہ اس طرح ہے: محمود بن عبداللہ، حسینی، آلوسی، شہاب الدین، ابو الثناء، مفسر، محدث اور ادیب تھے۔ ۱۲۱۷ھ=۱۸۰۲ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ سلفی العقیدہ اور مجتہد تھے۔ حصول علم کے لیے بڑے سفر کیے۔ بغداد میں ۱۲۷۰ھ =۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے (۱)۔

اُن کی تفسیر کا نام روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ہے جسے عرفِ عام میں روح المعانی کہا جاتا ہے۔ مؤلف نے تفسیر زیر قلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس کا آغاز سولہ شعبان ۱۲۵۲ھ کو بوقتِ شب کیا اُس وقت میری عمر چونتیس برس تھی، یہ سلطان محمود خان بن سلطان عبد الحمید خان کے عہدِ سلطنت کی بات ہے۔ تفسیر کا اختتام منگل کی شب چار ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ کو ہوا، پھر میں نے اس کے نام کے بارے میں سوچنا شروع کیا مگر کوئی پسندیدہ نام ذہن میں نہ آیا۔ میں نے وزیر اعظم علی رضا پاشا کے سامنے اس مشکل کا اِظہار کیا تو انہوں نے فی الفور اس کا نام روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی تجویز کیا (۲)۔"

سید آلوسی نے اپنی اس تفسیر میں سلف و خلف کے اقوال جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اگر اس کو سابقہ تفاسیر کا خلاصہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا وہ علامہ ابو سعود عمادی کو شیخ الاسلام، علامہ بیضاوی کو قاضی اور امام فخر الدین رازی کو امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان تفاسیر کے اقتباسات کو پیش کر کے اُن کو جوں کا توں قبول نہیں کرتے بلکہ اُن

---

(۱) جلاء العینین: ۷-۸، الاعلام ۷:۱۷۶

(۲) روح المعانی ۱-۲: ۸۷

پرمحاکمہ اور تنقید کرتے اور آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ فقہی مسائل میں امام رازی پر شدید نقد و جرح کرتے اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی حمایت کرتے ہیں۔ منقولہ عبارات میں سے جن کو مبنی برصواب سمجھتے ہیں اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱: سید آلوسی اپنی تفسیر میں مسلمانوں کے شرکی افعال پر شدت سے تنقید کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (۱)

''وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں ہوائے موافق سے چل رہی ہوتی ہیں اور وہ اس میں مگن ہوتے ہیں کہ دفعۃً ایک بادِتند آتی ہے اور ان پر ہر جانب سے موجیں اُٹھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم ہلاک ہوئے تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں، خالص اُسی کی اِطاعت کا عہد کرتے ہوئے کہ اگر تو نے ہمیں اس آفت سے نجات دی تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو کر رہیں گے۔''

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: الآية دالةٌ على أن المشركين لا يدعون غيره تعالى في تلك الحال، وأنت خبيربأن الناس اليوم، إذا اعتراهم أمرٌخطيرٌ و خطبٌ جسيمٌ في برٍ أو بحرٍ دعـوا مَن لا يضرو لا ينفع، ولا يرى و لا يسمع، فمنهم من يدعوا الخضرو إلياس و منهم من ينادي أبا الخميس والعباس، ومنهم من يستغيث بأحد الأئمة، ومنهم من يضرع إلى شيخ من مشائخ الأمة، ولا ترى فيهم أحد يَخُصُّ مولاه بتضرعه ودعاه، ولا يكاد يمرله ببال أنه لو دعا الله وحده ينجوا من هاتيك الأهوال، فبالله تعالى عليك قل لي أي الفريقين من هذه الحيثية أهدى سبيلاً، وأي الداعين أقوم قيلا؟ وإلى الله المشتكى من زمـان عصفت فيه ريح الجهالة وتلاطمت أمواج الضلالة، وخرقت سفينة الشريعة، و اتـخذت الإستغاثة بغير الله تعالى للنجاة ذريعة، وتعذرعلى العارفين الأمربالمعروف، و

(۱) سورۃ یونس ۱۰:۲۲

حالت دون النهی عن المنکر صنوف الحتوف.(۱)

''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مشرکین اُس [تکلیف دہ] حالت میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو نہیں پکارتے تھے اور تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کل لوگوں کو تری اور خشکی میں جب کوئی بڑی مصیبت پیش آجاتی ہے تو اُن لوگوں کو بلاتے ہیں جو نہ تو ضرر دے سکتے ہیں اور نہ کوئی فائدہ' اور نہ کچھ سن سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ کوئی سیدنا خضر اور سیدنا الیاس علیہما السلام کو پکارتا ہے اور کوئی ابوالخمیس اور عباس کو۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ائمہ کو پکارتے ہیں جب کہ بعض ایسے بھی ہیں جو بعض بزرگوں کو پکارتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ اگر وہ ان مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ کو پکارے تو وہ انہیں نجات دے گا۔ تجھے اللہ کی قسم! مجھے بتا دیجئے کہ اس [غیر اللہ کو پکارنے کی] حیثیت سے ان دونوں [مشرکوں اور غیر اللہ کو پکارنے والے مسلمانوں] میں کون ہدایت یافتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس زمانے کی شکایت پیش کی جاتی ہے جس میں جہالت کی ہوا چلی ہے۔ ضلال و گمرہی کی متلاطم موجیں ہیں۔ شریعت کی کشتی پھاڑ دی گئی ہے اور غیر اللہ کی پکار کو نجات کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ علمائے عارفین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی ہیں۔''

-ارشاد ربانی ہے: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ.(۲)

''اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ ساتھ ہی اس کے شریک بھی ٹھہرائے ہیں۔''

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: وقد يُقال نظراً إلى مفهوم الآية: إنهم مَن يندرجُ فيهم كل مَن أقرَّ بالله تعالى و خالقيته مثلاً، وكان مرتكباً ما يعد شركاً كيفما كان، ومن أولئك عبدة القبور، الناذرون لها، المعتقدون للنفع والضر ممن الله تعالى أعلم بحاله فيها، وهم اليوم أكثر من الدُّودِ.(۳)

''آیت کے مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالیٰ

---

(۱) روح المعانی ۱۱-۱۲: ۱۳۰، ۱۳۱ (۲) سورۃ یوسف ۱۲: ۱۰۶ (۳) روح المعانی ۱۳-۱۴: ۸۴، ۸۵

اور اس کے خالق ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود کسی قسم کے شرک کا مرتکب ہو جائے۔ ان میں قبروں کے پجاری بھی داخل ہیں جو اُن کے نام کی نذر و نیاز اور منت مانتے ہیں اور اُن سے نفع اور ضرر کا عقیدہ رکھتے ہیں' جب کہ اللہ تعالیٰ کو اُن [جن کے لیے یہ منتیں مانتے ہیں] کا خوب علم ہے۔ یہ قبر پرست آج کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ہیں۔''

-غیر اسلامی نظریات کی تردید بھی کرتے ہیں' مثلاً: قرآن مجید میں وارد ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (۱)

''اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ امرِ یقینی تم پر واضح ہو جائے۔''

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: و المعنى: دُم على العبادة مادُمت حياً من غير إخلال بها لحظة' و ليس المراد به ما زعمه بعض الملحدين ممايسمونه بالكشف و الشهود' وقالوا: إن العبد متى حصل له ذلك سقط عنه التكليف بالعبادة' وهوليست إلّا للمحجوبين و لقدمرقوا بذلك من الدين' و خرجوا من ربقة الإسلام و جماعة المسلمين (۲)

''اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی ساری عمر عبادت میں لگے رہو اور لحظہ بھر کے لیے اس میں خلل نہ آنے دو۔ کچھ ملحدین کے اُس زعم کا کوئی اعتبار نہیں جسے وہ کشف والہام کا نام دیتے ہیں کہ جب کسی شخص کو یقین کا یہ رُتبہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ عبادت کا مکلّف نہیں رہتا جب کہ صرف محجوبین ہی ایسے ہیں کہ وہ عبادت کے مکلّف نہیں ہوتے۔ ایسا کہنے والے لوگ دین' اسلام اور مسلمانوں کی جماعت سے بالکل باہر نکلے ہیں۔''

-۲: فقہی مسائل کی تحقیق بھی کر لیتے ہیں' چنانچہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (۳)

''اور [اُسی نے پیدا کیے] گھوڑے' خچر اور گدھے کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت بھی ہیں۔''

وفي العمادية أنه [أي: الإمام أبو حنيفة] رجع عن القول بكراهة أكل لحوم الخيل قبل موته بثلاثة أيام' وعليه الفتوى' وقال صاحباهُ والإمام الشافعي: لا بأس بأكل لحوم

---

(۱) سورۃ الحجر ۱۵:۹۹ (۲) روح المعانی ۱۳-۱۴:۴۴۲ (۳) سورۃ النحل ۱۶:۸

الخیل[1].

''فتاویٰ عمادیہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کا جو مسلک اختیا کیا تھا اپنی وفات سے تین دن قبل آپ نے اس قول سے رجوع کیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین[2] اور امام شافعی کہتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔''

۳- مشکل مقامات میں فیصلہ کن بات بھی کر لیتے ہیں، مثلاً ارشاد ربانی ہے:

لَواطَّلَعتَ عَلَيهِمْ لَوَلَّيتَ مِنهُمْ فِرَاراً[3].

''اگر تو اُنہیں جھانک کر دیکھتا تو تُو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا۔''

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: و الذي يميل القلب إليه عدم وجودهم اليوم، وإنهم إن كانوا موجودين فليسوا على تلك الحالة التي أشار الله تعالى إليها، و أن الخطاب الذي في الآية غير معين، و أن المراد منها الإخبار عن إنهم بتلك الحالة في ذلك الوقت[4].

''قلبی میلان اس طرف ہے کہ آج اصحاب کہف موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہوں تو اُس حال میں نہیں ہوں گے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے۔ آیت کریمہ میں خطاب غیر معین لوگوں کو ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اُس وقت اُن کی یہی حالت تھی۔''

۴- بدعات کے جواز کے لیے کچھ لوگ قرآن مجید سے ناجائز استدلال کرتے ہیں۔ سید آلوسی ایسی مقامات پر خاموش نہیں رہتے اور منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِداً[5].

''جو لوگ اپنے کام پر غالب وقادر تھے انہوں نے کہا: ہم تو اُن کے پاس ایک معبد بنا دیں گے۔''

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: واستدل بالآية على جواز البناء على قبور الصلحاء و اتخاذ مسجد عليها و جواز الصلوة في ذلك، و ممن ذكر ذلك الشهاب الخفاجي في حواشيه

---

(۱) روح المعانی ۱۳-۱۴: ۲۶۰

(۲) احناف کے ہاں صاحبین کا اطلاق امام ابو یوسف اور امام محمد پر ہوتا ہے۔

(۳) سورۃ الکہف ۱۸: ۱۸ (۴) روح المعانی ۱۵-۱۶: ۲۸۹ (۵) سورۃ الکہف ۱۸: ۲۱

على البيضاوي، وهو قولٌ باطلٌ عاطلٌ فاسدٌ كاسدٌ. فقد روى أحمد و أبو داؤد و الترمذي و النسائي و ابن ماجة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: لعن الله زائرات القبور و المتخذين عليها المساجد و السُّرُج (١) و مسلم: ألا و إن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم مساجد فإني أنهاكم عن ذلك (٢) و أحمد عن أسامة رضی اللہ عنہ و هو و الشيخان، و النسائي عن عائشة رضي الله عنها و مسلم عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ: لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (٣) و أحمد، و الشيخان، و النسائي: إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجداً و صوروا فيه تلك الصور أولئك شرار الخلق يوم القيامة (٤). و أحمد و الطبراني: إن من شرار الناس من تدركهم الساعة و هم أحياء، و من يتخذ القبور مساجد (٥). و عبد الرزاق: مِن شرار أمتي مَن يتخذ القبور مساجد (٦). و أيضاً: كانت بنو إسرائيل اتخذوا القبور مساجد، فلعنهم الله (٧) إلى غير ذلك من الأخبار الصحيحة و الآثار الصريحة (٨).

'' کچھ لوگوں نے اس آیت صالحین کی قبروں پر عمارت و مسجد بنانے اور وہاں نماز پڑھنے کے جواز

---

(١) مسند احمد ١: ٢٢٩، ٢٨٧، سنن ابی داود، کتاب الجنائز [١۵] باب فی زیارۃ النساء القبور [٨٢] حدیث: ٣٢٣٦ سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ [٢] باب ماجاء في كراهية أن يتَّخذ على القبر مسجداً [٢٣٨] حدیث: ٣٢٠، سنن نسائی، کتاب الجنائز [٢١] باب التغليظ في اتخاذ السرج على القبور [١٠۴] حدیث: ٢٠۴٣، سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز [٦] باب ماجاء فی النہی عن زیارۃ النساءِ القبورَ [۴٩] حدیث: ١۵٧۵.

(٢) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ [۵] باب النہی عن بناء المساجد علی القبور [٣] حدیث: ۵٣٢

(٣) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [٨] باب [۵۵] حدیث: ۴٣٦، ۴٣٧، صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاۃ [۵] باب النہی عن بناء المساجد علی القبور [٣] احادیث: ۵٢٩، ۵٣٠، ۵٣١، ۵٣٢

(۴) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [٨] باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ [۴٨] حدیث: ۴٢٧، باب الصلاۃ فی البیعۃ [۵۴] حدیث: ۴٣۴

(۵) مسند احمد ١: ۴٠۵، ۴٣۵

(٦) مصنف عبد الرزاق ١: ۴٠۵، حدیث: ١۵٨٦

(٧) مصنف عبد الرزاق ١: ۴٠٦، حدیث: ١۵٩١

(٨) روح المعانی ١۵-١٦: ٣٠٠

کا استدلال کیا ہے، جیسا کہ شہاب خفاجی [۲] نے تفسیر بیضاوی کے حواشی میں لکھا ہے لیکن یہ قول باطل، فاسد اور فضول ہے اس لیے کہ امام احمد، ابوداود [۳] ترمذی نسائی اور ابن ماجہ [۴] نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اُن عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں [۵] اور وہاں سجدہ گاہیں بنانے والوں اور دیے جلانے

---

(۱) احمد بن محمد بن عمر، شہاب الدین خفاجی مصری۔ خفاجۃ قبیلہ کی نسبت سے خفاجی کہلائے۔ قاہرہ کے نواح میں ۹۷۷ھ = ۱۵۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں ابوبکر شنوائی سے حاصل کی اور اُن سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی پڑھی۔ آپ روم ایلی کے عہدہ قضاء پر بھی فائز رہے ہیں، جس کے بعد ترقی کر کے سلطان مراد کے زمانے میں اُسکوب کے قاضی ہو گئے۔ معزول ہو جانے کے بعد شام اور حلب کے سفر کیے۔ مصر واپس آ کر پھر قاضی بنا دیے گئے اور مصر ہی میں ۱۰۶۹ھ = ۱۶۵۹ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ [خلاصۃ الاثر ۱:۳۳۱، ۳۳۱؛ الاعلام ۱:۲۳۸]

(۲) سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر، ابوداؤد، ازدی، سجستانی، اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ''السنن'' اصول ستہ میں گنی جاتی ہے۔ ۲۰۲ھ = ۸۱۷ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔ ۲۷۵ھ = ۸۸۹ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۲:۴۰۴، تاریخ بغداد ۹:۵۵، الاعلام ۳:۱۲۲]

(۳) محمد بن یزید ربعی [بفتح الراء والباء] قزوینی، ابوعبداللہ، ابن ماجہ، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں بصرہ، بغداد، شام، مصر، حجاز، اور رَی کے اسفارِ بعیدہ وطویلہ اختیار کیے۔ سنن، تفسیر قرآن اور تاریخ قزوین کے مصنف ہیں۔ [وفیات الاعیان ۴:۲۷۹، تذکرۃ الحفاظ ۲:۶۳۶، العبر ۱:۳۹۴]

(۴) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے مگر اس میں السُرُج کا اضافہ منکر ہے اس لیے کہ یہ باذام کی روایت ہے جسے وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جب کہ ابو صالح باذام متروک الحدیث ہے۔ محدثین اسے دروغ زن یعنی جھوٹا کہتے ہیں۔ اس نے براہ راست سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں سنی۔ [المجروحین ۱:۲۱۰، ت:۱۲۸]

امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي ﷺ في زيارة القبور، فلمّا رخص دخل في رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنما كُرِهَ زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن. [سنن ترمذی ۲:۳۷۲]

''بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم رخصت دینے کے قبل تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے رخصت دے دی تو مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی رخصت ہوگئی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ نہیں، بلکہ عورتوں کو زیارتِ قبور بالکل مکروہ ہے کہ ان کو صبر کم ہوتا ہے اور رونا چیخنا بہت۔''

امام سرخسی لکھتے ہیں: و الأصح عندنا أن الرخصة ثابتةٌ في حق الرجال و النساء جميعاً.

[المبسوط، کتاب الاشربۃ، الرخصۃ فی زیارۃ القبور ۲۴:۱۰] ......

والوں پر"۔ اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ: "خبردار رہو تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہیں بناتے ہوئے آئے ہیں، لیکن میں تم کو ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں" اور امام احمد نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ (۱) سے، شیخین (۲) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور امام مسلم نے سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: "یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس لیے

...... "ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ زیارت قبور کی رخصت و اجازت میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔"

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: والأصحُ أن الرخصة ثابتةٌ لهما. [ردالمحتار۱:۶۶۵]

"زیادہ صحیح یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت میں [مرد اور عورتیں] دونوں داخل ہیں۔"

علامہ ابن نُجَیم لکھتے ہیں: وصُرّح في المجتبى بأنها مندوبةٌ، وقيل: تُحرَمُ على النساءِ، والأصحُ أن الرخصة ثابتةٌ لهما. [بحرالرائق۲:۱۹۵]

"مجتبیٰ میں تصریح کی گئی ہے کہ زیارتِ قبور مندوب [مستحب] ہے، کہا گیا ہے کہ عورتوں کے لیے حرام ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت میں [مرد اور عورتیں] دونوں داخل ہیں۔"

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: لابأس بزيارة القبور وهو قول أبي حنيفة، وظاهر قول محمد يقتضي الجواز للنساء لأنه لم يخص الرجال فيه.

[فتاویٰ ہندیہ ۵:۳۵۰، کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور وقراءۃ القرآن فی المقابر]

"زیارت قبور پر کوئی پابندی نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں بھی زیارتِ قبور کر سکتی ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے زیارتِ قبور کی اجازت مردوں تک محدود نہیں کی ہے۔"

(۱) اُسامہ بن زید بن حارثہ، ابو محمد، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۷ قبل ھ = ۶۱۵ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ مسلمانی میں پلے بڑھے۔ مدینہ منورہ کو ہجرت کی، اور رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد مکہ منتقل ہوئے، وہاں سے دمشق اور پھر مدینہ منورہ واپس لوٹے۔ جرف میں ۵۴ھ = ۶۷۴ء کو وفات پائی۔

[تہذیب تاریخ دمشق الکبیر۲:۳۹۱، الاعلام۱:۲۹۱]

(۲) شیخ کا تثنیہ ہے، بہت بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیّدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو کہتے ہیں۔ محدثین میں سے امام بخاری اور امام مسلم پر اس کا اِطلاق کیا جاتا ہے۔ علمِ کلام کی کتابوں میں اس سے مراد امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی ہوتے ہیں۔

کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے قبور کو سجدہ گاہ بنایا ہے۔'' امام احمد، شیخین اور نسائی [۱] کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ: ''ان لوگوں میں جب کوئی صالح اور نیک مرد وفات پاجاتا تو یہ اُس کی قبر پر سجدہ گاہ بنالیتے اور اُس کی تصویر اُس میں رکھ لیتے۔ قیامت کے روز یہ ساری مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے۔'' احمد اور طبرانی کی روایت میں ہے: ''لوگوں میں سے بدتر وہ ہیں جن کی موجودگی میں قیامت آجائے اور وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں'' مصنف عبدالرزاق [۲] میں ہے: ''میری امت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں۔'' اور اسی طرح یہ بھی وارد ہے کہ: ''بنی اسرائیل قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے سو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔'' اسی طرح کئی اور صحیح روایات اور آثار میں بھی یہی منع وارد ہے۔''

۔۴: مصنف علام اس تصنیف میں جابجا عملی بدعات کی تردید بھی کرتے نظر آتے ہیں، چنانچہ آیتِ کریمہ: وَلَایُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَداً [۳] کے تحت لکھتے ہیں: ویدخل في العموم قراءة القرآن للموتى بالأجرة فلا ثواب فيها للميت، ولا للقارئ أصلاً و قد عمت البلوى بذلك، والناس عنه غافلون، وإذا نبهوا لا يتنبهون، فإنالله وإنا إليه راجعون [۴].

''اس آیت کے عموم میں اَموات کے لیے اجرت پر قرآن پڑھوانا بھی داخل ہے، اس میں نہ تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ میت کو۔ مسلمان اس میں بکثرت مبتلا ہیں اور تنبیہ کے باوجود

---

(۱) احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار، ابوعبدالرحمن نسائی، قاضی اور حافظِ حدیث تھے۔ خراسان کے نَسَاء نامی گاؤں میں ۲۱۵ھ = ۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ مصر میں رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں کے مشائخ نے ان سے حسد کرنا شروع کیا اور انہیں رملہ [فلسطین] جانے پر مجبور کیا۔ ایک مسئلے کی وجہ سے انہیں کافی مار کھانی پڑی، جس سے وہ بیمار پڑے۔ ۳۰۳ھ = ۹۱۵ء کو وفات پائی۔ بیت المقدس میں دفن کیے گئے۔
[وفیات الاعیان ۱: ۷۷-۷۸، تذکرۃ الحفاظ ۲: ۶۲۸، الاعلام ۱: ۱۷۱]

(۲) عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی، ۱۲۶ھ = ۷۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ تقریباً ۱۷ ہزار احادیث زبانی حفظ تھیں۔ امام اسحاق بن راھویہ، امام احمد بن محمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام ذہلی جیسے علماءِ حدیث کے استاذ محترم ہیں۔ ۲۱۱ھ = ۸۲۷ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۱۶، الاعلام ۳: ۳۵۳]

(۳) سورۃ الکہف ۱۸: ۱۱۰ (۴) روح المعانی ۱۵-۱۶: ۴۹۹

بیدار نہیں ہوتے' اس سلسلے میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

۵: اہل سنت کے مخالفین کی خبر بھی لیتے ہیں' اس لیے کہ مصنف سلفی المشرب اور سنی العقیدہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا (۱)

"اور وہ جب تجارت یا کھیل و تفریح کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو تمہیں کھڑا چھوڑ کر اُس کی طرف چل دیتے ہیں۔"

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: وطعن الشيعةُ لهذه الآيةفي الصحابة ﷺ بأنهم آثروا دنياهم على آخرتهم حيث انفضوا إلى اللهو والتجارة' ورغبوا عن الصلاة التي هي عماد الدين وأفضل من كثيرمن العبادات لاسيما مع رسول الله' وروي أن ذلك وقع مراراً منهم' و فيه أن كبار الصحابة كأبي بكروعمرو سائر العشرة المبشرة لم ينفضوا' والقصة كانت في أوائل زمن الهجرة' ولم يكن أكثر القوم تام التحلي بحِلية آداب الشريعةِ بعدُ' و كان قدأصاب أهل المدينة جوعٌ وغلاءٌ و سعرٌ فخاف أولئك المنفضون اشتدادالأمرعليهم بشراء غيرهم مايقتات به لولم ينفضوا' ولذا لم يتوعدهم الله تعالى على ذلك بالنار أو نحوها بل قُصارَى مافعل الله سبحانه أنه عاتَبَهُم ووعظهم و نصحهم' ورواية أن ذلك وقع منهم مراراًإن أريدبهارواية البيهقي في شعب الإيمان عن مقاتل بن حيان أنه قال بلغني -والله تعالى أعلم- أنهم فعلوا ذلك ثلاث مراتٍ' فمثلُ ذلك لا يُلتفتُ إليه' ولا يعول عندالمحدثين عليه' وإن أريد بهاغيرها فَلِيُبَيِّنْ ولِتُثْبَتُ صحته ' وأنى بذلك؟وبالجملة: الطعنُ بجميع الصحابة ﷺ لهذه القصة التي كانت من بعضهم في أوائل أمرهم وقد عقبها منهم عباداتٌ لاتُحصَى سَفَهٌ ظاهِرٌ و جَهْلٌ وَافِرٌ.(۲)

"اس آیت کے پیش نظر شیعہ نے صحابہ کرام ﷺ پر طعن کیا ہے کہ نماز جیسے دین کے ستون کو چھوڑ کر تجارت اور تفریح جیسے کاموں کی طرف چل دیا کرتے تھے' حالانکہ نماز افضل العبادات ہے خصوصاً جب کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت و رفاقت میں ادا کی جائے اور ان کے قول کے مطابق صحابہ کرام

(۱) سورة الجمعة ٦٢: ١١

(۲) روح المعانی ۲۷-۲۸: ۲۱۸

رضی اللہ عنہم سے یہ فعل کئی مرتبہ سرزد ہوا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرکت کبار صحابہ مثلاً سیدنا ابوبکر وعمر اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم سے صادر نہیں ہوئی تھی۔ دراصل یہ آغازِ اسلام کا واقعہ ہے جب کہ لوگ ابھی اسلامی آداب واخلاق سے آراستہ نہیں ہوئے تھے۔ چونکہ مدینہ منورہ میں گرانی اور قحط سالی کا دور دورہ تھا اس لیے لوگوں نے خیال کیا کہ اگر وہ نہ گئے تو دوسرے لوگ ضروریاتِ زندگی خرید کر لے جائیں گے اور وہ محروم رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم نے اس غلطی پر ان کو جہنم کی وعید نہیں سنائی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ انہیں سمجھایا بجھایا اور عتاب کیا۔ باقی رہا شیعہ کا یہ الزام کہ یہ فعل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی مرتبہ صادر ہوا تو یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ اگرچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ فعل تین مرتبہ سرزد ہوا مگر یہ روایت محدثین کے نزدیک قابل التفات نہیں۔ اس کے علاوہ اس ضمن میں کوئی صحیح روایت وارِد نہیں ہوئی۔ بنابریں اس واقعہ کو بنیاد بنا کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا حماقت اور جہالت کے سوا کچھ نہیں، حالانکہ یہ حرکت آغازِ اسلام میں بعض لوگوں سے سرزد ہوئی تھی اور اس کے بعد انہوں نے بے شمار نیک کام کرکے اس کی تلافی کر دی تھی (1)۔''

(۱) یہ روایت بنیادی طور پر امام بیہقی کی شعب الایمان ۵:۲۳۵ روایت:۶۴۹۵ میں ہے جس کا آخری راوی مقاتل بن حیان ہے، جو تابعی ہیں اور آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حبان لکھتے ہیں:

لا يصح له عن صحابي لَقِيٌّ، إنما تلك أخبار مدلسةٌ. [مشاہر علماء الامصار:۲۲۸، ترجمہ:۱۵۶۶]

''اُن کی ملاقات کسی صحابی سے ثابت نہیں اور ان کی روایتیں مُدَلَّس ہوتی ہیں۔''

تفسير بالرأي المذموم

[غیر پسندیدہ اور مذموم رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کے شرائط]

تفسیر بالرأي کی ناجائز قسم کو تفسیر بالرأي المذموم کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی تفاسیر تو بے شمار ہیں مگر ان میں سے سب سے زیادہ مشہور تفسیر الکشاف ہے۔

تفسیر الکشاف

اس تفسیر کا پورا نام الکشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل ہے۔ مصنف کا تعارف یہ ہے: محمود بن عمر بن محمد بن احمد، خوارزمی، جار اللہ، ابوالقاسم۔ خوارزم کے مضافاتی گاؤں زمخشر میں ۴۶۷ھ = ۱۰۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ عرصہ دراز تک مکہ معظمہ میں رہائش تھی اس لیے جار اللہ کہلائے۔ مکہ سے واپس آ کر تا م جرجانیہ، خوارزم میں ۵۳۸ھ = ۱۱۴۴ء کو وفات پائی۔ لغوی، ادیب، حنفی اور معتزلی تھے (۱)۔

معتزلی نظریات سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو کشاف ایک ایسی تفسیر ہے جس سے پہلے اس قسم کی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس میں قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اور قرآنی عبارت و بلاغت پر نہایت عمدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے مگر اس کے مصنف نے چند ایسی باتوں کا التزام کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اس کا حسن و جمال بڑی حد تک داغ دار ہو گیا ہے، چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں (۲):

كان الزَّمَخشَرِي المذكور معتزلي الإعتقاد متظاهراً به، حتى نُقِلَ عنهُ أنه كان إذا قصد

---

(۱) الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية: ۳۹۴، ترجمہ: ۱۵۷۴، الاعلام ۷: ۱۷۸

(۲) احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر ابن خلکان البرمکی الاربلی ابوالعباس، مؤرخ، حجۃ اور ماہر ادیب تھے۔ اربل، جو موصل کے قریب دجلہ کے مشرقی ساحل پر ہے، میں ۶۰۸ھ = ۱۲۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ مصر منتقل ہوئے اور کچھ عرصہ تک وہیں رہائش اختیار کی، وہاں سے دمشق چلے گئے، جہاں الملک الظاہر نے انہیں شام کا قاضی مقرر کیا۔ دس سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ۶۸۱ھ = ۱۲۸۲ء کو دمشق میں وفات پائی۔ قاسیون کی چوٹی پر دفن کیے گئے۔ [فوات الوفیات ۱: ۱۵۳، ترجمہ: ۱۴۵، الاعلام ۱: ۲۳۰]

صاحباً له و استأذَنَ عليه في الدخول يقول لمن يأخذ له الإذن : قل له : أبو القاسم المعتزلي بالباب، وأول ما صَنَّفَ كتاب الكشاف كتب استفتاح الخطبة : الحمد لله الذي خلق القرآن فيقالُ إنه قيل له:متى تركته على هذه الهيئة هَجَرَهُ الناس و لايرغبُ أحدٌفيه، فغيَّرَهُ بقوله:الحمدلله الذي جعل القرآن، وجعل عندهم بمعنى خلق، ورأيتُ في كثير النسخ:ألحمدلله الذي أنزل القرآن وهذا إصلاح الناس لا إصلاح المصنف (١)

''زمخشری معتزلی تھے اور اپنے عقائد کا برملا اظہار کرتے تھے۔منقول ہے کہ جب وہ کسی دوست کی ملاقات کے لیے جاتے تو اجازت لیتے وقت نوکر سے کہتے: اپنے آقا سے کہیے کہ ابوالقاسم معتزلی ملنے کے لیے آیا ہے، جب تفسیر کشاف کا آغاز کیا تو خطبہ میں لکھا: ألحمدلله الذي خلق القرآن، ان سے کہا گیا کہ لوگ اس تفسیر کو پسند نہیں کریں گے کیوں کہ آپ نے شروع ہی میں خَلَقَ کے لفظ سے اپنے معتزلی عقیدہ کا اظہار کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے تبدیل کر کے جَعَلَ لکھ دیا جو اُن کے نزدیک خَلَقَ کا مترادف ہے۔ میں نے کشاف کے اکثر نسخوں میں ألحمدلله الذي أنزل القرآن لکھا ہوا دیکھا جو اصل میں لوگوں نے اصلاح کر کے لکھا ہے۔رہے مصنف سو انہوں نے یہ اصلاح نہیں کی۔''

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: صالحٌ، لكنه داعيةٌ إلى الإعتزال، أجارنا الله منه، فكن حَذِراً من كشّافه (٢)

''روایت حدیث کے سلسلے میں صالح لیکن اعتزال کے داعی تھے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اعتزال سے اپنے حفظ وامان میں رکھے [آمین] لہٰذا اُن کی کشاف کے بارے میں محتاط رہیے۔''

ملا کاتب چلپی لکھتے ہیں: أنه يذكر أهل السنة و الجماعة -وهُم الفرقة الناجية- بعبارات فاحشةٍ، فتارةً يعبر عنهم بالمجبرة، و تارةً ينسبهم على سبيل التعريض إلى الكفرو الإلحاد وهذه طريقة السفهاء الشطار، لا طريقة العلماء الأبرار (٣)

---

(١) وفیات الاعیان ۵: ۱۷۰، ترجمہ: ۷۱۱ (۲) میزان الاعتدال ۴: ۷۸، ترجمہ: ۸۳۶۷، لسان المیزان ۶: ۴، ترجمہ: ۶
(۳) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲: ۱۴۸۴

''زمخشری فرقہ ناجیہ اہل السنّت والجماعت کا ذکر نفرت وحقارت کے انداز میں کرتے ہیں۔ کہیں ان کو جبریہ اور کہیں کفار وملاحدہ سے تعبیر کرتے ہیں' یہ طرزِ عمل بے حیا سفہاء کا ہے۔ یہ طرز وانداز علماء کے شایانِ شان نہیں۔''

علامہ تاج الدین سبکی (۱) لکھتے ہیں: واعلم أن الكشافَ كتابٌ عظيمٌ في بابه' و مصنفه إمام في فَنِّهِ إلَّا أنه رجلٌ مبتدعٌ متجاهرٌ ببدعته' يضع من قدر النبوة كثيراً و يُسيئُ أدبه على أهل السنة والجماعة' والواجب كشط مافي كتابه الكشاف من ذلك كله. وقد كان الشيخ الإمام يقرئه فلما انتهى إلى الكلام على قوله تعالى في سورة التكوير: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۲) أعرضَ عنه صفحاً و كتب ورقةً حسنةً سماها: سبب الإنكفاف عن إقراء الكشاف وقال فيها: قد رأيتُ كلامه على قوله تعالى: عَفَااللّٰهُ عَنْكَ (۳) و كلامه في سورة التحريم في الزَّلَّةِ وغيرذلك من الأماكن التي أساء أدبه فيها على خير خلق الله تعالى سيدنا رسول الله ﷺ فأعرضتُ عن إقراء كتابه حياءً من النبي ﷺ مع ما في كتابه من الفوائد والنكت البديعة (۴).

''کشاف اپنے باب میں عظیم کتاب ہے اور اس کا مصنف امامِ فن ہے مگر بدعتی ہے اور علانیہ اپنی بدعت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ انبیاء کا گستاخ ہے اور اہل السنّت کے حق میں بدزبانی سے کام لیتا ہے۔ والد محترم علامہ تقی الدین سبکی (۵) مجھے کشاف پڑھایا کرتے تھے اور جب آیت کریمہ:

---

(۱) عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی' ابونصر' قاضی القضاۃ' مؤرخ اور باحث تھے۔ ۷۲۷ھ = ۱۳۲۷ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی معیت میں دمشق آ کر وہاں سکونت اختیار کی اور دمشق ہی میں ۷۷۱ھ = ۱۳۷۰ء کو وفات پائی۔ سُبْك [مصر کے منوف علاقے] سے تعلق کی وجہ سے السبکی کہلائے۔
[الدرر الکامنۃ ۲: ۴۲۵' الاعلام ۴: ۱۸۴]

(۲) سورۃ التکویر ۸۱: ۱۹ (۳) سورۃ التوبۃ ۹: ۴۳

(۴) معید النعم ومبید النقم: ۶۸' المثال السادس والأربعون: العلماء.

(۵) علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام سبکی انصاری خزرجی ابوالحسن تقی الدین' شیخ الاسلام' مفسر اور مناظر تھے۔ ۶۸۳ھ = ۱۲۸۴ء کو ''سبک'' میں پیدا ہوئے جو مصر کے علاقے منوفیہ میں واقع ہے۔ پہلے قاہرہ اور پھر شام......

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۱) تک پہنچے تو کشاف پڑھانا بند کر دیا اور ایک رسالہ سبب الإنكفاف عن إقراء الكشاف کے نام سے لکھا اور اس میں لکھا کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آیت ۴۳: عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ اور سورۃ التحریم کی آیت ۱: لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَكَ کی تشریح تفسیر کشاف میں پڑھی مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اس لیے میں نے اس کتاب کی تدریس نبی اکرم ﷺ سے حیاء کرتے ہوئے ترک کر دی۔''

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: وممّن لايُقبل تفسيره: المبتدعُ خصوصاً الزمخشري في كشّافه فقد أكثر فيه مِن إخراج الآيات عن وجهها إلى مُعتقده الفاسد بحيث يسرق الإنسان من حيث لايُشعِرُ وأساءَ الأدبَ على سيد المرسلين ﷺ في مواضع عديدةٍ فضلاً عن الصحابة وأهل السنة (۲).

''غیر مقبول تفاسیر میں مبتدعین کی تفاسیر داخل ہیں، خصوصاً زمخشری کی تفسیر کشاف اس لیے کہ اُس نے آیات کو اپنے فاسد عقیدہ کے اِثبات کے لیے تھوڑ موڑ کر اُن سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ انسان کو اَن جانے میں اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ اُس نے کئی مقامات پر سید المرسلین ﷺ کی ہتک کی ہے۔ صحابہ کرام ﷺ اور اہل سنت کس شمار میں ہیں؟''

زمخشری کو اپنی تفسیر پر بڑا ناز تھا۔ وہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

اِنَّ التَّفَاسِيْرَ فِي الدُّنْيَا بِلاَ عَدَدٍ وَلَيْسَ فِيْهَا لَعَمْرِي مِثْلَ كَشَّافِيْ
اِنْ كُنْتَ تَبْغِي الْهُدَى فَالْزَمْ قِرَاءَتَهٗ فَالْجَهْلُ كَالدَّاءِ وَالْكَشَّافُ كَالشَّافِيْ (۳)

''دنیا میں اَن گنت تفاسیر ہیں مگر مجھے عمر دینے والے رب کی قسم! میرے کشاف جیسی ایک کتاب

کو نقل مکانی کی۔ ۷۳۹ھ کو شام کے قاضی بھی رہے ہیں۔ بیمار ہوئے اور قاہرہ واپس لوٹ آئے۔ جہاں ۷۵٦ھ=۱۳۵۵ء کو وفات پائی۔ [المعجم المختص بالمحدثين ۱٦٦، ترجمہ: ۲۰۴، طبقات الشافعية الكبرى ۱۰: ۱۳۹، ترجمہ: ۱۳۹۳، الاعلام ۴: ۳۰۲]

(۱) سورۃ التکویر ۸۱: ۱۹

(۲) التحبیر فی علم التفسیر: ۱۵۳، نوع: ۹۱: من يُقبلُ تفسيره ومَن يُرَدُّ

(۳) معجم الادباء ۱۹: ۱۲۹، ترجمہ: ۴۱، بغیۃ الوعاۃ ۲: ۲۸۰، ترجمہ: ۲۷۰۷، نواہد الابکار وشوارد الافکار ۱: ۴

بھی نہیں۔ اگر تو ہدایت کا طلب گار ہے تو اسے پڑھتا رہ اس لیے کہ جہالت ایک بیماری ہے جس سے کشاف شفاء بخشتی ہے۔''

تفسیر کشاف میں اعتزالی عقائد

-ا: مجازات پر حد سے زیادہ اعتماد: جس لفظ کے حقیقی معنی قدرے بعید یا عجیب نظر آتے ہوں علامہ زمخشری اس کو مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ اُن کی ساری تفسیر اس سے بھری پڑی ہے، مثلاً آیتِ کریمہ: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أنّ كرسيه لم يضق عن السماوات والأرض لبسطته وسعته، وماهو إلّا تصويرٌ لعظمته و تخييلٌ فقط، ولا كرسي ثَمّه ولا قعود ولا قاعد، كقوله: وَمَاقَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (۲) من غير تصور قبضية وطي و يمين، وإنما هو تخييل لعظمة شانه وتمثيلٌ حِسِّيٌّ (۳)

''اس کی کرسی اس قدر وسیع ہے کہ اُس نے آسمان وزمین کو سمو لیا ہے اور وہ ان سے تنگ نہیں ہے۔ یہ عظمتِ الٰہیہ کی ایک خیالی تصویر ہے۔ دراصل وہاں نہ بیٹھنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ بیٹھنے والے کا اور نہ کرسی کا، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا:

وَمَاقَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ

''اور انہوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں جانی! اور زمین ساری اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمانوں کی بساط بھی اس کے ہاتھ میں لپٹی ہوئی ہوگی۔''

یہاں مٹھی اور لپیٹنے اور دائیں ہاتھ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بخلافِ ازیں عظمتِ ربانی کے اِظہار کے لیے یہ ایک حسین تمثیل ہے۔''

علامہ ابن المُنَیِّر (۴) لکھتے ہیں: أن ذلك تخييل للعظمة سوء أدب في الإطلاق و بعد في

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۵ (۲) سورۃ الزمر ۳۹:۶۷ (۳) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱:۳۰۱

(۴) احمد بن محمد بن منصور ابن المنیّر 'السکندری' ۶۲۰ھ = ۱۲۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ اسکندریہ کے علماء اور ادباء میں سے تھے۔ دوبار یہاں کے قاضی اور خطیب رہے ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے ایک تفسیر بھی......

في الإضرار ، فإنَّ التخييل إنما يستعملُ في الأباطيل و ما ليست له حقيقةُ صدق ، فإن يكن معنى ما قاله صحيحاً فقد أخطأ في التعبير عنه بعبارة موهمة لا مدخل لها في الأدب الشرعي (۱).

''کلامِ الٰہی کو تخییل پر محمول کرنا زمخشری کی جسارت اور سوءِ ادب کی دلیل ہے اس لیے کہ تخییل کا لفظ اباطیل اور بے حقیقت اشیاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر زمخشری کا بیان کردہ مفہوم درست ہے تو اس کو تخییل قرار دینا شرعی ادب میں کسی طرح بھی درست نہیں۔''

۲: مرتکبِ کبیرہ جہنمی ہے؟ زمخشری معتزلی عقائد ونظریات کی تائید وحمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اُن کا یہ تعصب پوری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (۲)

''اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: هذه الآيةُ فيها من التهديد و الإيعاد و الإبراق و الإرعاد أمر عظيم و خطبٌ غليظ (۳).

''اس آیت میں [قاتل کے لیے] شدید تہدید، وعید اور تخویف ہے [کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی] اور ایک امرِ عظیم سے روکنے کے لیے سخت خطاب ہے۔''

اس کے بعد اہل السنّت والجماعت کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھتے ہیں: و العجبُ من قومٍ يقرؤونَ هذه الآية أو يرون مافيها و يسمعون هذه الأحاديث العظيمة و قول ابن عباس بمنع التوبة ثم لا تدعهم أشعبيتهم و طماعيتهم الفارغة و اِتباعهم هواهم و ما يخيل إليهم مُناهم أن يطمعوا في العفوِ عن قاتل المؤمن بغير توبةٍ (۴).

''اُس قوم [اہل السنّت والجماعت] سے تعجب وحیرت ہے جو اس آیت کو پڑھتے، احادیث کا مطالعہ

......ہے۔ ۶۸۳ھ = ۱۲۸۴ء کو وفات پائی۔ [فوات الوفیات ۱: ۱۸۵، ترجمہ: ۵۵، الاعلام ۱: ۲۲۰]

(۱) الانصاف ۱: ۳۰۱ (۲) سورۃ النساء ۴: ۹۳

(۳) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱: ۵۵۰ (۴) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱: ۵۵۱

کرتے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اُس قول کو سنتے ہیں جس میں قاتل کے توبہ کی عدم قبولیت کی تصریح ہے مگر اس کے باوجود تعصّبات، خواہشات اور تخیلات کی پیروی کر کے اس کے قائل ہیں کہ قاتل مؤمن کو توبہ کیے بغیر بھی معافی ملے گی۔''

علامہ زمخشری نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۱)۔

''اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔''

۔۳: رؤیتِ باری تعالیٰ سے اِنکار کے لیے لغت کا سہارا: علامہ زمخشری دیگر معتزلہ کی طرح آخرت میں رؤیتِ باری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ وہ اس امر کے خوگر ہیں کہ جب کسی قرآنی لفظ کا ظاہری مفہوم اُن کے مسلک سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ لغت میں اس کا کوئی اور معنی تلاش کر کے اس کے ظاہری مفہوم کو رد کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں وارد ہے:

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (۲)۔

''کتنے چہرے اُس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

چونکہ یہ آیت کریمہ اُن کے مسلک کے خلاف ہے اس لیے زمخشری نَاظِرَۃٌ میں نظر کے معنی توقع اور امید کے کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: تنظر إلی ربها خاصّةً لا تنظر إلی غیره، وهذا معنی تقدیم المفعول، ألا تری إلی قوله تعالی: اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ (۳) اِلٰی رَبِّکَ اِلٰی یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ (۴) ...... کیف دلَّ فیها التقدیم علی معنی الإختصاص، ومعلومٌ أنهم ینظرون إلی أشیاء لا یحیط بها الحصر، ولا تدخل تحت العدد في محشر یجتمع فیه الخلائق کلهم فإن المؤمنون نظارة...... والذي یصحُّ معه أن یکون من قول الناس: أنا إلی فلان ناظرٌ ما یصنع بي، ترید معنی التوقع والرجاء (۵)۔

---

(۱) سورۃ النساء ۴:۴۸ (۲) سورۃ القیامۃ ۷۵:۲۲-۲۳ (۳) سورۃ القیامۃ ۷۵:۱۲
(۴) سورۃ القیامۃ ۷۵:۲۹ (۵) الکشاف عن غوامض التنزیل ۴:۶۶۲

''خاص کر اپنے رب سے امید رکھیں گے اُس کے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھیں گے۔اس آیت میں حصر و تخصیص کا مفہوم مفعول کی تقدیم سے اس طرح پیدا ہوا ہے جس طرح ان آیات میں:

-اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ. ''اُس روز ٹھکانا صرف تیرے پروردگار کے پاس ہوگا۔''

-اِلٰی رَبِّكَ اِلٰی يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ. ''اُس روز تیرے پروردگار ہی کی طرف جانا ہوگا۔''

ظاہر ہے کہ اہل ایمان روزِ قیامت بے شمار اشیاء کو دیکھ رہے ہوں گے۔اس وقت سب مخلوق جمع ہوگی اور مؤمن بے خوف وخطر ہونے کی بناء پر سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اس لیے یہاں نظر کے یہ معنی درست نہیں کہ وہ صرف ذات الٰہی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ بنابریں یہاں نظر سے وہ مفہوم مراد لینا چاہیے جس کے ساتھ حصر و تخصیص درست ہو اور وہ امید و توقع کا مفہوم ہے۔عربی میں بولتے ہیں:أنا إلى فلان ناظرٌ مايصنع بي ''میں دیکھ رہا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ فلاں شخص میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔''

علامہ زمخشری اپنے مسلک کی تائید میں یہ بھول گئے کہ جب مؤمن سب کچھ دیکھ سکیں گے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے کیا چیز مانع ہے؟اور جب حصری مفہوم ہی مراد ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اپنے رب کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھیں گے۔دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے اسی طرح مؤمن بھی دیدار الٰہی میں اِدھر اُدھر کی اشیاء سے غافل و بے خبر اور اپنے رب کے دیدار میں منہمک ہوں گے۔''

-۴:تاثیر سحر سے انکار: علامہ زمخشری دیگر معتزلہ کی طرح تاثیر سحر کا قائل نہیں چونکہ سورۃ الفلق سے اہل السنّت والجماعت کے اس عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کہ سحر میں تاثیر موجود ہے اس لیے زمخشری بڑی ہوشیاری کے ساتھ اہل السنّت والجماعت کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کا تمسخر و مذاق بھی اُڑاتے ہیں،چنانچہ لکھتے ہیں: النفاثات:النساء،أو النفوس،أو الجماعات السواحر اللاتي يعقدن عقداً في خيوط وينفثن عليها ويرقين.والنفثُ: النفخ من ريق،ولا تأثير لذلك،أللهم إلّا إذا كان ثَمَّ إطعامُ شيئ ضارٍ،أو سقيه أو إشمامه أو مباشرة المسحور به على بعض الوجوه ولكن اللّٰه عزوجل قد يفعل ذلك فعلاً على

سبیل الإمتحان الذي یتمیز به الثبت علی الحق من الحشویة والجهلة من العوام فینسبه الحشو و الرعاع إلیهن و إلی نفثهن، والثابتون بالقول الثابت لایلتفتون إلی ذلك ولا یعبئون به[1].

''النفاثات سے جادوگر عورتیں یا وہ انسانی نفوس اور جماعتیں مراد ہیں جو سحر کاری کے پیشہ میں مصروف رہتی ہیں۔ یہ لوگ دھاگے کو گانٹھ دے کر اس کو دَم کرتے اور پھونکتے ہیں۔ اس میں کچھ تاثیر نہیں۔ تاثیر اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی ضرر رساں چیز کسی کو کھلا پلا دی جائے۔ یا دوسرا شخص اس کو سونگھے یا کسی طرح سے اس کو استعمال کرے۔ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں میں اس لیے بھی تاثیر پیدا کر دیتا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ دیکھنے والا حشویہ اور جاہلوں کے مقابلے میں حق پر قائم رہتا ہے یا نہیں مگر جاہل لوگ[2] اس کو دَم جھاڑ پر محمول کرتے ہیں اور جو لوگ حق پر قائم ہوتے ہیں[3] وہ اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتے۔''

اہل السنّت والجماعت پر زمخشری کا طعن

زمخشری اپنی تفسیر میں جا بجا اہل السنّت والجماعت کی تضحیک بلکہ تذلیل کرتے ہیں، اُن کی ساری تفسیر اس قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ بڑی بے باکی سے ان کو جبریہ، حشویہ، مشبہہ اور قدریہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو تذلیل کی حد کر دیتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

-۱: آیت کریمہ شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ[4] کے تحت لکھتے ہیں:

فإن قلتَ: ماالمراد بأولي العلم الذین عَظَّمَهم هذا التعظیم حیث جمعهم معه ومع الملائکة في الشهادة علی وحدانیته وعدله؟ **قلتُ**: هم الذین یثبتون وحدانیته وعدله

---

(۱) الکشاف عن غوامض التنزیل ۴:۸۲۱

(۲) یہ اشارہ اہل السنّت والجماعت کی طرف ہے جو سحر کی تاثیر کے قائل ہیں۔

(۳) یہ اشارہ معتزلہ کی طرف ہے جو سحر کی تاثیر کے قائل نہیں۔

(۴) سورۃ آل عمران ۳:۱۸

بالحجج الساطعة و البراهين القاطعة، وهم علماء العدل و التوحيد(۱).

''اگر تو سوال کرے کہ وہ کون سے اصحابِ علم ہیں جن کی اس آیت میں تعریف کی گئی ہے اور ان کو وحدانیت ربانی پر شہادت دینے کے سلسلے میں ملائکہ کا ہم نوا قرار دیا ہے؟ میں کہوں گا کہ اس علماءِ عدل وتوحید(۲) مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو براہین قاطعہ سے ثابت کرتے ہیں۔''

آگے لکھتے ہیں: وفيه أنّ مَن ذهبَ إلى تشبيهٍ أو مايؤدي إليه كإجازة الرؤية أو ذهب إلى الجبر الذي هو محض الجور لم يكن على دين الله الذي هو الإسلام، وهذا بَيِّنٌ جَلِيٌّ كماترى(۳).

''اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ تشبیہ، جبر اور رؤیتِ الٰہیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں(۴) وہ اللہ تعالیٰ کے اُس دین سے خارج ہیں، جو اسلام ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔''

۔۲: آیت کریمہ: وَلَاتَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا(۵) کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آگے لکھتے ہیں: وقيل: هم مبتدعو هذه الأمة، وهم المشبهة و المجبرة و الحشوية و أشباههم(۶).

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آیت کا مصداق اس امت کے بدعتی [اہل السنّت والجماعت] ہیں۔ جو جبریہ، حشویہ اور مشبہہ اور ان کی طرح دوسرے فرقے ہیں۔''

۔۳: آیت کریمہ: لَنْ تَرَانِي(۷) کے تحت اہل السنّت والجماعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

لَجَمَاعَةٌ سَمُّوا هَوَاهُم سُنَّةً وَ جَمَاعَةٌ حُمُرٌ لَعَمْرِي مُوكَفَةٌ
قَدْ شَبَّهُوهُ بِخَلْقِهِ وَ تَخَوَّفُوا شُنَعَ الْوَرَى فَتَسَتَّرُوا بِالْبَلْكَفَةِ(۸)

---

(۱) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱:۳۴۴ (۲) معتزلی علماء مراد ہیں جو خود کو اس نام سے یاد کرتے ہیں۔

(۳) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱:۳۴۵

(۴) اہل السنّت والجماعت کی طرف اشارہ ہے جو نہ تو جبریہ ہیں، نہ حشویہ اور نہ مشبہہ، مگر معتزلہ انہیں ان ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

(۵) سورۃ آل عمران ۳:۱۰۵ (۶) الکشاف عن غوامض التنزیل ۱:۳۹۹

(۷) سورۃ الاعراف ۷:۱۴۳ (۸) الکشاف عن غوامض التنزیل ۲:۱۵۶

''ایک گروہ ایسا ہے جس نے اپنی خواہش کو سنت و جماعت کا نام دیا ہے۔ مجھے زندگی دینے والے کی قسم وہ ایسے گدھے ہیں جن پر زین کسے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تشبیہ اُس کی مخلوق کے ساتھ دی ہے اور لوگوں کی ڈر سے بلا کیف کے قول سے اسے چھپالیا ہے۔''

-۴: آیت کریمہ: وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۱) کے تحت لکھتے ہیں:

ولولم يكن في القرآن حجة على القدرية الذين هم مجوس هذه الأمة بشهادة نبيها ﷺ—و كفى به شاهداً—إلّاهذه الآية لكفى بها حجة (۲).

''قدریہ—جو نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس امت کے مجوس ہیں اور اُن کی شہادت کافی ہے—اگر قرآن مجید میں اُن کے خلاف اس آیت کے سوا کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تو یہی دلیل کافی تھی۔''

تفسیر کشاف کے ظہور کے کافی عرصہ بعد علماء نے اس کی بڑی خدمت کی۔ بعض علماء نے اس کے اعتزالی نظریات سے بچتے ہوئے اس کی تلخیصات لکھیں، جس کی تفصیل کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون جلد دوم: ۱۴۷۶-۱۴۸۴ میں پڑھی جاسکتی ہے۔

حافظ زیلعی (۳) نے تخریج احادیث الکشاف کے نام سے اس کے احادیث کی تخریج کی ہے، جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اور بازار میں خال خال دستیاب ہوتی ہے۔ حافظ صاحب کی اس کتاب کا خلاصہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الکافي الشاف عن أحاديث الكشاف کے نام سے لکھا ہے جو کشاف کے متداول نسخوں پر صفحہ بصفحہ چھپا ہوا ہے۔

اسکندریہ کے علامہ ابن المنیر نے الانتصاف کے نام سے کشاف پر ایک وقیع اور علمی حاشیہ لکھا جس میں انہوں نے زمخشری کے اٹھائے ہوئے بعض نحوی مباحث پر نقد وجرح کی ہے مگر اُن کی توجہات کا مرکز زمخشری کے معتزلی نظریات ہیں جن پر اُنہوں نے شدید ردوقدح کی ہے اور اُن تاویلات کا ابطال کیا ہے جو اپنے عقائد کے اثبات کے لیے انہوں نے کی ہیں۔

---

(۱) سورۃ حم السجدۃ ۴۱: ۱۷ (۲) الکشاف عن غوامض التنزیل ۴: ۱۹۴

(۳) عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی، ابومحمد، جمال الدین۔ فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ صومال کے علاقے زیلع سے تعلق تھا۔ ۷۶۲ھ=۱۳۶۰ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ آپ شارح کنز زیلعی نہیں، اُن کا نام عثمان ہے۔ [البدر الطالع ۱: ۴۰۲، الاعلام ۴: ۱۴۷]

فصل چہارم

تفسیر فقہی = احکام القرآن

عہد رسالت کے مسلمانوں کی مادری زبان چونکہ عربی تھی اس لیے وہ قرآن مجید کے فقہی اَحکام کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اگر کسی بات کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آتی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام بعض ایسے مسائل سے دوچار ہوئے جن کا صحیح شرعی حل مطلوب تھا چنانچہ انہوں نے اس ضمن میں پہلی کوشش یہ کی کہ ان مسائل کے استنباط میں قرآن مجید کی طرف رجوع کیا۔ قرآنی آیات میں فکروتدبر کے وہ عادی تو تھے ہی اب اس میں مزید منہمک ہوئے۔ اگر طلب وتلاش سے ان مسائل کا حل قرآن مجید میں مل جاتا تو اس پر عمل کرتے ورنہ سنت رسول اللہ ﷺ کی جانب متوجہ ہو جاتے اگر اس میں بھی اُن کا حل نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے اور کتاب وسنت کے قواعدِ کلیہ کی روشنی میں ان کو حل کرتے۔ اس کی کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱- قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (۱)

''تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن تک [نکاح اور خطبہ یعنی: اس کے مقدمات سے] روکے رکھیں۔''

جب کہ ایک اور آیت میں ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۲)

''اور حمل والیوں کی میعاد اُن کے حمل کا پیدا ہونا ہے۔''

• ایک حدیث میں ہے: جاء رجلٌ إلى ابن عباس، وأبو هريرة جالسٌ عنده فقال: أفتني في امرأةٍ وَلَدَت بعدَ زوجها بأربعين ليلةٍ، فقال ابن عباس: آخر الأجلين، قلتُ أنا: وَاُولَاتُ

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۳۴ (۲) سورۃ الطلاق ۶۵: ۴

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ‘قال أبو هريرة:أنامع ابن أخي يعني أباسلمة‘فأرسل ابن عباس غلامه كريباً إلى أم سلمة يسألها فقالت : قُتِلَ زوجُ سُبَيْعَة الأسلميَّة وهي حُبلَى فوضعت بعد موته بأربعين ليلةً فخطِبَت فأنكحها رسولُ اللّٰهِ ﷺ و كان أبو السنابل فيمن خطبها[1] .

''ایک شخص سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ[2] بھی اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والے نے پوچھا کہ آپ مجھے اس عورت کے متعلق مسئلہ بتائیے جس نے اپنے شوہر کی وفات کے چار مہینے بعد بچہ جنا؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کا خاوند فوت ہو وہ عدت کی دو مدتوں میں جو لمبی مدت ہو اُس کی رعایت کرے۔ [ابو سلمہ[3] کہتے ہیں] میں نے عرض کیا کہ [قرآن مجید میں اُن کی عدت کا حکم یہ ہے] ''حمل والیوں کی عدت اُن کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔'' سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہی ہوں۔ ان کی مراد ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے تھی۔ آخر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیدنا کریب رضی اللہ عنہ[4] کو ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ ام

---

(۱) صحیح بخاری‘ کتاب التفسیر[۶۵] تفسیر سورۃ الطلاق[۶۵] باب و أولات الأحمال أجلهن أن يضعنَ حملهن[۲] حدیث:۴۹۰۹

(۲) سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں‘ان کے نام کے سلسلے میں محدثین ومؤرخین کے مابین اختلاف موجود ہے اس بارے میں ان کے اٹھارہ اقوال ملتے ہیں۔ ایک جم غفیر کے نزدیک ان کا نام عبد الرحمٰن بن صخر تھا۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے‘ اُن کے مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ۸۰۰ کے لگ بھگ ان کے شاگرد تھے۔ ۵۹ھ =۶۷۹ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [تلقيح فهوم أهل الأثر:۳۶۳‘الاعلام ۳:۳۰۸]

(۳) عبد اللہ/ اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن عوف قرشی زہری مدنی۔ ثقہ‘فقیہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں: ثقہ اور امام تھے۔ ۹۴ ہجری کو ۷۲ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

[تہذیب الکمال ۳۳:۳۷۰‘ترجمہ:۷۴۰۹]

(۴) کریب بن ابی مسلم قرشی ہاشمی ابورِشدین حجازی رضی اللہ عنہ‘ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ثقہ تابعی تھے۔ ۹۸ ہجری کو فوت ہوئے۔ [تہذیب الکمال ۲۴:۱۷۲‘ترجمہ:۴۹۷۰]

المؤمنین نے فرمایا کہ سیدہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا[1] کے شوہر [سیدنا سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ[2]] شہید کردیے گئے تھے، وہ اُس وقت حاملہ تھیں۔ شوہر کی موت کے چالیس روز بعد اُن کے یہاں بچہ پیدا ہوا پھر اُن کے پاس نکاح کا پیغام پہنچا اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کا نکاح کردیا۔ سیدنا ابو السنابل رضی اللہ عنہ بھی اُن کے پاس پیغامِ نکاح بھیجنے والوں میں سے تھے۔''

۲۔ اسی قسم کا اختلاف سیدنا ابن مسعود اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین بھی اس مسئلہ میں رونما ہوا تھا جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: أنّ الحامل تخرُجُ من هذه العدةِ إذا وضعت وإن كان زوجُها على السرير حتى قال ابن مسعود: مَنْ شاءَ باهَلْتُهُ، إنّ قوله تعالى: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، نزَلَ بعد قوله: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً، وقال عليٌّ: عدةُ الحامل المتوفّى عنها زوجها تنقضي بأبعد الأجلين[3].

''حاملہ عورت اپنی عدت سے وضع حمل کے ساتھ ہی نکل جاتی ہے اگرچہ اُس کا شوہر ابھی چارپائی پر ہو اور دفن نہیں ہوا ہو۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں مباہلہ کرتا ہوں کہ آیت کریمہ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ آیت کریمہ: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً کے بعد نازل ہوئی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ مباہلہ کے بغیر فرمایا کرتے تھے: اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے [یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو عدت دور تر ہو وہی اس کی عدت ہے]۔''

۳۔ اس قسم کا اختلاف سیدنا ابن عباس اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم[4] کے مابین اُس شخص کی

---

(۱) سُبَیعَۃ بنت حارث الاَسلمیۃ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ سیدنا سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مدینہ منورہ اور کوفہ کے فقہاء نے اُن سے روایتیں لی ہیں۔ [تہذیب الکمال ۳۵: ۱۹۳، ترجمہ: ۷۸۵۶]

(۲) سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بنو مالک بن حسل بن عامر بن لوی سے ولاء کا تعلق تھا۔ بنیادی تعلق یمن سے تھا۔ سابقون اولون سے ہیں۔ ہجرت حبشہ ثانیہ میں شریک تھے۔ مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع میں فوت ہوئے۔ [اسد الغابۃ ۲: ۲۴۶، ترجمہ: ۱۹۸۴]

(۳) تاویلات اہل السنۃ ۱۰: ۶۱، تفسیر سورۃ الطلاق، تفسیر الطبرانی ۱: ۴۲۴، تفسیر سورۃ البقرۃ

(۴) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بن ضحاک انصاری، خزرجی، ابو خارجہ، اکابر صحابہ میں سے تھے۔ مدینہ منورہ میں گیارہ قبل ہجری = ۶۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ چھ سال کے تھے کہ ان کے والد کو قتل کیا گیا۔ گیارہ سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔......

میراث کے سلسلہ میں رونما ہوا تھا جو مرجائے اور اس کے ورثاء میں سے اُس کی بیوی اور والدین بقیدِ حیات ہوں۔ اس مسئلہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اُس کے ترکہ میں سے بیوی کو نصف، ماں کو ایک تہائی اور باقی ماندہ رقم باپ کو بحیثیت عصبہ کے ملے گی جس کی دلیل یہ آیت ہے: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (۱)

''اگر اُس [میت] کی اولاد نہ ہو اور اُس کے والدین اُس کے وارث ہوں تو اُس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے۔''

بخلاف ازیں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ میت کے والدین کا حصہ ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے گا اس کا ایک تہائی بیوی کو ملے گا (۲)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ائمہ اربعہ کے وقت تک بالعموم یہی کیفیت رہی کہ ہر امام نو پیدا حوادث کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور جو بات دلائل و براہین پر مبنی ہوتی اسے لے لیتے اُن کے فیصلے کبھی تو متفقہ ہوتے اور کبھی ایک دوسرے سے مختلف۔ تاہم کثرتِ اختلاف کے باوجود اُن کے ہاں جمود، تعصب اور ہٹ دھرمی کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ وہ طلب و تحقیق میں مشغول رہتے اور جب بھی کہیں مخالف جانب میں انہیں حق کہیں نظر آتا تو بلا توقف اور بغیر کسی جھجک کے اسے قبول کرتے۔

امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے: إذا صحَّ الحديث فهو مذهبي (۳)۔

''جب کسی حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

امام شافعی فرمایا کرتے تھے: إذا وجدتم في كتابي خلاف سنة رسول الله ﷺ فقولوا بسنة رسول الله ﷺ ودعوا ماقلتُ (۴)۔

......کاتبین وحی میں سے تھے۔ ان کی ''۹۲'' روایات ہیں۔ ۴۵ھ = ۶۶۵ء کو وفات پائی۔

[غایۃ النہایۃ ۱:۲۹۶، الاعلام ۳:۵۷]

(۱) سورۃ النساء ۴:۱۱ (۲) سنن کبریٰ، بیہقی ۶:۲۲۸

(۳) رد المحتار ۱:۲۸۳ (۴) مناقب الشافعی، بیہقی ۱:۴۷۲

''جب تم میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کوئی بات پاؤ تو میری بات کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرو۔''

یہ بھی فرمایا کرتے تھے: إذا صَحَّ الحديث فهو مذهبي، وإذا صَحَّ الحديثُ فاضربوا بِقَولي الحائط (۱).

''جب کسی حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور جب کسی حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو میری بات کو دیوار پر دے مارو۔''

امام احمد فرماتے ہیں: امام شافعی ہمیں فرمایا کرتے تھے: إذا صَحَّ عندكم الحديثُ عن النبي ﷺ فقولوا حتى أذهب إليه (۲).

''جب تمہارے پاس کوئی صحیح حدیث [میری اجتہاد کے خلاف] موجود ہو تو اسے میرے سامنے لاؤ تاکہ میں بھی اس کے مطابق قول اختیار کروں۔''

یہ قول ان الفاظ میں بھی منقول ہے: إذا صَحَّ الحديثَ عندكم عن رسول الله ﷺ فأخبرونا نرجع إليه (۳).

''جب تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث پہنچے تو ہمیں اس سے آگاہ کیجئے تاکہ میں بھی اس کی طرف رجوع کروں۔''

امام شافعی اپنے استاذِ محترم امام مالک کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

إذا ذُكِرَ الحديثُ فمالِك بن أنسٍ النَّجمُ (۴).

''جب حدیث نبوی کا ذکر کیا جائے تو امام مالک [درخشندہ] ستارہ ہے۔''

اگرچہ جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے کچھ ایسے قرآن بے زار لوگ بھی موجود تھے جو حدیث کو قرآن مجید پر ترجیح دیتے چنانچہ مکحول شامی (۵) کہا کرتا تھا کہ:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱۰:۳۵ (۲) مناقب الشافعی، بیہقی ۱:۴۷۶

(۳) طبقات الحنابلہ ۲:۱۵، ترجمہ: ۵۹۴ (۴) العقیدۃ، روایۃ الخلال: ۱۲۷

(۵) مکحول بن ابی مسلم شہراب بن شاذل ابوعبداللہ فارسی الاصل تھے۔ کابل میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن وہیں گزارا پھر زبردستی غلام بنائے گئے۔ مصر کے خاندان بنو ہذیل کی ایک عورت نے آپ کو خریدا اور کچھ عرصہ بعد آزاد کر=

القرآنُ أحوجُ إلى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ إلى القرآن (١)

''سنت جتنی قرآن مجید کی محتاج ہے اس سے کہیں زیادہ قرآن مجید سنت کا محتاج ہے۔''

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک سنت قرآن مجید کی اتنی محتاج نہیں جتنا کہ قرآن مجید سنت کا محتاج ہے، یہ صاف صاف ترجیح دینے کی بات ہے اور ظاہر ہے کہ شدید قسم کی مبالغہ آمیزی ہے، یہ لے بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک بزرگ یحییٰ بن ابی کثیر (٢) کا قول ہے کہ:

اَلسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَلَيسَ الْكِتَابُ قَاضِياً عَلَى السُّنَّة (٣)

''سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے لیکن کتاب اللہ سنت پر حاکم نہیں ہے۔''

گویا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ پر حاکم ہیں مگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر حاکم نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن مجید نہ ہو تو سنت و حدیثِ رسول کیا کرے گی؟ ان کی عمارت کس چیز پر استوار ہوگی؟ سنت و حدیث کی اساس تو بہر حال قرآن مجید ہی ہے، اس کے بغیر سنت و حدیث کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میں اصل و فرع اور اجمال و تفصیل کا تعلق ہے، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ دونوں یک جان و باہم دگر پیوست ہیں اور ہم ان دونوں کے یکساں محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امت مسلمہ میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے غلو پسندوں کے مقابل میں امت کی ہمیشہ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی ہے اور بقولِ مولانا

......دیا۔ طلبِ حدیث میں عراق، مدینہ طیبہ اور دیگر ممالک کے اسفار کیے۔ دمشق میں رہائش پذیر ہوئے جہاں ١١٢ھ = ٧٣٠ء کو وفات پائی۔ مدلس تھے۔

[وفیات الاعیان ٥: ٢٨٠، تذکرۃ الحفاظ ١: ١٠٧، میزان الاعتدال ٤: ٧٧، الاعلام ٧: ٢٨٤]

(١) الکفایۃ فی علم الروایۃ: ١٤، جامع بیان العلم وفضلہ ٢: ٣٣٢

(٢) یحییٰ بن ابی کثیر امام اور حافظ تھے۔ بنوطئ سے تعلق تھا۔ ابو کثیر کے نام کے تعین میں علماء رجال کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی اس کا نام صالح، کوئی یسار اور کوئی نشیط بتاتا ہے۔ صحاح کے راوی ہیں، ان کی مراسیل مثلُ الرّیح ہوتی ہیں۔ ١٢٩ھ کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ٦: ٢٧-٣١]

(٣) سنن الدارمی ١: ١٥٣، الکفایۃ فی علم الروایۃ: ١٤، جامع بیان العلم وفضلہ ٢: ٣٣٢

الطاف حسین صاحب حالی[1]

گروہ ایک جویا تھا عِلمِ نبی کا لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون نہ چلنے دیا کوئی باطل کا اَفسوں[2]

چنانچہ اس مرحلے میں بھی جب یہ فتنہ اٹھا تو سب سے زیادہ خوبی کے ساتھ جس شخص نے اپنا فرض ادا کیا ہے' وہ حدیث کے سب سے بڑے راز داں اور سب سے بڑے خادم امام اہل السنّت والجماعت امام احمد بن محمد بن حنبل ہیں اس قسم کے مبالغہ آمیز اقوال جب ان کے سامنے آئے تو انہوں نے صحیح نقطہ نظر واضح فرمایا کہ:

ما أجسر علی هذا أن أقوله' ولکن السنة تُفَسِّرُ الکتاب و تُعَرِّفُ الکتاب و تُبَیِّنُهُ[3]

''میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا' سنت تو قرآن مجید کی تفسیر کرتی اور اس کی مجمل باتوں کی توضیح کرتی ہے۔''

مطلب بالکل واضح ہے کہ سنت و حدیث قرآن مجید کی تفسیر' تعریف' توضیح اور تبیین کا کام کرتی ہے' یہ سوال بالکل خارج از بحث ہے کہ کوئی حدیث یا سنت قرآن مجید کی ناسخ ہو سکے۔ سنت و حدیث کی اہمیت و حجت دل و جان سے مسلم ہے لیکن ان کے قرآن مجید پر حاکم ہونے کا دعوی قطعاً باطل ہے اس لیے امام احمد یہ بھی فرماتے تھے کہ سنت قرآن مجید کی کسی بات کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید کے کسی حکم کو قرآن مجید ہی منسوخ کر سکتا ہے اور یہی امام شافعی کا بھی قول ہے کہ:

لا ینسخ القرآن إلّا القرآن' قال أبو عمرو: هذا قول الشافعي 'أن القرآن لا ینسخه إلّا القرآن'

---

(۱) خواجہ الطاف حسین حالی' ۱۲۳۵ھ = ۱۸۳۷ء کو پانی پت' ہند میں پیدا ہوئے' اُن کے آباء و اجداد تقریباً سات سو سال [غیاث الدین بلبن کے عہد] سے پانی پت میں آباد تھے۔ نو سال کی عمر تھی کہ اُن کے والد فوت ہوئے۔ بڑے بھائی نے اُن کی پرورش کی۔ قیام دہلی کے زمانہ میں مرزا اسد اللہ خان غالب سے اکثر ملتے رہے۔ اردو ادب میں حالی کا بڑا مقام ہے۔ ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔ [اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۷: ۸۳۵]

(۲) مسدس حالی: ۸۲

(۳) الکفایة في علم الروایة: ۱۵' طبقات الحنابلة' ابن ابی یعلی ۱: ۲۵۲' جامع بیان العلم وفضله ۲: ۳۳۳

مثلہ (۱)

''سنت ناسخ قرآن نہیں ہوتی' البتہ قرآن اپنے کسی سابق حکم کو منسوخ کرتا ہے۔''

یہی بات امام شاطبی (۲) نے ایک دوسرے اسلوب میں یوں واضح کی ہے کہ:

إنّ قضاء السُّنَّة على الكتاب ليس بمعنى تقد يمها عليه و إطراح الكتاب' بل أن ذلك المُعَبَّر في السنة هو المراد في الكتاب ' فكأن السنة بمنزلة التفسير و الشرح لمعاني أحكام الكتاب' دلّ على ذلك قول الله تعالى: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِم ' (۳)

''سنت کے کتاب اللہ پر قاضی ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اسے کتاب اللہ پر مقدم ٹھہرایا جائے اور کتاب اللہ کو اس کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے' بلکہ جو کچھ سنت میں بیان کیا جاتا ہے' وہ کتاب اللہ کی مراد ہوتا ہے۔ گویا سنت احکام کتاب اللہ کے معانی کے لیے شرح و تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی بات قرآن مجید کی آیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيهِم (۴) میں واضح کی گئی ہے۔''

اس کے بعد امام شاطبی نے قطع ید کی سزا کے بارے میں بعض تشریحات کا حوالہ دیتے ہوئے مزید وضاحت کی ہے کہ: فذلك هو المعنى المراد من الآية ' لا أن نقول أن السنة أثبت هذه الأحكام دون الكتاب' كما إذا بيَّنَ لنا مالك أو غيره من المفسرين معنى آيةٍ أو حديثٍ فعملنا بمقتضاه' فلا يصح لنا أن نقول :إنا عملنا بقول المفسر الفلاني ' دون أن نقول: عملنا بقول الله تعالى أو قول رسوله ﷺ وهكذا سائر ما بيَّنه السنة من كتاب الله ' فمعنى كون السنة قاضية على الكتاب: أنها مبينة له' فلا يوقف مع اجماله و احتماله' وقد بيت المقصود منه' لا أنها مقدمة عليه (۵) .

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲: ۳۳۳

(۲) ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی' غرناطی' اصولِ دین کے ماہر عالم تھے۔ حافظ تھے۔ غرناطہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ مالکی مذہب کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کئی مفید اور معتبر کتابیں لکھیں۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۵ء کو وفات پائی۔

[فہرس الفہارس ۱: ۱۳۴' الاعلام ۱: ۷۵]

(۳) الموافقات فی اصول الشریعۃ ۴: ۷-۸ (۴) سورۃ النحل ۱۶: ۴۴

(۵) الموافقات فی اصول الشریعۃ ۴: ۸

''سنت کی یہ توجیہ درحقیقت آیت کا مفہوم و مدعا ہے' ہم یہ نہیں کہیں گے کہ سنت نے یہ احکام قرآن مجید کے علاوہ دیے ہیں' جس طرح کہ امام مالک یا کوئی دوسرا مفسر کسی آیت یا حدیث کے معنی بیان کرتا ہے اور ہم اس معنی کے مطابق عمل کرتے ہیں' تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے' کہ ہم نے فلاں مفسر کے قول کے مطابق عمل کیا ہے' اس کے بجائے ہم یہ کہیں گے کہ ہمارا عمل اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کے قول کے مطابق ہے' یہی معاملہ قرآن کریم کی ان تمام آیات کا ہے جن کی تبیین سنت نے کی ہے' لہٰذا سنت کے کتابُ اللہ پر قاضی ہونے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کتابُ اللہ کی شارح ہے۔''

ان لوگوں کی دیکھا دیکھی بعض فقہاء سَامَحَہُمُ اللّٰہ تعالیٰ نے ائمہ اور مجتہدین کے فقہی آراء اور اجتہادات کو پہلے حدیث اور پھر قرآن مجید پر فوقیت دی۔ مثلاً امام کرخی (۱) نے اصول فقہ میں لکھا ہے کہ: کُلُّ آیۃٍ أو حدیثٍ یُخالِفُ ما علیہ أصحابنا فھو مؤوَّلٌ أو منسوخٌ (۲)

''ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے اصحاب کے مسلک کے خلاف جاتی ہو اس کی یا تو تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ قرار دیا جائے گا۔''

یہ پہلی جسارت سے بڑھ کر جسارت ہے اس لیے کہ کسی امتی کے اجتہاد کی بناء پر نص قطعی کو منسوخ یا ماؤل قرار دینا پرلے درجہ کی شخصیت پرستی اور مرعوبیت ہے اور یہ قرآن مجید اور حدیث کی اہمیت کو گھٹا کر انہیں ثانوی حیثیت میں لانے کے مترادف ہے۔

---

(۱) عبید اللہ بن حسین بن دلال بن دلہم' ابوالحسن' کرخی۔ مشہور حنفی اصولی عالم وفقیہ تھے۔ ابوبکر جصاص کے استاذ محترم ہیں۔ اپنے زمانے میں احناف کے سرخیل مانے جاتے تھے۔ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔ فقر پر صابر وشاکر تھے۔ واسع العلم اور کثیر الروایۃ تھے۔ بڑھاپے میں فالج میں مبتلا ہوئے تھے۔ ۳۴۰ھ کو وفات پائی۔ کرخ نواح عراق میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ [تاج التراجم: ۲۰۰-۲۰۱' ترجمہ: ۱۵۵]

(۲) ان کا یہ رسالہ چند اوراق پر مشتمل ہے جو ''اصول الکرخی'' کے نام سے ''اصول البزدوی'' کے آخر میں شامل کر کے شائع کیا گیا ہے۔

فقہاء کرام کی تفسیری خدمات

-فقہائے احناف-

-امام طحاوی-

احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبدالملک ازدی، حجری، مصری، طحاوی، حنفی، مصر کے علاقہ طحا کے ایک گاؤں میں ۲۳۹ھ=۸۵۳ء کو پیدا ہوئے، اس لیے طحاوی کہلائے۔ علم حدیث اور علم فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اُن کی تالیفات بغور پڑھنے سے اُن کے علمی رتبہ وسعت و تبحر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے آپ اُنہیں الإمام، العلامة، الحافظ الکبیر، محدث الدیار المصریة وفقیهها جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ ابتدائی عمر میں شافعی المسلک تھے، پھر حنفی ہو گئے۔ قاہرہ میں ۳۲۱ھ=۹۳۳ء کو وفات پائی[1]۔

امام طحاوی نے اپنی اس تصنیف لطیف میں اپنا علمی سکہ جمادیا ہے اس لیے کہ اُنہوں نے دین کے اصلی مصادر: قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے اور اُن سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ بحث کرتے کرتے وہ دلائل و براہین کا جائزہ بھی لیتے ہیں اور ان میں سے اُن کے علم کے مطابق اقرب الی النص ہو اُس کو ترجیح دیتے ہیں۔

صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین تک کا ذکر مع دلائل کرتے ہیں اور اُن کے اقوال کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تطبیق ناممکن ہو تو پھر نسخ، اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بحث کرتے ہیں۔

جس آیت سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا چاہتے ہوں اس کو تأویل قول اللہ کے عنوان کے تحت نقل کر کے اُس کی تفسیر لکھ لیتے ہیں۔ اگر اپنے موقف کے لیے قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی تائیدی حدیث موجود ہو تو اُسے بھی لکھ لیتے ہیں اور آیت کی وضاحت کر لیتے ہیں۔

کسی مسئلہ کے استنباط کے لیے قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۲۷-۳۳، الاعلام ۱: ۲۰۶

کی طرف رجوع کرتے ہیں (۱)۔
جہاں ضرورت ہو وہاں آیت کا سبب نزول بھی بیان کر لیتے ہیں۔ اُن کی یہ کتاب فقہی ابواب پر مرتب ہے۔ کتاب الحج تک کا حصہ دو جلدوں میں مطبوع ہے اور باقی حصہ اب تک مفقود ہے۔

-امام ابوبکر جصاص رازی-

احمد بن علی، رازی، ابوبکر جصاص۔ بغداد میں ۳۰۵ھ = ۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ بغداد میں رہائش تھی جہاں ۳۷۰ھ = ۹۸۰ء کو وفات پائی۔ علامہ ابوبکر خوارزمی نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اپنے عہد میں احناف کے سرخیل تھے۔ احکام القرآن، شرح مختصر کرخی، شرح مختصر الطحاوی اور شرح الجامع الکبیر جیسی کتابیں لکھیں (۲)۔

علمائے اَحناف کے نزدیک یہ نہایت اہمیت کی حامل تفسیر ہے کہ اس کی اَساس حنفی فقہ کے دفاع پر رکھی گئی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی ساری سورتیں زیر بحث لائی گئی ہیں مگر جن آیات کا فقہی اَحکام سے کوئی تعلق نہیں اُن سے تعرض نہیں کیا گیا۔ مؤلف قرآن مجید سے مستنبط احکام ہی بیان نہیں کرتے بلکہ کثرت کے ساتھ ایسے اختلافی مسائل و دلائل بھی بیان کرتے ہیں جن کا آیت سے بہت معمولی تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً ارشادِ ربّانی ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۳)

''اور بشارت دو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اس بات کی کہ اُن کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔''

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مَن قال: أيُّ عبد بَشَّرني بولادةِ فلانةٍ فهو حُرٌّ فبشَّروهُ

---

(۱) اور یہی امام ابوحنیفہ کا طرز استدلال ہے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر اُن کی زبانی لکھتے ہیں: آخُذُ بكتابِ اللّٰهِ، فما لم أجدفبسنة رسول اللّٰه ﷺ فما لم أجد في كتاب اللّٰه ولا في سنة رسول اللّٰه ﷺ أخذتُ بقول أصحابه، آخُذُ بقولِ مَن شئتُ منهم وأدَعُ مَنْ شِئتُ منهم، ولا أخرُجُ من قولهم إلى قول غيرهم.
[الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء: ۲۶۱-۲۶۲؛ ۲۶۴-۲۶۵]

(۲) الجواہر المضیۃ: ۵۸-۵۹، ترجمہ: ۱۵۲، الاعلام ۱: ۱۷۱

(۳) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۵

15

جماعةٌ واحداً بعد واحدٍ إنَّ الأول يعتق دون غيره لأن البشارة حصلت بخبره دون غيره (۱).

''جس شخص نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو مجھے فلاں عورت کے بچہ جننے کی خوش خبری دے گا میں اُسے آزاد کردوں گا چنانچہ یکے بعد دیگرے بہت سے غلاموں نے اس کوایسی بشارت سنادی تو پہلا غلام آزاد ہوگا دوسرے نہیں اس لیے کہ خوشی تو پہلے کی خبر سے مل گئی تھی۔''

ارشادِ ربانی ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ (۲).

''اور عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ سچی ہے۔''

اس آیت کے تحت مؤلف نے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ جب لُقطَة [گری پڑی چیز] کا دعویٰ کرنے والا اس کی نشانیاں ذکر کردے' نیز یہ کہ اگر دو شخصوں کو ایک گرا پڑا بچہ مل جائے اور دونوں اس کے دعوےٰ دار ہوں اور ایک اس کے جسم میں کوئی نشانی بتلائے۔علاوہ ازیں اس باب میں فقہاء کا اختلاف ذکر کیا جب کہ خاوند اور بیوی دونوں کسی گھریلو چیز کے بارے میں دعویٰ کریں اور ان میں سے ہر ایک یہ کہے کہ یہ چیزیں میری ملکیت ہے (۳)۔

اور اس قسم کے دیگر اختلافی مسائل جن کا تعلق آیت کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔

مؤلف علام بسا اوقات حنفی مسلک کی تائید میں حد سے زیادہ آگے بڑھتے ہیں اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اپنے مذہب کی حمایت اور جنبہ داری میں غلو سے کام لیتا ہے بلکہ بعض جگہ تاویل میں اس لیے کھینچا تانی سے کام لیتے ہیں تاکہ مخالف اس سے اپنے نظریہ کے اِثبات میں استدلال نہ کر سکے۔اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

-۱: ارشادِ ربانی ہے: ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (۴).

''پھر روزوں کو رات تک پورا کرو۔''

---

(۱) احکام القرآن ۱:۳۰
(۲) سورۃ یوسف ۱۲:۲۶
(۳) احکام القرآن ۲:۱۷۱
(۴) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۷

امام جصاص نے اس آیت کے تحت لکھا ہے: يدُلُّ على أنَّ مَن دخلَ في صوم التطوع لزمه إتمامه (۱).

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص ایک دفعہ نفلی روزہ کو شروع کر دے تو اُسے پورا کرنا اُس پر واجب ہو جاتا ہے۔''

۲: ارشاد ربانی ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (۲).

''جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو اُنہیں اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو۔''

اس آیت کریمہ سے امام جصاص نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عورت، ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے (۳)۔

امام جصاص معتزلی عقائد سے متاثر تھے

اسی رجحان ومیلان کا صاف اور صریح ثبوت ان کی تفسیر میں جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ (۴).

''اور اُن [ہزلیات] کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان [علیہ السلام] کے عہد [سلطنت] میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔''

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ومتى أطلق فهو إسم لكل أمر مموه باطل، لا حقيقة له ولا ثُبات (۵). ''سحر کا اطلاق ہر باطل اور بے حقیقت چیز پر ہوتا ہے جس کا کوئی وجود نہ ہو۔''

صحیح روایت ہے کہ لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کر ڈالا تھا (۶)۔

---

(۱) احکام القرآن ۱: ۲۳۴ (۲) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۳۲ (۳) احکام القرآن ۱: ۳۹۹-۴۰۰

(۴) سورۃ البقرۃ ۲: ۱۰۲ (۵) احکام القرآن ۱: ۴۲ (۶) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق [۵۹]، باب صفۃ ابلیس وجنودہ [۱۱] حدیث: ۳۲۶۸، کتاب الطب [۷۶] باب ہل یستخرج السحر [۴۹] حدیث: ۵۷۶۵، کتاب الدعوات [۸۰] باب تکریر الدعاء [۵۷] حدیث: ۳۶۹۱.

اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ومثل هذه الأخبار من وضع الملحدين.(۱)

''اس قسم کی روایتیں ملاحدہ کی وضع کردہ ہیں(۲)۔''

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مؤمن اللہ تعالیٰ کی دیدار سے بہرہ ور اور محظوظ ہوں گے، اسی سلسلہ میں کافی آیات و احادیث بھی موجود ہیں لیکن امام ابوبکر جصاص اس عقیدہ کی دھجیاں یوں بکھیرتے ہیں کہ: لاتدركه الأبصار، معناه: لاتراه الأبصار، وهذا تمدح ينفي رؤية الأبصار كقوله تعالى: لاتأخذه سنة ولا نومٌ وماتمدح الله بنفيه عن نفسه فإن إثبات ضده ذمٌ و نقصٌ، فغير جائز إثبات نقيضه بحالٍ، كمالو بطل إستحقاق الصفة بِلا تأخذه سنة ولا نوم لم يبطل إلا إلى صفةِ نقصٍ، فلماتمدح بنفي رؤية البصر عنه لم يجز اثبات ضده و نقيضه بحالٍ إذ كان فيه إثبات صفة نقص ولا يجوز أن يكون مخصوصاً بقوله تعالى: وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ لأن النظر محتمل لِمعانٍ: منه إنتظار الثواب، كما روي عن جماعة من السَّلف، فلما كان ذلك محتملاً للتأويل لم يجز الإعتراض عليه بما لامَسَاغَ للتأويل فيه، و الأخبار المروية فى الرؤية إنما المراد بها

(۱) احکام القرآن ۱:۴۹

(۲) بہت سے لوگ جصاص کے اس قول سے اِستشہاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کفار کی طرف منسوب کر کے کہا گیا ہے: اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوْراً [سورۃ الفرقان ۲۵:۹] چونکہ سحر والی روایت میں کفار کے اس نظریے کی بظاہر تصدیق ہوجاتی ہے اس لیے انہوں نے اس روایت ہی کو غلط قرار دیا حالانکہ یہ استدلال ایسا ہی بے بنیاد ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ قرآن مجید میں جابجا مذکور ہے کہ کفار کو یہ بات اچنبھے والی لگی کہ کوئی بشر رسول اور نبی کیونکر ہوسکتا ہے اس لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بشریت ہی کا انکار کر دیا چنانچہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ [سورۃ البقرۃ ۲:۸] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اُس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لیے قرآن پاک میں جابجا انبیائے کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا ہے اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

[تفسیر سید نعیم الدین مراد آبادی: ۵]

یہ دونوں باتیں تفسیر بالرای المذموم کے زمرے سے ہیں اس لیے نادرست ہیں۔

العلم لو صحت، وهو علم الضرورة الذي لا تشوبه شبهة ولا تعرض فيه الشكوك، لأن الرؤية بمعنى العلم مشهورة في اللغة(۱).

''اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ آنکھیں ذاتِ باری تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں، جس طرح دوسری آیت میں فرمایا کہ اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ اس آیت میں نیند اور اونگھ کا نہ آنا اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف وتوصیف پر مشتمل ہے، جب اللہ تعالیٰ نے رؤیتِ بصری کی نفی کو مدح قرار دیا ہے تو اس کی ضد کا اثبات نقص وعیب ہوگا، اس لیے یہ کہنا اللہ تعالیٰ کی مذمت ہے کہ آنکھیں اس کو دیکھ سکتی ہیں۔ جہاں تک سورۃ القیامۃ کی اس آیت اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا تعلق ہے تو یہاں نَاظِرَةٌ کا لفظ انتظار سے مشتق ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اجر وثواب کے منتظر ہوں گے۔ علمائے سلف کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے، جب اس آیت میں تاویل کی گنجائش موجود ہے تو اس کی بنا پر آیت لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ پر اعتراض نہیں کیا جا سکے گا جس میں تاویل کا سرے سے احتمال ہی موجود نہیں، باقی رہیں وہ احادیث جن میں رؤیتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے تو اس میں رؤیت سے مراد علم ہے۔ رؤیت کا لفظ علم کے معنی میں عربی لغت میں عام طور سے معروف ہے۔''

آپ نے دیکھا کہ امام ابوبکر جصاص شد و مد کے ساتھ معتزلہ کے ہی خواہ ہیں ان کے لیے دلائل اکٹھے کرتے ہیں اور اہلِ سنت کے مسلک کو دلیلِ باطل سے غلط بتانے پر مُصِر ہیں، ان کی یہ بات جڑ مول ہی سے غلط اور بے بنیاد ہے اور اس میں کوئی وزن نہیں کیونکہ اضافت وتعدیت اور صِلات کے لحاظ سے نظر کے استعمالات اور معانی میں فرق آتا رہتا ہے، مثلاً:

[ا] جب اس کا صلہ اِلٰی آجائے تو اس وقت اس کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے ہوتے ہیں، جیسے:

اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ(۲).

''یہ چیزیں جب پکتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور [جب پکتی ہیں تو] اُن کے پکنے پر نظر کرو۔''

---

(۱) احکام القرآن ۳: ۴-۵

(۲) سورۃ الانعام ۶: ۹۹.

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۱)

''اُس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے [اور] اپنے پروردگار کے محوِ دیدار ہوں گے۔''

[۲] جب اس کا صِلہ فِیْ آ جائے تو اس وقت اس کے معنی سوچ و فکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے ہوتے ہیں جیسے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲)

''کیا اُنہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور و فکر نہیں کیا۔''

[۳] اور جب یہ متعدی بنفسہٖ ہو تو اس وقت اس کے معنی توقف اور انتظار کرنے کے ہوتے ہیں' جیسے: اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (۳)

''ہمارے لیے ذرا ٹھہریے' کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔''

اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ۵۸-۶۲ اور شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۱:۲۰۹-۲۱۸ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔

۞ امام ابوالحسن الاشعری (۴) اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۵)'' سے رؤیت باری تعالیٰ کی نفی پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس رؤیت سے مراد دنیا میں دیکھنا نہیں

---

(۱) سورۃ القیامۃ ۷۵: ۲۲-۲۳ (۲) سورۃ الاعراف ۷: ۱۸۵ (۳) سورۃ الحدید ۵۷: ۱۳

(۴) علی بن اسماعیل بن اسحاق' ابوالحسن' سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ = ۸۷۴ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ مذہب اشعری کے بانی تھے۔ چالیس سال تک معتزلی رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے امام بنے اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس کے دین کا معاون بنے اور حق کی پیروی کے لیے اُس کا سینہ کھول دے تو آپ پندرہ دن تک لوگوں سے اپنے گھر میں الگ تھلگ رہے' پھر جامع میں آ کر منبر پر بیٹھ گئے اور فرمایا: لوگو! میں اتنی مدت تم سے غائب رہا' میں نے دلائل کا موازنہ کیا' جو میرے نزدیک ایک دوسرے کے برابر ہے اور میں کسی دلیل کو ترجیح نہ دے سکا' میں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی راہ دکھانے کی دعاء کی' اُس نے مجھے اُس حق کی طرف ہدایت کی جو میں نے اپنی اِن کتابوں میں لکھا ہے اور اپنے سابقہ سارے عقائد سے اس طرح باہر نکلتا ہوں جس طرح میں نے اپنا یہ لباس اُتار لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی قمیص اُتاری' اسے دور پھینکا اور جو کتابیں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق لکھی تھیں' وہ لوگوں کے حوالہ کیں۔ ۳۲۴ھ = ۹۳۶ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [الخطط المقریزیۃ ۴: ۱۹۱' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳: ۳۴۷' الاعلام ۴: ۲۶۳]

(۵) سورۃ الانعام ۶: ۱۰۳

بلکہ آخرت میں دیکھنا رؤیت کہلاتا ہے جب کہ سورۃ الانعام کی یہ آیت دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کرتی ہے اور جو سورۃ الانعام والی آیت اس باطل مذہب کے لیے بطور دلیل پیش کرتا ہے وہ خود اپنی بے علمی کا اقرار کرتا ہے (۱)۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا:

إنكم سترون ربكم كماترون هذا القمر ليلةَ البدر تضامون في رؤيته (۲).

''تم اپنے رب کو اس طرح بلا کسی تکلیف کے دیکھو گے جس طرح اس کامل چاند کو بغیر کسی مشقت و تکلیف کے دیکھتے ہو۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (۳) پر جصاص کا حملہ

امام ابوبکر جصاص حنفی کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، وہ جا بجا اپنی تفسیر میں اس کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ (۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وهذه صفة المهاجرين، لأنهم الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق، فأخبر الله أنه إن مكناهم فى الأرض أقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر، وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله في الأرض وهم: أبوبكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم وفيه الدلالة الواضحة على صحة إمامتهم لإخبار

(۱) الابانۃ: ۶۰، تفسیر ابن کثیر ۶: ۱۲۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ ق [۵۰-۲] حدیث: ۴۸۵۱، کتاب التوحید [۹۸] باب قول اللہ: وجوہ یومئذ ناضرۃ [۲۴] احادیث: ۷۴۳۴-۷۴۳۵، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ [۵] باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما [۳۷] حدیث: ۲۱۱-[۶۳۳]

(۳) معاویہ بن ابی سفیان [صخر] رضی اللہ عنہما بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، قرشی اموی، ۲۰ ق ھ = ۶۰۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ فصیح وحلیم اور باوقار تھے۔ عمرۃ القضاء کے سال اسلام قبول کیا۔ شام میں دولت اموی کے بانی ہیں اُنہیں پہلا بحری اسلامی جنگ لڑنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کاتب وحی تھے۔ ۶۰ھ = ۶۸۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ ۴: ۳۰۵، ترجمہ: ۴۹۸۶، الاعلام ۷: ۲۶۱]

(۴) سورۃ الحج ۲۲: ۱۴

اللہ تعالی بأنهم إذا مكنوا في الأرض قاموا بفروض الله عليهم وقد مكنوا في الأرض فوجب أن يكونوا أئمة قائمين بأوامر الله ' منتهين عن زواجره و نواهيه ' ولا يدخل معاوية ﷜ في هؤلاء 'لأن الله إنما وصف بذلك المهاجرين الذين خرجوا من ديارهم ' وليس معاوية ﷜ من المهاجرين بل هو من الطلقاء (۱)۔

''اس آیت میں مہاجرین کی توصیف کی گئی ہے کیونکہ وہ ہی ناجائز طور پر اپنے گھروں سے مجبور کر کے نکالے گئے تھے اور اس میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کئے گئے ہیں جو ابوبکر' عمر' عثمان اور علی ﷺ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی اس لیے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جائے تو وہ اللہ کے فرائض و واجبات کو قائم کریں گے اس میں شبہ نہیں کہ خلفا کو اقتدار عطا کیا گیا تھا اس لیے خلفائے راشدین اللہ تعالی کے اوامر و احکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات و محرمات سے باز رہنے والے تھے۔ سیدنا معاویہ ﷜ اس زمرہ میں شامل نہیں کیونکہ وہ مہاجر نہ تھے بلکہ طلقاء میں سے تھے جب کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے۔''

آپ نے امام ابوبکر جصاص حنفی کا بغض دیکھ لیا کہ وہ سیدنا معاویہ ﷜ کو ''خلفائے راشدین سے خارج کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں' حالانکہ آپ بنصِ قرآن ''راشد'' ہیں' قرآن عزیز میں أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ کی سند سنہری الفاظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے' رہی یہ بات کہ وہ مہاجرین میں سے نہ تھے بلکہ طلقاء میں سے تھے' سو اس سلسلے میں عرض ہے کہ سیدنا معاویۃ ﷜ قطعاً طلقاء میں سے نہیں تھے اس لیے کہ آپ حدیبیہ کے سال ایمان لائے تھے' آپ ﷜ نے ہجرت بھی کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے آپ اور سیدنا حتات بن بشر ﷜ کے درمیان مؤاخات و بھائی چارہ بھی قائم کیا تھا (۲)۔

امام ابن اثیر لکھتے ہیں: آخى رسول الله ﷺ بينه وبين معاوية بن أبي سفيان ﷜ (۳)۔

---

(۱) احکام القرآن ۳: ۲۴۶ (۲) الاصابۃ ۱: ۳۱۱' رحمۃ للعالمین ﷺ ۳: ۳۶۴

(۳) اسد الغابۃ ۱: ۴۷۳' ترجمہ سیدنا حتات بن یزید ﷜: ۱۰۷۷

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حُتات بن یزید اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے مابین مؤاخات قائم کیا تھا[۱]۔''

اس حنفی محقق مفسر کی وہ تفسیر بھی ملاحظہ ہو جو انہوں نے آیت: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ[۲] کے تحت بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

فيه الدلالة على صحة إمامة الخلفاء الأربعة أيضاً لأن اللّٰه استخلفهم في الأرض ومكّن لهم كما جاء الوعد ولا يدخل فيهم معاوية رضي الله عنه لأنه لم يكن مؤمناً في ذلك الوقت[۳].

''اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے اربعہ کی امامت صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ ان کو خلافتِ ارضی سے نوازا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے زمرہ میں اس لیے شامل نہیں کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کاتبِ وحی اور صحابی رسول کی خلافت صحیح خلافت نہیں تو پھر کسی تابعی اور بعد میں آنے والوں کی خلافت کس قاعدے اور قانون کی رو سے درست اور صحیح تسلیم کی جائے اور کس وجہ سے اُن کی خلافت راشدہ مانی جائے؟

کاش کہ جصاص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس باطل اور خبیث رائے کا اظہار نہ کرتے۔ اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے یہ عبارت بھی پڑھیے: وكان محقاً في قتاله لهم لم يخالف فيه

---

(۱) اس اِقرار کے باوجود لکھتے ہیں: إنه أسلم عام القضية، وإنه لقي رسول اللّٰه ﷺ مسلماً وكتم إسلامه من أبيه وأمه وكان هو وأبوه من المؤلفة قلوبهم.

[اسد الغابۃ ۴: ۳۰۵-۳۰۶، ترجمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: ۴۹۸۶]

''آپ نے عمرۃ القضاء کے سال اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ سے اسلام ہی کی حالت میں ملاقات کی مگر اپنے اسلام کو اپنے والدین سے چھپائے رکھا اور آپ اور آپ کے والد مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔''

سوال یہ ہے کہ جو شخص ہجرت کرکے عہد مؤاخات میں شریک ہو اُس کا ایمان کیونکر چھپا رہ سکتا ہے، اور اُس کا شمار مؤلفۃ القلوب یا طلقاء میں کس دلیل کی بناء پر کیا جاتا ہے؟

(۲) سورۃ النور ۲۴: ۵۵ (۳) احکام القرآن ۳: ۳۲۹

أحدٌ إلّا الفئة الباغية التي قابلوه و أتباعها (۱) .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر تھے،اس کے برخلاف وہ باغی تھا جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے لڑے۔''

یہ بات صد فی صد درست ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ (۲) کو باغی ٹولہ نے قتل کیا تھا لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ٹولہ تو باغی نہ تھا بلکہ ان کے ٹولے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک بڑا ٹولہ قرار دیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

إن إبني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين (۳) .

''بے شک میرا یہ بچہ سردار ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین صلح کرلے گا۔''

نیز امام اہل السنّت ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں: فأمّا ماجرى بين علي والزبير وعائشة رضي الله عنهم فإنما كان على تأويل و إجتهاد، وعليٌّ رضي الله عنه الإمام، و كلهم من أهل الإجتهاد، و قد شهد لهم النبي صلى الله عليه وسلم بالجنة و الشهادة، فدل على أنهم كانوا على حق فى إجتهادهم، و كذلك ما جرى بين على ومعاوية رضي الله عنهما كان على تأويل وإجتهاد (۴) .

---

(۱) احکام القرآن ۳: ۴۰۰

(۲) عمار بن یاسر بن عامر الکنانی المذحجی العنسی القحطانی، ابوالیقظان رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی ہیں۔ سابقون اولون میں سے ہیں۔ ۵۷ قبل ہجری = ۵۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ بدر و اُحد اور سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ ہجرت کے بعد اسلام کی پہلی مسجد ''قباء'' آپ نے بنائی۔ جمل اور صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی۔ ۳۷ھ = ۶۵۷ء کو ۹۳ سال کی عمر میں جنگ صفین میں شہادت پائی۔ آپ سے ۶۲ احادیث مروی ہیں۔ [الاستیعاب: ۵۴۷، ترجمہ: ۸۸۰، الاعلام ۵: ۳۶]

(۳) صحیح بخاری، کتاب الصلح [۵۳] باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ابني هذا سيد [۹] حدیث: ۲۷۰۴، کتاب المناقب [۶۱] باب علامات النبوۃ فی الاسلام [۲۵] حدیث: ۳۶۲۹، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۶۲] باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما [۲۲] حدیث: ۳۷۴۶، کتاب الفتن [۹۳] باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان ابنی ھذا سید [۲۰] حدیث: ۷۱۰۹

(۴) الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ۱۷۸-۱۷۹

’’سیدنا علی‘ سیدنا زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو مشاجرات تھے وہ تاویل اور اجتہاد کی وجہ سے تھے اگرچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ امام تھے لیکن دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مجتہد تھے اور ان سب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور شہادت کی خوش خبری دی تھی‘ پس یہ اس بات کی دلیل تھی کہ ان سب کا اجتہاد درست تھا اور اسی طرح علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ ہوا ہے وہ بھی تأویل اور اجتہاد کی وجہ سے تھا۔‘‘

ابوبکر جصاص جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر روافض کی طرح طعن و تشنیع کرتے اور معتزلہ کی ہم نوائی کرتے ہیں تو اُن کی حنفیت کس کام کی؟ وہ احناف کی وکالت کریں یا نہ کریں‘ احناف ان کی وکالت کے محتاج نہیں (۱)۔

جصاص امام شافعی کے بارے میں بڑی سخت زبان استعمال کرتے تھے۔

– سورۃ النساء میں حرام رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے امام جصاص نے احناف و شوافع کے باہمی

---

(۱) احناف میں کئی مبتدع‘ معتزلی اور کرامی لوگ بھی شامل ہیں‘ میں اپنی کتاب میں اُن کا ذکر نہ کروں تو تاریخ اُن کے بدعت کی گواہی دے گی۔

علامہ عبدالقادر قرشی کی الجواہر المضیئۃ میں کتنے لوگوں کا ذکر ہے‘ جو حنفی ہونے کے باوصف معتزلی ہیں‘ مثلاً:

اسماعیل بن علی [ص:۱۰۵‘ ت:۳۴۲] بشر المریسی [ص:۱۱۰‘ ت:۳۶۶] حسن بن عبداللہ بن مرزبان [ص:۱۲۰‘ ت:۴۴۹] حسن بن محمد بن احمد بن علی [ص:۱۳۲‘ ت:۴۶۷] حسن بن محمد بن علی بن رجاء [ص:۱۳۳-۱۳۴‘ ت:۴۶۹] عبداللہ بن احمد بن محمود بلخی [ص:۱۷۸‘ ت:۶۴۲] عبداللہ بن محمد ابی یزید خُلیجی [ص:۱۹۰‘ ت:۶۸۷] عبدالجبار بن احمد [ص:۱۹۲‘ ت:۶۹۹] عبدالسلام بن محمد بن یوسف بن بندار [ص:۲۰۵‘ ت:۷۶۰] عبدالسید بن علی بن محمد بن طیب [ص:۲۰۶‘ ت:۷۶۲] عبیداللہ بن محمد بن احمد [ص:۲۲۱‘ ت:۸۴۸] علی بن جعد [ص:۲۳۱‘ ت:۹۰۲] عمر بن احمد بن عمر [ص:۲۵۰‘ ت:۹۸۴] محمد بن احمد بن اسماعیل ابوسہل [ص:۳۰۲‘ ت:۱۱۰۲] محمد بن احمد بن عبید بخاری [ص:۳۰۸‘ ت:۱۱۲۶] محمد بن ابی الحسن قفال [ص:۳۲۲‘ ت:۱۲۱۶] محمد بن شجاع‘ من اصحاب الحسن بن زیاد [ص:۳۲۴‘ ت:۱۲۷۲] محمد بن عبداللہ عسکری [ص:۳۴۱‘ ت:۱۲۹۶] محمد بن عبدالرحمٰن بن صبر الصبری [ص:۳۴۳‘ ت:۱۳۰۹] مسعود بن محمد بن احمد [ص:۳۹۹‘ ت:۱۵۹۸] یحییٰ بن طاہر دمشقی [ص:۴۲۷‘ ت:۱۷۵۰] یوسف بن اسحاق رہاوی [ص:۴۳۳‘ ت:۱۷۸۲] یوسف بن اسماعیل لمغانی [ص:۴۳۴‘ ت:۱۷۸۴] الزعفرانی [ص:۴۸۶‘ ت:۲۲۳۰] یوسف بن قزاعلی رافضی [ص:۴۳۷‘ ت:۱۷۸۱]

اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ مسئلہ متنازعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو کیا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ پھر اس ضمن میں ایک مناظرے کا ذکر کیا جو امام شافعی اور اُن کے ایک مخالف کے درمیان ہوا (۱)۔ اس موقع پر امام شافعی کے بارے میں لکھتے ہیں:

فقد بَانَ أنَّ ماقاله الشافعي و ماسلمه له السائل كلامٌ فاوِغٌ، لا معنى له تحته في حكم ما سئل عنه (۲).

''اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ [امام] شافعی نے جو کچھ کہا ہے، بے معنی ہے اور سائل کے سوال کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہیں۔''

— مخالف کے سوال کے جواب میں امام شافعی نے جو کچھ کہا اُس پر ناپسندیدگی کا اِظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولو كَلَّم بذلك المبتدؤن مِن أحدثِ أصحابنا لما خفي عليه عوار هذا الحجاج، وضعف السائل و المسئول فيه (۳).

''اگر ہمارے نوخیز اور نوآموز اصحاب بھی اس مسئلہ پر گفتگو کریں تو ان پر یہ حقیقت کھل سکتی ہے کہ [امام] شافعی کس قدر معیوب اور کمزور ہے۔''

— امام شافعی کے نقطہ نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ وضوء کے اعضاء میں ترتیب ضروری ہے، امام جصاص لکھتے ہیں: وهذاالقول مما خرج به الشافعي عن إجماع السلف والفقهاء (۴).

''اس قول کے مطابق [امام] شافعی علمائے سلف اور فقہاء کے اِجماع سے نکل گئے۔''

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں: كأنَّ الشافعي في نظرالجصاص ممن لا يعتد برأيه حتى ينعقد الإجماع بدونه (۵).

''گویا کہ جصاص کے نزدیک امام شافعی کی رائے کوئی وزن ہی نہیں رکھتی اور اُن کے بغیر بھی اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔''

---

(۱) احکام القرآن ۲: ۱۱۷-۱۱۸
(۲) احکام القرآن ۲: ۱۱۸
(۳) احکام القرآن ۲: ۱۲۰
(۴) احکام القرآن ۲: ۳۶۰
(۵) التفسیر والمفسرون ۲: ۳۰۰

مُلّا جیُوَن

احمد بن ابی سعید بن عبید اللہ بن عبد الرزاق بن خاصۂ خدا، حنفی، صالحی، امیٹھوی، عرف: مُلّا جیُوَن.
جِیُوَن ہندی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے: زندگی۔ شیخ عبد اللہ مکی کی اولاد میں سے تھے جن کا سلسلہ نسب سیدنا صالح علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ ۱۰۴۷ھ = ۱۶۳۷ء کو لکھنؤ کے قریب امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید زبانی حفظ کیا اور حصول علم میں منہمک ہو گئے۔ تیرہ سال کے تھے کہ والد نے وفات پائی۔ ۲۲ سال کی عمر میں فراغت ہوئی۔ سولہ سال کی عمر میں التَّفسِیرات الأحمدیةفِي بیان الآیات الشرعیة لکھی جو قرآنی احکام سے بحث کرتی ہے۔ وہ اُن کے "حسامی" پڑھنے کا زمانہ تھا۔ دو بار حرمین شریفین کی زیارت کی۔ کامیاب مدرس تھے۔ چھ سال تک اورنگ زیب عالمگیر کے معسکر میں رہے ہیں۔
۱۱۳۰ھ = ۱۷۱۸ء کو فوت ہوئے (۱)۔

مولانا اشرف علی تھانوی

مولانا اشرف علی تھانوی بن شیخ عبد الحق ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء کو تھانہ بھون [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں اور حافظ حسین علی دہلوی سے قرآن مجید حفظ کیا پھر تھانہ بھون واپس آکر مولانا فتح محمد صاحب سے عربی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں اور اس کی کچھ انتہائی کتب اپنے ماموں واجد علی سے پڑھیں جو فارسی ادب کے کامل استاد مانے جاتے تھے پھر دیو بند پہنچ کر بقیہ نصاب کی تکمیل مولانا منفعت علی سے کی۔ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور پندرہ سال تک یہاں مشغولِ تعلیم رہ کر شروع ۱۳۱۰ھ میں فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر ۱۹، ۲۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ عمر بھر دین اسلام کی خدمت میں لگے رہے۔ طریقت کا کوچہ کوچہ چھان مارا اور بالآخر ۱۳۶۲ھ = ۱۹۴۳ء کو وفات پائی (۲)۔

---

(۱) سبحۃ المرجان: ۷۹، نزہۃ الخواطر ۶: ۲۱، ترجمہ: ۳۶، الاعلام ۱: ۱۰۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۷: ۶۰۵

(۲) بیس بڑے مسلمان: ۳۰۸-۳۲۵

آپ نے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت سے دلائلُ القرآن علی مسائل النعمان کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھوائی جو احکام القرآن کے نام سے پانچ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے اور عام ومتداول ہے۔

—فقہائے شافعیہ—

—امام شافعیؒ—

محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی ابو عبداللہ ۱۵۰ھ=۷۶۷ء کو غزہ [فلسطین] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظّمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۰۴ھ=۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتوی بیس سال کی عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا (۱)۔

امام شافعی نے احکام القرآن سے متعلق ایک کتاب ترتیب دی۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:

لَمَّا أرادَ الشافعيُّ أن يُصنِّفَ أحكامَ القرآنِ قرأ القرآن مائة مرةٍ (۲).

''امام شافعی نے جب ''احکام القرآن'' لکھنا چاہا تو سو بار قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔''

مگر محققین کے قول کے مطابق یہ کتاب مفقود ہے (۳) اور جو کتاب اُن کے نام سے عام متداول

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۶۱، الاعلام ۶:۲۶ (۲) مناقب الشافعی ۲:۲۶۸

(۳) مولانا قاضی زاہد الحسینی لکھتے ہیں: امام شافعی نے احکام القرآن کے موضوع پر تفسیر مرتب فرمائی جو کہ قاہرہ سے ۱۳۷۱ھ کو طبع ہوئی اور کتب خانہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد میں موجود ہے۔

[تذکرۃ المفسرین: ۴۹، تیسری صدی ہجری کے مفسرین قرآن مجید]

قاضی صاحب کی یہ بات خلافِ تحقیق ہے اس لیے کہ امام شافعی کی یہ تصنیف کہیں بھی دستیاب نہیں اُن سے منسوب احکام القرآن امام بیہقی کی تصنیف ہے۔ علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ:

ومِمَّا أُلِّفَ في أحكام القرآن في مذهب الإمام الشافعي كتاب أحكام القرآن للإمام الشافعي نفسِهِ، كما يعزوه البيهقي إليه وإن لم نطلع عليه، و كتاب أحكام القرآن جمع أبي بكر البيهقي من نصوص الإمام الشافعي في الكتب، وهو هذا المنشور. ......

ہے، وہ امام بیہقی کی تصنیف ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:

وقد جمعتُ أقاويل الشافعي رحمه الله في أحكام القرآن و تفسيره في جزء ين (۱).

''میں نے امام شافعیؒ کے تفسیری اقوال کو احکام القرآن کے دو جلدوں میں جمع کردیا ہے۔''

-الکیاہَراسی-

عماد الدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی ابوالحسن طبری المعروف: اَلْکِیَا الھَرَّاسِي' شافعی فقیہ اور مفسر تھے ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸ء کو طبرستان میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت تھی۔ نظامیہ میں مدرس اور واعظ تھے۔ مذہبِ باطنیہ سے مُتَّھَم اور بدنام ہوئے اس لیے رجم کی سزا ملی۔ بادشاہ نے اسے قتل کرنا چاہا مگر مستظہر کی سفارش سے بچ نکلے۔ ۵۰۴ھ = ۱۱۱۰ء کو وفات پائی (۲)۔

مؤلف متعصب شافعی المسلک اور جصاص کی طرح اپنی فقہ کی حمایت اور طرف داری میں معروف ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: رأيتُ مذهب الشافعي أسدها و أقومها و أرشدها و أحكمها حتى كان نظره في كبر آرائه و معظم أبحاثه يترقى عن حد الظن و التخمين إلى درجة الحق و اليقين، و لم أجد لذلك سبباً أقوَى و أوضح و أوفى مِن تطبيقه مذهبَهٗ على كتاب الله الذي لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (۳) وأنه أُتيح له درك غوامض معانيه و الغوص على تيار بَحره لإستخراج مافيه، وأنَّ اللهفتح عليه من أبوابه، ويَسَّرعليه من أسبابه، ورفع له من حجابه مالم يسهل لمن سواهُ، ولم يتأت لمن عداه (۴).

...... [مقدمہ احکام القرآن، شافعی: ۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۷۵ء، مقدمات الامام الکوثری: ۴۶۸] ''امام شافعی کے مذہب کے مطابق انہوں نے خود ایک کتاب احکام القرآن کے نام سے لکھی جیسا کہ امام بیہقی نے اُن کی طرف منسوب کیا ہے لیکن امام شافعی کی اپنی تصنیف کردہ کتاب ''احکام القرآن'' کی ہمیں اطلاع نہیں ہو سکی لیکن اُن کی مختلف کتابوں سے امام بیہقی نے ایک مستقل کتاب مرتب کی ہے۔''

(۱) مناقب الشافعی ۱: ۲۴۴ — (۲) وفیات الاعیان ۳: ۲۸۶، ت: ۴۳۰، الاعلام ۴: ۳۲۹

(۳) سورۃ حم السجدۃ ۴۱: ۴۲ — (۴) احکام القرآن، الکیا الہراسی ۱: ۲

''امام شافعی کا مسلک حق وصواب اور راست بازی پر مبنی ہے۔ان کے اکثر اَفکار ونظریات ظن و تخمین کے بجائے حق ویقین کے آئینہ دار ہیں‘اس کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی نے اپنی فقہ کی اَساس کتاب اللہ پر رکھی ہے جس کے پاس باطل کا گزر نہ آگے سے ممکن ہے اور نہ پیچھے سے۔امام شافعی قرآن مجید کے سمندر میں غواصی کر کے اس کے معانی ومطالب کے موتی نکالتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اُن پر قرآن مجید کے دروازے کھول دیے تھے اور اس کے حجابات کو دور کر دیا تھا جب کہ دوسروں کے حصہ میں یہ چیز نہیں آئی تھی۔''

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يقرر صاحبنا هذا وأنا لا أنكر عليه‘ ولا أغض من مقام الشافعي رحمه الله ولكنني أقولُ: إنَّ تقديم الكتاب بمثل هذا الكلام نطق به الرجل متعصبٌ لمذهبه ‘ وشاهدٌ عليه بأنه سوف يسلك في تفسيره مسلك الدفاع عن قواعد الشافعي وفروع مذهبه وإن أدّى ذلك إلى التعسف في التأويل. وإذا لم يكفك هذا دليلاً على تعصب الرجل فدونك الكتاب ‘ لتقف بعد القراءةِ على مبلغ تعصب صاحبه وتعسفه (۱).

''ہمارے یہ صاحب اس قسم کی بات لکھ گئے ہیں۔میں اسے معذور سمجھتا ہوں۔میں امام شافعی کی قدرومنزلت کو گھٹانا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ کتاب کے مقدمہ میں ایسی باتیں لکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مؤلف اپنے مسلک کی حمایت میں تعصب سے کام لیتے ہیں۔کتاب کا تفصیلی جائزہ لینے سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔''

ابوبکر جصاص پر تنقید

۔جصاص نے آیۃ کریمہ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (۲) سے امام ابوحنیفہ کے موقف پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے تو زانی پر اُس عورت کی ماں اور لڑکی حرام ہو جاتی ہیں (۳)۔مؤلف اس کی تردید کرتے ہوئے جصاص کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) التفسیر والمفسرون ۲:۳۰۲ (۲) سورۃ النساء ۴:۲۳

(۳) احکام القرآن‘ جصاص ۲:۱۱۷-۱۱۸

فالذي ذَكَرهُ يدلُّ على أنه لم يفهم معنى كلام الشافعي ولم يميزبين محل ومحَل و لكل مقام مقالٌ، ولِتفَهُّم معاني كلام الله رجالٌ وليس هومنهم (۱)۔

''جصاص نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اُنہوں نے امام شافعی کی بات ہی نہیں سمجھی اور نہ ہی عبارت کے موقع ومحل میں فرق وامتیاز کرسکا۔ ہر بات کا ایک موقع ہوتا ہے اور فہمِ قرآن کے لیے مردانِ کار کی ضرورت ہوتی ہے مگر جصاص اُن کے زُمرہ میں شامل نہیں ہے۔''

-ایک جگہ لکھتے ہیں: وذكرالشافعي مناظرة بينه وبين مسترشد طلب الحق منه في هذه المسألة، فأورده الرازي متعجباً منها ومُنبّهاً على ضعف كلام الشافعي فيها، ولا شيئ أدل على جهل الرازي و قلة معرفته بمعاني الكلام من سياقته لهذه المناظَرةِ و اعتراضاته (۲)۔

''جصاص نے امام شافعی اور ایک طالب حق کے مناظرہ کا ذکر کرکے اس پر اِظہارِ حیرت و اِستعجاب کیا اور امام شافعی کے موقف کی کمزوری سے آگاہ کیا ہے۔ جصاص کی کم عقلی اور جہالت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ دراصل جصاص نے امام شافعی کی بات ہی نہیں سمجھی اور یوں آپ کو اعتراضات کی آماج گاہ بنایا۔''

- آگے لکھتے ہیں: ولم يعلم هذاالجاهل معنى كلام الشافعي فاعترض عليه بماقاله و عجب الناس من ذلك:

وَكَمْ مِّنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِيْحاً
وَافَتُهُ مِنَ الفَهْمِ السَّقِيْمِ (۳)

''بہت سے لوگ صحیح بات میں بھی کیڑے نکالنے لگتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کا اپنا فہم ناقص ہوتا ہے۔''

الکیاہراسی کی احکام القرآن دوجلدوں میں بھی دست یاب ہے اور چار جلدوں میں بھی۔

(۱-۲) احکام القرآن، ہراسی ۱: ۳۸۵

(۳) احکام القرآن، ہراسی ۱: ۳۸۷

16

-فقہائے مالکیہ-

-امام ابن العربی-

محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اِشبیلی مالکی، ابوبکر ابن العربی۔ ۴۶۸ھ = ۱۰۷۶ء کو اِشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے شہر میں طلب علم کا آغاز کیا۔ مصر، شام، بغداد، مکہ مکرمہ اور دیگر اسلامی ممالک میں گھوم پھر کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ علم ادب میں نام پیدا کیا۔ حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور ادب و تاریخ میں کتابیں لکھیں۔ اِشبیلیہ کے قاضی رہے ہیں۔ حافظ حدیث تھے۔ ۵۴۳ھ = ۱۱۴۸ء کو فاس میں وفات پائی (۱)۔

امام ابن العربی کی احکام القرآن قرآن مجید کی ساری سورتوں پر مشتمل ہے جس میں وہ صرف آیات الاحکام کی شرح و تفسیر کرتے ہیں۔ کسی سورۃ کے بارے میں ابتداء ہی میں لکھتے ہیں کہ اس میں اس قدر آیات الاحکام ہیں، پھر وہ ان میں سے ایک ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ فلاں آیت میں اتنے مسائل ہیں اور فلاں میں اتنے۔

ابن العربی کی انصاف پسندی

ایک جگہ لکھتے ہیں: اختلف العلماء في مسح الرأس على أحد عشر قولاً......ولكل قول من هذه الأقوال مطلعٌ من القرآن والسنة ...... ليس يَخفى على اللبيب عند اطلاعه على هذه الأقوال و الأنحاء و المطلعات أنّ القوم لم يخرج اجتهادهم عن سبيل الدلالات في مقصود الشريعة، ولا جاوزوا طرفيها إلى الإفراط (۲)۔

”علماء نے سر کے مسح کے بارے میں اختلاف کیا ہے اس ضمن میں ان کے گیارہ اقوال ہیں۔ [چنانچہ ایک ایک کر کے ان اقوال پر روشنی ڈالی پھر بیان کیا ہے کہ] ان میں سے ہر قول کی اَساس کتاب وسنت پر رکھی گئی ہے۔ [آگے چل کر فرماتے ہیں کہ] جو شخص بھی ان اقوال کو دیکھتا ہے اس سے یہ

---

(۱) وفیات الاعیان ۴:۲۹۶، الاعلام ۶:۲۳۰

(۲) احکام القرآن ۲:۵۶۸-۵۷۰ بذیل تفسیر: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ [سورۃ المائدۃ ۵:۶]

بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ ہمارے علماء بحثیت مجموعی کتاب وسنت سے باہر نہیں گئے۔ مزید برآں انہوں نے افراط وتفریط کا ارتکاب بھی نہیں کیا۔"

مندرجہ صدر بیان سے مؤلف کے بے تعصبی اور اعتدال پسندی واضح ہوتی ہے۔

مزید لکھتے ہیں: نزع علماؤ نا بهذه الآية أنَّ إزالة النجاسة غيرُ واجبة ' لأنه قال: اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ ' تقديره: وأنتم مُحدِثون ' فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ ' فلم يذكر الإستنجاء و ذكر الوضوء ' ولو كان واجباً لكان أول مبدوء به ' وهي رواية أشهب عن مالك...... و والصحيحُ رواية ابن وهب. و لا حُجَّةَ في ظاهر القرآن لأن الله تعالى إنما بيَّنَ في آية الوضوء خاصة ' وللصلاة شروطٌ: من استقبال الكعبة ' وسترُ العورة و إزالة النجاسة ' و بيان كل شرط منها في موضعه (۱).

"ہمارے علماء [علمائے مالکیہ] نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے ازالہ نجاست ضروری نہیں اس لیے کہ استنجاء کا ذکر نہیں کیا گیا اگر نجاست کا ازالہ واجب ہوتا تو وضو سے پہلے اس کا ذکر کیا جاتا چنانچہ اشہب نے امام مالک سے یہی روایت کیا ہے مگر آیت کریمہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ آیت میں صرف وضو کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے۔ نماز کے اور بھی شرائط ہیں جو یہاں مذکور نہیں مثلاً قبلہ رُخ ہونا' ستر پوشی اور ازالہ نجاست' یہ شرائط اپنے موقع ومحل پر بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں ان کا تذکرہ ضروری نہ تھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف نے اشہب کی روایت کو۔ جو امام مالک سے منقول ہے۔ قبول نہیں کیا اس سے مؤلف کی انصاف پسندی کھل کر سامنے آتی ہے۔

امام ابن العربی کا تعصب

امام ابن العربی لکھتے ہیں: ولكن أعجب لأبي حنيفة...... وهو كثيراً مايترك الظواهر و النُّصوص للأقيسة (۲).

(۱) احکام القرآن ۲: ۵۸۰-۵۸۱ 'بذیل تفسیر: اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا [سورۃ المائدۃ ۵: ۶]

(۲) احکام القرآن ۱: ۴۲۱ 'بذیل: وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا [سورۃ النساء ۴: ۳۵]

”مجھے ابوحنیفہ پر تعجب ہوتا ہے جو ظواہر نصوص کو نظر انداز کر کے قیاس کی پیروی کیا کرتے تھے۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں: وظَنَّ الشافعيُّ -وهو عند أصحابه معد بن عدنان في الفصاحة بَلْهَ أبي حنيفة و سواه- أنَّ الغسلَ صَبُّ الماء على المغسولِ من غير عَرْكٍ، وقد بَيَّنَّا فساد ذلك في مسائل الخلاف، وحققنا أنَّ الغَسلَ مَرُّ اليدِ مع إمرارِ الماء أو ما في معنى اليد (١).

”[قرآن مجید میں وضوء کے سلسلے میں فَاغْسِلُوا کے الفاظ ہیں] ۔امام شافعی جن کو ان کے مقلدین، امام ابوحنیفہ کے برخلاف فصاحت بلاغت میں عدیم النظیر سمجھتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ غَسْلٌ کے معنی کسی عضو پر پانی انڈیلنے کے ہیں جس میں ملنا شامل نہیں۔ہم اس کا بطلان قبل ازیں واضح کر چکے ہیں۔ہم نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ غَسْلٌ کے معنی عضو پر پانی ڈالنے اور ہاتھ سے ملنے کے ہیں۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں: هُو يُثبتها بالأحاديث الضعيفةِ ولكنه سكن دار الضَّربِ فكثُر عنده المُدَلَّسُ، ولو سكن المَعدنَ كما قَيَّضَ اللهُ لمالك لما صدر عنه إلَّا إبريز الدين و إكسير الملة كما صدر عن مالك (٢).

”وہ [امام ابوحنیفہ] ان [مقدرات] کو ضعیف احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔وہ کوفہ میں سکونت پذیر تھے جو حدیث کی ٹکسال تھا اسی لیے آپ کی اکثر روایت میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے۔اگر آپ امام مالک کی طرح حدیث کی کان [مدینہ منورہ] میں بود و باش رکھتے ہوتے تو آپ سے امام مالک کی طرح دین کے جواہر ریزے صادر ہوتے۔“

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابن العربی دیگر ائمہ اور ان کے اتباع کے بارے میں نرم لہجہ اختیار کرنے کے عادی نہ تھے۔

اسرائیلیات سے شدید نفرت

ارشادِ ربانی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (٣). کے تحت لکھتے ہیں:

---

(١) احکام القرآن ۲:۵۶۲ بذیل تفسیر: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا [سورۃ المائدۃ ۵:۶]

(٢) احکام القرآن ۲:۷۷۱ بذیل: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ [سورۃ الانعام ۶:۱۵۲]

(٣) سورۃ البقرۃ ۲:۶۷

كَثُرَاسترسال العلماء في الحديث عنهم في كل طريق'وقد ثبت عن النبي ﷺأنه قال: حَدِّثُوا عن بني اسرائيل ولاحرجَ (۱) ومعنى هذاالخبرِ:الحديثُ عنهم بما يُخبرون به عن أنفسهم وقصصهم'لا بِمايُخبرون به عن غيرهم' لأنَّ أخبارهم عن غيرهم مفتقرةٌ إلى العدالةِ و الثبوت إلى منتهَى الخبر' وما يُخبرون به عن أنفسهم فيكون من باب إقرار المرءِ على نفسه أوقومه'فهوأعلم بذلك'وإذا أخبرواعن شَرع لم يلزم قولُهُ'(۲).

علماء اسرائیلی روایات بکثرت بیان کرتے ہیں' حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل سے سن کر روایت کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو اپنے واقعات بیان کریں ان پر اعتماد کیجیے۔ اس کے یہ معنی ہر گز نہیں کہ جو کچھ وہ دوسروں کے بارے میں بتائیں اس پر بھروسہ کیا جائے اس لیے کہ دوسروں کے بارے میں جو کچھ کہیں گے اس کے ثابت کرنے کے لیے دلیل و برہان کی ضرورت ہے' البتہ اپنے بارے میں جو کچھ کہیں گے وہ اسی طرح لائق اعتماد ہوگا جیسے کوئی شخص بذات خود کسی بات کا اعتراف کرے۔ اس لیے کہ اس بات کا اسے بخوبی علم ہے اور جب وہ کسی شرعی مسئلے کے بارے میں بات کریں تو اس کی پیروی لازم نہیں''۔

ضعیف احادیث سے شدید نفرت

امام ابن العربی احادیث ضعیفہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور ان سے احتراز کرنے کی تلقین کرتے ہیں چنانچہ وہ ایک ضعیف حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو اس مضمون پر مشتمل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے وقت اپنے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھویا اور فرمایا: کہ جو شخص وضو کرتے وقت اپنے اعضاء کو دو دفعہ دھوئے گا اللہ تعالیٰ اُسے دوگنا اجر ثواب عطا کریں گا پھر تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا یہ میرے وضو کرنے کا طریقہ ہے اور انبیائے سابقین اور میرے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ۔ اس حدیث کا ضعف واضح کرنے کے بعد ابن العربی نے اپنے اصحاب وتلامذہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا لکھتے ہیں:

---

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب العلم [۱۹] باب الحدیث عن بنی اسرائیل [۱۱] حدیث: ۳۶۶۲

(۲) احکام القرآن ۱: ۲۳

قلنا:هذه الأحاديثُ لم تصح،وقد ألقيتُ إليكم وصيتي في كل وقتٍ ومجلسٍ ألَّا تشتغلوامن الأحاديث بما لايصِحُ سنده،فكيف ينبغي مثلُ هذاالأصل على أخبارٍليس لهاأصلٌ (۱)

''ہم کہتے ہیں کہ یہ اَحادیث صحیح نہیں اور میں نے ہر مجلس میں اور ہر لمحہ تمہیں اس بات کی نصیحت کی ہے کہ جن اَحادیث کی سندیں صحیح نہ ہوں اُن سے وابستگی چھوڑ دیجئے' تو یہ کیوں کر درست ہوگا کہ کسی بے اصل روایت کو بنیاد بنا کر اُسے قابل عمل بنالیا جائے۔''

- قرآن مجید میں وارِد ہے:اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (۲)

''بے شک ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا ہے۔''

لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور قرآن مجید کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورۃ القدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے:اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۳) اس سے ظاہر ہوا کہ سورۃ الدخان میں بھی لَیْلَةٌ مُّبٰرَكَةٌ سے مراد شب قدر ہی ہے۔عکرمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ میں لَیْلَةٌ مُّبٰرَكَةٌ سے مراد شب براءت یعنی پندرھویں شعبان کی رات مراد لیا ہے مگر اس رات میں نزول قرآن دوسری نصوص قرآن اور روایاتِ حدیث کے خلاف ہے۔شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۴) اور اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جاسکتا کہ نزول قرآن شب براءت میں ہوا۔

امام ابن العربی المالکی لکھتے ہیں:وجمهور العلماء على أنهاليلة القدر،ومنهم مَن قال:إنها ليلة النصف من شعبان،وهوباطلٌ،لأن الله تعالى قال في كتابه الصادق القاطع: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ، فنصَّ على أن ميقات نزوله رمضان ، ثم عبَّر عن زمانية الليل هاهنابقوله:فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ،فمَن زعم أنه في غيره فقدأعظم الفِرية على الله،وليس

---

(۱):حکام القرآن۲:۵۸۳،بذیل تفسیر:اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا[سورۃ المائدۃ۵:۶]

(۲)سورۃ الدخان۴۴:۳ (۳)سورۃ القدر۹۷:۱ (۴)سورۃ البقرۃ۲:۱۸۵

في ليلة النصف من شعبان حديث يُعَوَّلُ عليها، لا في فضلها ولا في نسخ الآجال فيها فلا تلتفتوا إليها[1].

''جمہور علماء کے نزدیک لیلۃ مبارکۃ سے مراد شب قدر ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرہویں رات ہے، اُن کا قول باطل ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محکم و فیصلہ کن کتاب میں فرماتے ہیں کہ ''رمضان ہی کا مہینہ ہے جس میں قرآن اُتارا گیا'' پھر اسی آیت میں بتایا کہ اس کا نزول بابرکت رات میں شروع کیا گیا تھا، پس اگر اب بھی کسی کا خیال ہو کہ رمضان اور شب قدر کے علاوہ کسی اور رات میں اس کا نزول شروع ہوا تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، اور شب براءت کی فضیلت اور اس میں آجال لکھنے سے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں اس لیے اس جھنجھٹ سے دور رہنا چاہیے''۔

—امام قرطبی—

محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابوعبداللہ قرطبی، تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے اَسفار کیے۔ مصر شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ = ۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے[2]۔

تفسیری منہج

[۱] امام قرطبی نے اپنی تفسیر کے لیے ایک بسیط مقدمہ لکھا ہے جس میں ان عنوانات کے تحت مفصل مَباحث لکھے ہیں: فضائل قرآن مجید، قاری اور سامع کے فضائل، تلاوت کرنے کا طریقہ، تاثیرِ قرآن مجید، قرآن مجید پڑھنے والے کی ذمہ داریاں، اِعرابِ قرآن مجید، تفسیرِ

---

(۱) احکام القرآن: ۱۶۹۰، بذیل تفسیر سورۃ الدخان ۴۴: ۳

(۲) نفح الطیب ۱: ۴۲۸، الاعلام ۵: ۳۲۲

قرآن مجید کے فضائل، حاملِ قرآن مجید کون؟ تفسیر بالرای کی مذمت، سنت سے قرآن مجید کی تفسیر، قرآن وسنت کی تعلیمات کے حصول کا طریقہ، سبعۃ احرف، جمع قرآن، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کا سبب، کیا حروف واَصوات قدیم ہیں؟ روافض کے طعن کا جواب، ترتیبِ سور وآیاتِ قرآن مجید، سورۃ، آیت اور حرف کا معنیٰ، قرآن مجید میں معرب، اعجازِ قرآن مجید، معجزہ کی قسمیں، سورتوں کے فضائل میں موضوع روایتیں اور مصحفِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کا رد۔

[۲] انہوں نے مقدمہ میں اپنی تفسیر کے بارے میں لکھا ہے کہ: وشرطي في هذا الكتاب: إضافةُ القول إلى قائليها، والأحاديث إلى مصنفيها، فإنه يُقال: من بركة العلم أن يضاف القولُ إلى قائله.(۱)

''میری اس کتاب میں میری شرط یہ ہے کہ میں ہر قول کو اس کے قائل کے ساتھ اور احادیث کو اُن کے مصنفین کے ساتھ نقل کروں گا اس لیے کہ [علماء کے ہاں مشہور ہے کہ] علم کی برکت اس میں ہے کہ کسی قول کو اُس کے قائل کی اضافت کے ساتھ بیان کیا جائے۔''

اور امام قرطبیؒ نے اس علمی امانت کا حق پوری طرح ادا کیا ہے۔ ساری کتاب میں کوئی بات بلاحوالہ درج نہیں بلکہ سلف کے تفسیری اَقوال نقل کر کے قائل کا نام ذکر کرتے ہیں اور بعض مقامات میں اُن کے اَقوال پر تنقید وتبصرہ بھی کرتے ہیں۔

[۳] جب کسی حدیث کو نقل کرتے ہیں تو ساتھ ہی اُس کا رُتبہ ودرجہ بھی نقل کرتے ہیں، مثلاً: فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (۲) کے تحت مفسرین نے یہ روایت لکھی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حوا کو حمل ٹھہرا تو ابلیس نے ان کا چکر لگایا اور حوا کے یہاں کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا۔ شیطان نے حوا سے کہا کہ آئندہ جو بچہ ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا تو وہ زندہ رہا اور یہ نام

---

(۱) تفسیر القرطبی ۱: ۲۹۔ امام ابن عبدالبر [وفات: ۴۶۳ھ] لکھتے ہیں: يُقال: إن مِن بركة العلم أن تضيف الشيئ إلى قائله. [جامع بيان العلم وفضله ۲: ۱۱۵]

(۲) سورۃ الاعراف ۷: ۱۸۹

شیطان نے حوا کو وحی کیا تھا اور اسی نے نام رکھنے کا حکم دیا تھا۔ (۱)

امام قرطبی لکھتے ہیں: وقال قوم: إنَّ هذا راجعٌ إلى جنس الآدميين والتبيين عن حال المشركين من ذرية آدم عليه السلام وهو الذي يُعوَّلُ عليه، فقوله: جَعَلاَ لَهٗ يعني: الذَّكر والأنثى الأنثى الكافِرَين، ويعنى به: الجنسان، ودلَّ على هذا: فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، ولم يقل: يشركان، وهذا قولٌ حسنٌ (۲).

''ایک جم غفر کا بیان ہے کہ اس سے مراد اولادِ آدم میں مشرک قسم کے لوگ ہیں، جس کی دلیل آیت کے آخر میں فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کا جملہ ہے اور یہی صحیح قول ہے۔''

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا سے روئے سخن بنی آدم کی طرف ہو گیا ہے اور تثنیہ کے صیغوں سے اولادِ آدم میں سے مشرک خاوند اور بیوی مراد ہیں کہ وہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر اُن کے گھر میں صحیح اور تندرست بیٹا پیدا ہوا تو وہ اُس کا شکر ادا کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو نرینہ اولاد عطا کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ بیٹا تو فلاں بزرگ اور فلاں قبر کی برکت سے ملا ہے پھر اسی بزرگ کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بعض اس کا نام

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب: تفسیر سورۃ الاعراف [۸] حدیث: ۳۰۷۷

مفسرین نے اس پر حاشیہ آرائی بھی کی ہے کہ الحارث چونکہ شیطان کا نام ہے اس لیے یہ شرك في التسمية [نام رکھنے میں شرک] کے مرتکب ہوگئے، اور اس کے لیے قرآن عزیز کی درج ذیل آیات استشہاد کے طور پر پیش کی جاتی ہیں: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفاً فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صٰلِحاً لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞ فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهٗ شُرَكَاءَ فِيْمَا اٰتٰهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ [سورۃ الاعراف ۷: ۱۸۹-۱۹۰]

''وہی ہے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی کا جوڑا بھی اُسی سے پیدا کیا کہ وہ اس سے تسکین پائے، تو جب وہ اُس پر چھا جاتا ہے تو وہ ایک ہلکا سا حمل اٹھا لیتی ہے، پھر وہ اُس کو لیے کچھ وقت گزارتی ہے تو جب بوجھل ہوتی ہے تو دونوں اپنے پروردگار سے دعاء کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد بخشی تو ہم تیرے شکر گزاروں میں ہوں گے تو جب اللہ تعالیٰ اُن کو تندرست اولاد دے دیتا ہے تو اُس کی بخشی ہوئی چیز میں وہ اُس کے لیے دوسرے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ برتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

(۲) تفسیر القرطبی ۷: ۲۹۷

مشرکانہ ہی تجویز کرتے ہیں: مثلاً عبدالکعبہ عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبدود' عبدیغوث' نبی بخش' پیراں دتہ' حسین بخش' غلام علی اور غلام حسین وغیرہ۔

امام قرطبی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ونحو هذا مذكور من ضعيف الحديث في الترمذي وغيره، وفي الإسرائيليات كثير ليس لها ثبات، فلا يعول عليها مَن له قلب، فإن آدم وحَوَّا عليهما السلام وإن غرَّهُما بالله الغَرور فلا يُلدَغ المؤمِن من جُحرمرتين.(۱)

''یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں ترمذی وغیرہ کی ضعیف روایات ہیں' اور اسرائیلیات میں ایسی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں' جن کی کوئی اصل نہیں۔ صاحبِ عقل آدمی ان روایات کو قبول نہیں کرتا کیونکہ آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان ایک بار دھوکہ دے چکا تھا اور مؤمن ایک بھٹ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا(۲)۔''

[۴] قصص' واقعات اور اسرائیلی روایات کا تذکرہ شاذونادر ہی کرتے ہیں اور جب کرتے ہیں تو اسے اسرائیلی کہہ کر نقل کرتے ہیں' مثلاً: وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ (۳) کے تحت لکھتے ہیں:

وقد جاء في الإسرائيليات: أنَّ إبراهيم عليه السلام كان لا يأكلُ وحده، فإذا حضر طعامه أرسل يطلُبُ من يأكل معه، فلقي يوماً رجلاً، فلما جلس معه على الطعام قال له إبراهيم عليه السلام: سَمِّ الله، قال الرجل: لا أدري ما الله؟ فقال له: أخرُج عن طعامي فلما خرج نزل إليه جبرئيل عليه السلام فقال له: يقول الله: إنه يرزقه على كفره مُدى عمره

---

(۱) تفسیر القرطبی ۷:۲۹۶

(۲) سنن ترمذی کی سند میں عمر بن ابراہیم ابوحفص عبدی بصری ہے جس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: قتادہ سے منکر اور ثقات کے مخالف روایات نقل کرتا ہے۔ [اور زیرِ نظر روایت بھی قتادہ ہی کی سند سے ہے]۔
[الضعفاء الکبیر ۳:۱۴۶' تہذیب التہذیب ۷:۳۷۳]

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: قتادہ کی سند سے مضطرب روایات نقل کرتا ہے۔
[الکامل فی ضعفاء الرجال ۶:۸۶' ترجمہ: ۲۴۴-[۱۲۱۱]]

(۳) سورۃ ہود ۱۱:۷۱

وأنت عليه بلقمةٍ ، فخرج إبراهيم عليه السلام فزعاً يَجُرُّ ردائَهٗ ، وقال: إرجع ، فقال: لاأرجعُ حتى تُخبرني لم تردني لغيرمعنى ؟ فأخبره بالأمر ، فقال: هذا رَبٌّ كريمٌ ، آمنتُ ، و دخل وسمّى الله وأكل مؤمناً (۱) .

''اسرائیلی روایات میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اکیلے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے، یہاں تک کہ کسی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے تو تب کھاتے۔ ایک روز جب اُن کا کھانا آیا تو کوئی شخص نہیں تھا جسے آپ اپنے کھانے میں شریک کرتے اس لیے کسی کو باہر بھیج کر کسی فرد کو تلاش کرنے لگے۔ ایک شخص ملا۔ آپ نے اُنہیں بٹھا کر اُسے فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھاؤ، وہ شخص کہنے لگا: اللہ کون؟ اس پر آپ نے اُسے کھانے سے اُٹھوایا، جب وہ شخص باہر نکلا تو سیدنا جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اُنہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اُس کے کافر ہونے کے باوجود ساری عمر اُسے رزق دیتا رہا ہوں اور تو نے اسے ایک وقت کا کھانا دینے میں بخل سے کام لیا؟ آپ علیہ السلام چادر کھینچتے ہوئے خوف کی حالت میں اُس شخص کی تلاش میں خود باہر نکلے، اسے تلاش کیا اور اسے واپس آنے کا فرمایا۔ اُس نے وجہ بتائے بغیر آنے سے انکار کیا۔ آپ علیہ السلام نے اُسے سارا ماجرا سنایا جس پر وہ کہنے لگا: یہ تو بڑا کریم رب ہے۔ میں ایمان لاتا ہوں۔ وہ اندر آیا۔ بِسْمِ اللہ پڑھی اور ایمان کی حالت میں کھانا کھایا۔''

[۴] اکثر وبیشتر لغت کی جانب رجوع کرتے اور عربی اَشعار سے اِستشہاد کرتے ہیں۔ مثلاً: اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (۲) کے تحت لکھتے ہیں: الصّلاةُ أصلهافي اللغة الدُّعاءُ، مأخوذةٌ مِن صَلّى يُصَلِّي إذادَعَا، ومنه قوله ﷺ: إذادُعِيَ أحدكم إلى طعامٍ فليُجِبْ فإن كان مفطراً فليطعم وإن كان صائماً فليُصَلِّ (۳) أي: فَلْيَدْعُ (۴) .

''لغت میں صلاۃ کا معنیٰ دعاء ہے۔ صَلّٰى يُصَلِّي سے ماخوذ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب

(۱) تفسیر القرطبی ۹:۶۱ (۲) سورۃ البقرۃ ۲:۳

(۳) سنن ابی داود، کتاب الصوم [۸] باب فی الصائم یدعیٰ الیٰ ولیمۃ [۷۵] حدیث: ۲۴۶۰

(۴) تفسیر القرطبی ۱:۲۱۴

تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کرے۔ اب اگر روزہ سے نہیں ہے تو کھانا کھائے اور اگر روزہ سے ہے تو [دعوت دینے والے کے لیے] دعاء کرے۔''

[۵] امام قرطبی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مالکی مسلک سے وابستگی کے باوجود گروہی تحزب و تعصب سے پاک اور حریتِ فکر ونظر سے متصف تھے۔

آیتِ کریمہ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ [(۱)] کے تحت اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہیں کہ عید الفطر کی نماز اگلے روز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ امام ابن عبد البر [(۲)] نے امام مالک اور اُن کے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ عید کی نماز صرف عید ہی کے دن ادا کی جاسکتی، دوسرے کسی دن نہیں اور:

لو قُضِیَت صَلاۃُ العید بعد خروج وقتها لأشبهتِ الفرائضَ، وقد أجمعوا في سائر السنن أنها تُقضَی، فهذه مثلها [(۳)].

''اگر عید کی نماز اصلی وقت گزر جانے کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ فرائض کی طرح ہو جاتی حالاں کہ اس بات پر [علماء کا] اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ سنتوں کی قضا نہیں دی جاتی۔ ظاہر ہے کہ عید الفطر کی نماز بھی سنت ہے لہٰذا اس کی قضا بھی نہیں۔''

امام قرطبی مالکی ہونے کے باوجود امام ابن عبد البر کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''میری رائے میں دوسرے روز عید کی نماز ادا کرنا جائز، درست اور حدیثِ نبوی کے بالکل مطابق ہے، اگرچہ عموماً سنتوں کی قضا نہیں دی جاتی تاہم شارع علیہ السلام ان میں سے بعض سنتوں کو مستثنیٰ کر کے اُن کی قضا کا حکم دے سکتے ہیں، چنانچہ حدیث میں وارِد ہے:

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۵

(۲) یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البرّ نَمری، قرطبی، مالکی، ابو عمر، حافظ حدیث، مؤرخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظِ مغرب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ قرطبہ میں ۳۶۸ھ = ۹۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ شبونۃ اور شنترین کے قاضی رہے ہیں۔ شاطبہ میں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۷: ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۲۸، الاعلام ۸: ۲۴۰]

(۳) الاستذکار ۳: ۲۸۳، تفسیر القرطبی ۲: ۲۹۹-۳۰۰، مسئلہ: ۱۷

مَن لم يُصلِّ ركعتي الفجر فليُصلهما بعد ماتطلع الشمس (۱).

''جس نے نمازِ فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ طلوعِ آفتاب کے بعد ان کو ادا کر لے۔''

علمائے مالکیہ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ جس شخص نے وقت کی تنگی کے پیش نظر نمازِ فجر کی دو سنتیں ادا نہ کی ہوں تو وہ طلوعِ فجر کے بعد ادا کر سکتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر پہلی بات کو درست مان کر اسے طلوعِ آفتاب کے بعد سنتیں ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ کیا وہ سنتوں کی قضا دے رہا ہے یا اس لیے کہ دو رکعتیں ادا کرنے سے فجر کی سنتوں کا اجر و ثواب اسے مل جائے گا۔ شیخ ابوبکر (۲) کہتے ہیں کہ مالکہ فقہ و اساس پر اس کی اجازت ہے (۳)۔''

امام قرطبی لکھتے ہیں: ''میری رائے میں اسی قاعدہ کے پیش نظر عید کی نماز دوسری روز پڑھی جا سکتی ہے۔ عید کی نماز دوسرے روز ادا کرنے کی اجازت اس لیے بھی ہونی چاہیے کہ یہ سال بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔ اس کی دلیل سنن نسائی کی یہ روایت ہے:

إنَّ قوماً رأوُا الهلالَ فأتوا النبي ﷺ فأمرهم أن يُفطروا بعدما ارتفع النهارُ وأن يخرجوا إلى العيدِ من الغدِ (۴).

''چند لوگوں نے عید کا چاند دیکھا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی اس وقت دن کافی چڑھ چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو روزہ کھولنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگلے روز عید کے لیے نکلیں (۵)۔''

[۶] مصنف کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ وہ معتزلہ، قدریہ، شیعہ اور فلاسفہ کے آراء کا تذکرہ کر کے اُس کی تردید کرتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں ہیں، مثلاً:

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ [۲] باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس [۳۱۴] حدیث: ۴۲۳

(۲) قاضی ابوبکر بن العربی مالکی صاحبِ احکام القرآن مراد ہیں۔

(۳) تفسیر القرطبی ۲: ۳۰۰

(۴) سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین [۱۹] باب الخروج الی العیدین من الغد [۲] حدیث: ۱۵۵۷

(۵) تفسیر القرطبی ۲: ۳۰۱

۱۔ وَ اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِي الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ (۱) کے تحت لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں قصر نہیں کیا کرتی تھیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں اس سوال کے کئی احتمالی جواب لکھنے کے بعد لکھتے ہیں: و أضعفُ من هذا قولُ مَن قال: إنها حيث أتمَّتُ لم تكن في سفرٍ جائزٍ، وهذا باطلٌ قطعاً، فإنها كانت أخوف لله تعالى و أتقى مِن أن تخرج في سفر لا يرضاهُ، و هذا التأويل عليها من أكاذيب الشيعةِ المبتدعةِ و تشنيعاتهم؛ سبحانك هذا بهتانٌ عظيمٌ! و إنما خرجت رضي الله عنها مجتهدة محتسبة تريد أن تطفئ نار الفتنة، إذ هي أحقُّ أن يُستحيا منها فخرجت الأمور عن الضبط (۲)۔

''اِن اَقوال میں کمزور ترین قول اُن کا ہے جو کہتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک ناجائز سفر میں نماز پوری پڑھی اور قصر نہیں کیا۔ سو یہ قول بالکل باطل ہے اس لیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والی اور متقی و پرہیز گار تھیں اس لیے وہ گناہ کے سفر کے لیے نکل ہی نہیں سکتیں، یہ تاویل بدعتی شیعہ کی تشنیعات سے ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا تو [جنگ جمل میں] اس لیے نکلی تھی کہ فتنہ کی آگ بجھا سکے اس لیے کہ وہ اس لائق تھیں کہ آپس میں لڑنے والے اُن کی حیا کے پیش نظر باز آجائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حالات اُن کے ہاتھ سے باہر نکلے۔''

۔ آیت کریمہ: وَقَالَ مُوۡسٰى لِاَخِيۡهِ هٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِيۡ فِيۡ قَوۡمِيۡ (۳) کے تحت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر اُن سے فرمایا:

أما ترضى أن تكون مِنِّي بمنزلة هارون من موسى إلَّا أنه لا نبي بعدي (۴)۔

''کیا تو اس سے خوش نہیں کہ تو مجھ سے ایسا خلیفہ بنے جیسا کہ ہارون، موسیٰ [علیہما السلام] سے تھے؟ البتہ یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

---

(۱) سورۃ النساء ۴: ۱۰۱ (۲) تفسیر القرطبی ۵: ۳۴۱ (۳) سورۃ الاعراف ۷: ۱۴۲

(۴) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ [۴۴] باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ [۴] حدیث: ۳۰-۲۴۰۴

آ گے لکھتے ہیں: فاستدَلَّ بهذا الروافض و الإمامية و سائر فرق الشيعة على أن النبي ﷺ استخلَفَ عَلِيًّا على جميع الأمة حتى كَفَّرَ الصحابةَ الإمامية قبَّحهم الله لأنهم عندهم تركوا العمل الذي هو النص على استخلاف عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ و استخلَفُوا غيره بالإجتهاد منهم. و منهم مَن كَفَّرَ عَلِيًّا إذ لم يقم بطلب حقه، و هؤلاء لاشكَّ في كفرهم و كفر مَن تبعهم على مقالتهم، ولم يعلموا أنَّ هذا استخلافٌ في حياةٍ كالوَكالَةِ التي تنقضي بعزلِ المُوَكِّلِ أو بموته، لايقتضي أنه متمادٍ بعد وفاته، فينحَلُّ على هذا ما تَعَلَّقَ به الإمامية وغيرهم. وقد استخلف النبي ﷺ على المدينة ابن أم مكتوم وغيره، ولم يلزم من ذلك استخلافه دائماً بالإتفاق، على أنَّه قد كان هارون شُرِّكَ في أصل الرسالة، فلايكون لهم فيه على ما راموه دِلالة، والله الموفق للهداية (۱)

''روافض، امامیہ اور شیعہ وغیرہ سارے فرقوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جمیع امت کے لیے خلیفہ مقرر کیا ہے، یہاں تک کہ امامیہ نے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دے دیا اس لیے کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے نص پر عمل نہیں کیا اور اجتہاد کر کے کسی اور کو خلیفہ بنا لیا ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے کہ اُنہوں نے اپنے حق کا مطالبہ نہیں کیا ان [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشمول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے والوں] اور اس قول کے اختیار کرنے والے پیروکاروں کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ زندگی میں یہ استخلاف وکالت کی طرح ہے جو موکل کے معزول ہو جانے یا مر جانے سے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اس کا متقاضی تو نہیں کہ اُس کے وفات کے بعد بھی یہ استخلاف اور وکالت جاری رہیں گے۔ اس سے وہ عقدہ حل ہو جاتا ہے جس سے امامیہ نے استدلال کیا ہے۔ رسول اکرمؐ نے سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (۲) اور دیگر

---

(۱) تفسیر القرطبی ۷: ۲۴۵-۲۴۶

(۲) عبداللہ ابن ام مکتوم: عمرو بن قیس بن زائدہ بن اصم رضی اللہ عنہ۔ شجاع صحابی تھے۔ مکۃ المکرّمۃ میں اسلام قبول کیا۔ قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی غیر موجودگی......

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا تھا جو اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ ابدی خلیفہ ہیں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کو بنیادی طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا شریک بنایا گیا تھا [جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نہیں] اس لیے شیعہ اس سے جو چیز ثابت کرنا چاہتے ہیں اس میں اُس کی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کی توفیق دینے والے ہیں۔''

[۷] یہ کتاب بنیادی طور پر فقہی استنباطات اور مسائل سے متعلق ہے اس لیے مصنف علام بعض فقہی مسائل واَحکام اور اُن کے دلائل و براہین کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہیں مثلاً: سورۃ البقرۃ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ کے تحت خلافتِ صغریٰ اور خلافتِ کبریٰ کا مسئلہ نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

[۸] مصنف، غالی صوفیہ کی تردید کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مثلاً: آیت کریمہ: وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: وقد استدلَّ بعض جُهَّالِ الصوفية بهذا على جواز رَمْيِ الثيابِ إذا اشتَدَّ طربُهُم على المَغْنَى، ثم منهم من يرمي بها صحاحاً، و منهم من يَخرقُهاثم يرمي بها. قال:هؤلاء في غيبةٍ فلايُلامون،فإن موسى عليه السلام لما غلب عليه الغم بعبادة قومه العجلَ، رَمَى الألواحَ فكسرها، و لم يدرِ ماصنعَ. قال أبوالفَرَج الجَوزِي:من يصحح عن موسى عليه السلام أنه رماها رَمْيَ كاسرٍ والذي ذُكِرَ في القرآنِ:ألقاها،فمن أين لنا أنها تَكَسَّرَتْ؟ثم لو قيل:تَكَسَّرَتْ،فمن أين لنا أنه قصد كسرها؟ (۲)

''بعض بے علم صوفیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ غنا سننے کے وقت کپڑے پھاڑنا اور پھینکنا جائز ہے اور کہتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ حالتِ غیب [وجذب] میں ہوتے ہیں

......میں کئی دفعہ مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر ہوئے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ جنگ قادسیہ میں شرکت کی۔ مدینہ منورہ میں ۲۳ھ=۶۴۳ء کو وفات پائی۔ [الاستیعاب: ۴۳۷:۷، ترجمہ: ۱۵۰۱، الاعلام ۸۳:۵]

(۱) سورۃ الاعراف ۱۵۰:۷ (۲) تفسیر القرطبی ۲۵۵:۷

اس لیے قابلِ ملامت نہیں اس لیے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی بچھڑے کی عبادت پر شدتِ غم کی وجہ سے تختیاں پھینک کر توڑ دیا تھا۔ابوالفَرَجْ جوزی [۱] کہتے ہیں: کون اسے صحیح کہہ سکتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے توڑنے کے ارادہ سے تختیاں رکھی تھیں؟ قرآن مجید میں تو صرف اس قدر ہے کہ اُنہوں نے تختیاں بسرعت رکھ دیں۔قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ وہ تختیاں ٹوٹ بھی گئیں؟ اگر کہا جائے کہ تختیاں ٹوٹ گئیں تو سوال یہ ہے کہ یہ کہاں موجود ہے کہ اُنہوں نے ارادۃً ایسا کیا تھا۔"

(۱) حافظ ابن جوزی مراد ہیں۔اُن کی یہ عبارت اُن کی کتاب "تلبیس ابلیس" کے صفحہ: ۲۶۰ پر موجود ہے۔

فصل پنجم 17

تفسیر بالإشارۃ=تفسیرِ اشاری

تفسیر اشاری کا معنی ومفہوم

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر ان کے اشارات کی روشنی میں کی جائے جو اَربابِ صفا پر منکشف ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کے ظاہری معانی کا انکار نہ کیا جائے۔ اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

التفسیر الإشاري:هو تأویل القرآن علی خلاف ظاهره‘لإشارةٍ خفيةٍ تظهر لأرباب السلوك و التصوف ويمكن الجمع بنيها وبين الظاهر المراد أيضاً (۱).

”تفسیر اشاری یہ ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر کے برخلاف ان خفیہ اشارات کی روشنی میں قرآن مجید کی شرح کی جائے جو اہل سلوک وتصوف کے قلب وذہن پر وارد ہوتے ہیں اور اس اشاری تفسیر اور قرآن مجید کی ظاہر کی مراد میں جمع وتطبیق بھی ممکن ہوتی ہے۔“

تفسیر اشاری کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے:هو تأويل القرآن علی خلاف ظاهره‘ لإشاراتٍ خفيةٍ تظهر لبعض أولي العلم أو تظهر للعارفين بالله من أرباب السلوك و المجاهَدة للنفس ممن نوَّرَالله بصائرَهم فادركوا أسرار القرآن العظيم‘أو انقدحت في أذهانهم بعض المعاني الدقيقة بواسطة الإلهام إلهي أو الفتح الرباني مع إمكان الجمع بينها وبين الظاهر المراد من الآيات الكريمات (۲).

”اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی تاویل وتوضیح اس کے ظاہری الفاظ کے بجائے ان مخفی اشارات کو سامنے رکھتے ہوئے کی جائے جو اہل علم یا معرفت الٰہیہ رکھنے والے ارباب سلوک اور مجاہدۂ نفس، میں منہمک اولیاء وصالحین کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کو نور

(۱)مناہل العرفان‘محمد عبد العظیم زرقانی:۳۸۶

(۲)التبیان فی علوم القرآن‘محمد علی صابونی:۱۹۱

بصیرت عطا فرماتے ہیں جس سے قرآن کریم کے اَسرار و حکم تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے یا الہام اور فتح ربانی کے ذریعے ان کے قلوب واَذہان میں بعض دقیق نکات اِلقا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اہل معرفت کی نکتہ سنجیوں اور آیات مبارکہ کے ظاہری مفہوم میں جمع وموافقت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔''

قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے علوم ومعارف کے اخذ واستنباط کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ ان میں تامل وتدبر کیا جائے' چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا[(۱)].

''کیا یہ قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى أَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعٰى لَهٗ مِنْهُ[(۲)].

''حاضر کو چاہیے کہ [میری بات] غائب کو پہنچا دے اس لیے کہ ایسا ممکن ہے کہ جو شخص یہاں موجود ہے وہ ایسے شخص کو یہ خبر پہنچا دے جو اس سے [حدیث کا] زیادہ یاد رکھ لینے والا ہو۔''

وحی الٰہی کا فیضان ہر فرد وبشر کے لیے عام ہے لیکن یہ امر بھی معلوم ہے کہ اس سے کسب فیض کرنے والے یکساں حیثیت کے حامل نہیں بلکہ اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا[(۳)].

''اسی نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس قرآنی ارشاد کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ:

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً قال: قرآناً. فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا. قال: الأودية: قلوب العبادِ[(۴)].

---

(۱) سورۃ محمد ۴۷:۲۴

(۲) صحیح بخاری' کتاب العلم [۳] باب قول النبی ﷺ: رُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ [۱۰] حدیث: ۶۷.

(۳) سورۃ الرعد ۱۳:۱۷

(۴) الجامع لاحکام القرآن' قرطبی ۹:۲۶۰

"أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً میں آسمان سے قرآن مجید مراد ہے اور فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا میں وادیوں سے بندوں کے قلوب واذہان مراد ہیں۔"

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: أي: أخذ كلُّ وادٍ بحسبه فهذا كبيرٌ وسيعٌ كثيراً من الماء، وهذا صغيرٌ وسع بقدره، وهو إشارةٌ إلى القلوب وتفاوتها، فمنها ما يسع علماً كثيراً ومنها من لا يتسعُ لكثير من العلوم، بل يضيق عنها (۱)۔

"یعنی ہر نالی میں اپنی وسعت کی حیثیت سے پانی بہتا ہے۔ بعض میں کم پانی اور بعض میں زیادہ۔ اس میں قلوب اور اس کی استعدادِ اخذ وقبول کے تفاوت کی جانب اشارہ ہے۔ بعض دل علوم و معارف کی کثیر مقدار سمیٹ لیتے ہیں جب کہ دل ایسے ہوتے ہیں جو تنگئی داماں کی بنا پر بہت کم علم حاصل کر پاتے ہیں۔"

تفسیر بالاشارہ کے متعلق علماء کی رائے

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: لا ريبَ أنَّ الله يفتح على قلوب أوليائه المتقين وعباده الصالحين بسبب طهارة قلوبهم لمايكرهه واتباعهم مما يحبه، ما لايفتح على غيرهم وهذا كماقال علي رضی اللہ عنہ: إلَّا فهماً يؤتيه الله عبداً في كتابه (۲)۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی دوستوں اور صالح بندوں کے دلوں پر، جو اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے قلوب کو پاک رکھتے اور اس کے پسندیدہ احکام واوامر کی پیروی کرتے ہیں، ایسے علوم و معارف کے دروازے کھول دیتا ہے جن سے دوسروں کو محروم رکھتا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کناں ہے کہ "ہاں! مگر جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کا فہم عطا فرمادے۔"

حافظ ابن قیم، فہم شریعت میں لوگوں کے مختلف مراتب ومدارج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمقصودُ تفاوت الناس في مراتب الفهم في النصوص وإن منهم من يفهم من الآية

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲:۶۶۹

(۲) مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۰۹

حکماً أو حکمین، و منهم من یفهم منها عشرة أحکام أو أکثر من ذلك و منهم من یقتصر في الفهم علی مجرد اللفظ دون إیمائه وإشارته و تنبیهه و اعتباره (۱).

''مقصود یہ ہے کہ نصوص شریعت کے مراتب فہم میں لوگوں میں فرق وتفاوت پایا جاتا ہے چنانچہ بعض لوگ کسی آیت سے ایک یا دو احکام اخذ کرتے ہیں جب کہ بعض اسی آیت سے دس یا اس سے بھی زائد نکات مستنبط کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ فہم کے باب میں محض ظاہر الفاظ کی حد تک محدود رہتے ہیں، ان کا ذہن نہ اس کے سیاق وسباق اور ایماء واشارہ کی جانب ملتفت ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے اعتبار وتنبیہ ہی کی طرف متوجہ ہو پاتے ہیں۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: و أما إشارات الصوفیة و اعتباراتهم فلیست في الحقیقة من فن التفسیر، و إنمایظهر علی قلب السالك عند استماع القرآن أشیاء، و تتولد له في نظم القرآن. و مثل مایتصف به السالك من حالة أو معرفة حصلت له کمثل مَن سمع مِن العشاق قصة لیلی و المجنون فتذکر له فیستحضر ما کان من المعاملة بینه و بین محبوبته (۲).

''صوفیہ کے اشارات اور اُن کی تعبیرات حقیقت میں فن تفسیر سے تعلق نہیں رکھتے البتہ کسی سالک کے دل میں، جب وہ قرآن مجید سنتا ہے، کچھ چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، جن کے لیے نظم قرآن میں بھی مناسب جگہ ہوتی ہے [یہی چیز اشاری تفسیر کہلاتی ہے] کسی سالک کو کوئی حال اور معرفت بالکل اس طرح حاصل ہوتی ہے جیسا کہ کوئی عاشق جب لیلیٰ اور مجنون کا قصہ سنتا ہے تو اُسے بھی وہی معاملہ یاد آجاتا ہے جو کبھی اس کے درمیان اور اس کے محبوب کے درمیان پیش آیا تھا۔''

امام ابوعبدالرحمٰن السلمی (۳) ایک مشہور محدث اور بزرگ صوفی گزرے ہیں، انہوں نے حقائق التفسیر کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس کے بارے میں امام ابن صلاح سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے سائل کو جو جواب دیا اسے امام بدرالدین زرکشی اور حافظ سیوطی نے نقل کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا:

(۱) اعلام الموقعین: ۲۷۰-۲۷۱ (۲) الفوز الکبیر: ۸۰

(۳) ان کا ترجمہ [حالات زندگی] آگے متن میں آرہا ہے۔

كلام الصوفية في تفسير القرآن فقيل ليس تفسيراً و إنما هي معان و مواجيد يجدونها عند التلاوة (۱).

''تفسیر قرآن کے سلسلے میں صوفیاء کے کلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ یہ کچھ معانی اور وِجدانی باتیں ہوتی ہیں جس کا تلاوت کے وقت انہیں اِدراک ہوتا ہے۔''

حافظ سیوطی نے ابوعبدالرحمٰن السلمی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

و إنما أوردته في هذا القسم لأن تفسيره غير محمود (۲).

''میں نے اُن کا ذکر یہاں اس حیثیت سے کیا ہے کہ اُن کی تفسیر غیر محمود ہے۔''

تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط

تفسیر اشاری کے جواز و قبول کی شرائط بیان کرتے ہوئے حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

و تفسيرٌ على الإشارةِ و القياس و هو الذي ينحو إليه كثير من الصوفية و غيرهم و هذا لا بأس به بأربعة شرائط: أن لا يناقض معنى الآية، و أن يكون معنًى صحيحاً في نفسه، و أن يكون في اللفظ إشعارٌ به، و أن يكون بينه و بين معنى الآية و تلازم، فإذا اجتمعت هذه الأمور الأربعة كان استنباطاً حسناً (۳).

''تفسیر اشارہ و قیاس جسے بہت سے صوفیاء نے اپنی توجہات کا مرکز ٹھہرایا ہے، چار شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے:

[۱] آیت کے معنی و مفہوم سے متصادم نہ ہو۔

[۲] بطریق اشارہ بیان کردہ نکتہ فی نفسہٖ درست ہو۔

[۳] الفاظ سے ذہن اس کی جانب ملتفت ہوتا ہو۔

[۴] اشاری نکتے اور آیت کے معنی میں تلازم و مناسبت پائی جائے۔ جب یہ چاروں امور جمع ہوں

---

(۱) البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۷۰-۱۷۱، الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۷۵

(۲) طبقات المفسرین: ۹۸، ترجمہ: ۹۴

(۳) التبیان فی أقسام القرآن: ۱۰۸

تو یہ اچھا استنباط قرار پائے گا۔''

علامہ عبدالعظیم زرقانی (۱) نے لکھا ہے: مما تقدَّمَ أن التفسیر الإشاري لایکون مقبولاً إلّا بشروطٍ خمسةٍ: ألّا یتنافي مایظهر من معنَی النظم الکریم 'ألّا یُدَّعَی أنه المراد وحدهٗ دون الظاهر 'ألّا یکون تأویلاً بعیداً سخیفاً کتفسیر بعضهم قوله تعالی: وِاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ 'بجعل کلمة ''لَمَعَ'' فعلاً ماضیاً وکلمة ''المحسنین'' مفعوله 'ألّا یکون له معارِضٌ شرعي أو عقلي 'أن یکون له شاهدٌ شرعي یؤیِّدهٗ (۲).

''سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ تفسیر اشاری درج ذیل پانچ شرائط کے بغیر مقبول نہیں:

[۱] قرآن مجید کے نظم سے حاصل شدہ ظاہری معنی کے منافی نہ ہو۔

[۲] یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ ظاہری مفہوم کے بجائے یہی باطنی معنی اصلاً مراد ہے۔

[۳] اشاری معنی بعید از عقل اور نا معقول، کمزور یا لچر قسم کا نہ ہو جیسا کہ بعض لوگوں نے آیۂ کریمہ

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (۳)

میں لَمَعَ کو فعل ماضی اور اَلْمُحْسِنِیْنَ کو اس کا مفعول قرار دیا ہے۔ یعنی: اللہ تعالیٰ نے محسنین کو چمکا دیا ہے۔

[۴] اس کا کوئی عقلی اور شرعی معارض نہ ہو۔ [۵] کوئی شرعی دلیل اس کی تائید کرے۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''علماء نے یہ شرطیں اسی طرح بیان کی ہیں لیکن دیکھا جائے تو یہ ایک دوسرے میں داخل ہیں، چنانچہ پہلی شرط کی موجودگی میں تیسری کی ضرورت نہیں رہتی اور پانچویں کو ملحوظ رکھا جائے تو چوتھی شرط کا خاص فائدہ نہیں۔ مناسب ہے کہ ان کے بجائے دو اور شرائط کا خیال رکھا جائے:

أحدهما: بیان معنی الموضوع له اللفظ الکریم أوّلاً. **ثانیهما:** ألّا یکون من وراءِ هذا

---

(۱) محمد عبدالعظیم الزُّرقانی، جامعہ ازہر مصر کے علماء میں سے تھے۔ کلیۃ اصول الدین کے فاضل تھے اور وہیں علوم قرآن مجید اور حدیث کے مدرس مقرر ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ ۱۳۶۷ھ = ۱۹۴۸ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الاعلام ۶: ۲۱۰]

(۲) مناہل العرفان: ۳۸۸

(۳) سورۃ العنکبوت ۲۹: ۶۹

التفسير الإشاري تشويشٌ على المفسَّرله .(۱)

''ایک یہ کہ پہلے وہ مفہوم بیان کیا جائے جس کے لیے قرآنی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ سننے والے کا قلب وذہن اس تفسیر اشاری سے اضطراب وتشویش کا شکار نہ ہو جائے۔''

یہ ہیں تفسیر اشاری کے مقبول ہونے کے شرائط۔ مقبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو رد نہیں کیا جائے گا اور بس۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کی اتباع لازم ہوگئی ہے یا اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسے مسترد اس لیے نہیں کریں گے کہ یہ ظاہر قرآن کے منافی نہیں۔ مزید برآں تعلیمات شریعت میں اس کا شاہد بھی موجود ہے جو اس کی تقویت کا باعث ہے اور اس طرح کی کسی بھی شے کا انکار مناسب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اسے ماننا واجب نہیں تو یہ اس بنا پر ہے کہ نظم قرآنی اس مفہوم پر دلالت کے لیے وضع نہیں ہوا بلکہ یہ الہامات کے قبیل سے ہے جو صاحب الہام پر منکشف ہوتے ہیں لیکن نہ زبان وبیان کے ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کے قوانین سے مقید کیا جاسکتا ہے۔

تفسیر اشاری پر مشتمل اہم کتب

۔۱: تفسیر القرآن العظیم: سہل بن عبداللہ تستری وفات: ۲۷۳ھ

۔۲: حقائق التفسیر: محمد بن حسین سُلَمِی، وفات: ۴۱۲ھ

۔۳: تفسیر ابن عربی صوفی: محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابوبکر الحاتمی الطائی الاندلسی، عرف محیی الدین وفات: ۶۳۸ھ

۔۴: روح البیان فی تفسیر القرآن (۲)۔ اسماعیل حقی۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے۔

---

(۱) مناہل العرفان: ۳۸۸

(۲) اسماعیل حقی بن مصطفیٰ اسلامبولی حنفی خلوتی۔ صوفی، مفسر اور ترکی مستغرب تھے۔ آیدوس [Aidos] میں پیدا ہوئے۔ قسطنطنیہ میں رہائش تھی جہاں سے بروسہ منتقل ہوئے۔ تصوف کے طریقہ خلوتیہ سے تعلق تھا جس کے باعث تلفور کو ملک بدر کیے گئے اور تکلیف ومشقت سے واسطہ پڑا۔ بروسہ واپس آئے اور وہاں ۱۱۲۷ھ=۱۷۱۵ء کو وفات پائی۔ [ایضاح المکنون ۱: ۵۸۵، الاعلام ۱: ۳۱۳]

۵-:البحر المدید از ابن عجیبہ (۱)۔اُن کی یہ تفسیر ۱۴۱۹ھ کو ڈاکٹر حسن عباسی کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے چھ جلدوں کے اندر چھپ چکی ہے۔

۶-:روح المعانی، سید محمود آلوسی بغدادی، وفات: ۱۲۷۰ھ

-تفسیر القرآن العظیم-

جو تَفْسِيرُ التُّسْتَرِي کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تفسیر سہل بن عبداللہ بن یونس بن عیسیٰ بن عبداللہ بن رفیع تستری ابو محمد کے فرمودات پر مشتمل ہے۔ سہل تستری ایک نامور سنی متکلم اور صوفی ہیں، جن کی زبان عربی تھی۔ وہ ۲۰۳ھ=۸۱۸ء کو اور بقول مؤرخ ابن خلکان ۲۰۰ھ=۸۱۵ء میں تُسْتُــر [اَہواز] کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۲۷۳ھ یا ۲۸۳ھ میں جلاوطنی میں وفات پائی۔ اُن کی زندگی بہت خاموشی اور عزلت نشینی میں گزری (۲)۔

یہ تفسیر چھپ چکی ہے۔ ایک جلد پر مشتمل ہے۔ یہ پورے قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے بلکہ مؤلف نے اس میں چیدہ چیدہ قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے۔ کتاب پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کو درحقیقت سہل نے مرتب نہیں کیا بلکہ سہل تستری نے مختلف مواقع پر جن آیات کی تفسیر کی تھی اُس کو اُن کے عزیز شاگرد ابوبکر محمد بن احمد بلدی نے یک جا کر دیا۔ اس کتاب میں ابوبکر اکثریوں کہتے ہیں کہ سہل سے فلاں آیت کی تفسیر دریافت کی گئی اور اُنہوں نے یوں فرمایا۔

سہل تستری حدیث وسنت کے بڑے شیدائی تھے، اُن سے پوچھا گیا:

إلى متى يكتب الرجل الحديث؟قال:حتى يموتَ ويُصَبُّ باقي حبره على قبره (۳).

''کوئی شخص کب تک حدیث لکھنے کا شغل رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: مرتے دم تک! اور اُس کی

---

(۱) احمد بن محمد بن مہدی، ابن عجیبہ، حسنی، انجزی، صوفی اور مفسر ہیں۔ ۱۱۶۰ھ=۱۷۴۷ء کو اَعُجَيبُش میں پیدا ہوئے۔ ان گنت کتابیں لکھیں۔ اہل مغرب سے تھے۔ ۱۲۲۴ھ=۱۸۰۹ء کو وفات پا گئے۔ طنجہ اور تطوان کے درمیان میں واقع قصبہ انجزہ میں دفن ہوئے۔ [الیواقیت الثمینۃ:۷۰، الاعلام ۱:۲۴۵]

(۲) وفیات الاعیان ۲:۴۲۹، ترجمہ:۲۸۱، تاریخ الاسلام ۷:۳۰۴-۳۰۵، طبقات الاولیاء:۲۰۱، ترجمہ:۴۳

(۳) تاریخ الاسلام ۷:۳۰۴، ترجمہ:۹۰۶۹

باقی ماندہ روشنائی اُس کی قبر پرانڈیل دی جائے۔''

ایک دفعہ فرمایا: مَن أراد الدنيا و الآخرة فليكتب الحديث، فإنَّ فيه منفعةُ الدنيا والآخرة.

قلتُ: هكذا كان مشايخ الصوفية في حرصهم على الحديث و السنة، لا كمشايخ عصرنا الجَهَلَة البَطَلَة الأَكَلَةُ الكَسَلَة.(۱)

''جو دنیا اور آخرت کا طالب ہو تو اسے چاہئے کہ حدیث لکھے [اور اس میں سمجھ بوجھ پیدا کرے] اس لیے کہ اس میں دنیا اور آخرت کی منفعت ہے۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: کسی زمانے میں صوفیہ اور مشائخ حدیث اور سنت کے بہت حریص تھے۔ رہے ہمارے زمانے کے مشائخ! بس وہ جاہل، باطل پرست، پیٹو اور سست و کاہل ہیں۔''

مصنف نے شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں ظاہر، باطن اور حدو مطلع کا مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: و مامن آيةٍ في القرآن إلّا ولها أربعةُ معانٍ: ظاهر و باطنٌ و حدٌّ و مطلعٌ، فالظاهرُ: التلاوةُ، و الباطنُ: الفَهمُ، و الحَدُّ: حلالها و حرامها، و المَطلَعُ: إشرافُ القلبِ على المراد بها فِقهاً من الله تعالى. فالعلمُ الظاهرُ علمٌ عامٌّ، و الفهمُ لباطنه و المراد به خاص، قال تعالى: فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً. أي: لا يفقهون خطاباً.(۲)

''ہر قرآنی آیت چار معانی کی متحمل ہوتی ہے: ظاہر، باطن، حد اور مطلع۔ ظاہر سے اس کی تلاوت مراد ہے اور باطن سے اس کا فہم و اِدراک۔ حدّ سے حلال و حرام مقصود ہے جو [اس میں مذکور ہیں] اور مطلع سے وہ فہم و اِدراک مراد ہے جو اِنسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ودیعت کیا جاتا ہے۔ ظاہری علم ایک عام چیز ہے جو ہر کس و ناکس میں پائی جاتی ہے بخلاف ازیں باطنی علم مخصوص و محدود ہے۔ قرآن مجید میں ہے: فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً.(۳)

''اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات ہی نہیں سمجھتی؟''

یعنی خطاب اور بات تک کو نہیں سمجھتی۔''

(۱) تاریخ الاسلام ۷: ۳۰۴-۳۰۵، ترجمہ: ۹۰۶۹

(۲) تفسیر التُستري: ۷۶

(۳) سورۃ النساء ۴: ۷۸

ایک جگہ لکھتے ہیں: إنَّ اللہ تعالی ماتَولّی ولیًّامن أمة محمد ﷺ إلاَّ علَّمه القرآن، إمَّاظاهراً و إمَّاباطناً. قیل له: إنَّ الظاهر نعرفه، فالباطنُ ماهو؟ قال: فهمه، و إنَّ فهمه هو المراد (١).

''امتِ محمدی میں کوئی ولی ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نہ سکھایا ہو، خواہ وہ ظاہر ہو یا باطن، ان سے کہا گیا کہ ظاہر تو ہمیں معلوم ہے باطن سے آپ کی کیا مراد ہے؟ سہل نے کہا: باطن سے قرآن مجید کا فہم و ادراک مقصود ہے۔''

تفسیر التُّستُري کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ مؤلف نے صرف باطنی معانی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض اوقات وہ ظاہری معانی بیان کر کے اس کے بعد باطنی معانی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس تفسیر میں جو اشاری معنی بیان کیے گئے ہیں وہ ہر جگہ واضح نہیں ہوتے۔ بسا اوقات اس قسم کے عجیب و غریب اور بعید از قیاس معانی بھی بیان کرتے ہیں جنہیں کتاب اللہ کی مراد قطعاً قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس تفسیر میں بعض بے بنیاد اور بے اصل و اَساس چیزیں بھی موجود ہیں، جیسے:

۱- قال سهل: بسم الله: الباءُ بهاءُ الله، و السين سناء الله، و الميم مجدالله، و الله هو الإسم الأعظم الذي حوى الأسماء كلها و بين الألف و اللام منه حرف مكنى غيب من غيب إلى غيب، و سرٌّ من سرٍ إلى سرٍّ، و حقيقةٌ من حقيقةٍ إلى حقيقةٍ، لاينالُ فَهمُه إلاَّ الطاهرُ من الأدناس، الآخذمن الحلال قواماً ضرورة الإيمان؛ والرحمن اسم فيه خاصية من الحرف المكنى بين الألف و اللام؛ والرحيم هو العاطف على عباده بالرزق في الفرع، و الإبتداء في الأصل رحمة لسابق علمه القديم (٢).

''بسم اللہ کی باء سے بہاء اللہ، سین سے سناء اللہ اور میم سے مجد اللہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ لفظ اللہ اسم اعظم ہے جو سب اسماء کو شامل ہے۔ اس کے الف و لام کے درمیان ایک حرف پوشیدہ ہے جس کے راز سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جو مَیل کچیل سے پاک اور حلال روزی پر قناعت کرنے والا ہو۔ رحمٰن ایک اسم ہے جس میں الف و لام کے مابین پوشیدہ حرف کی خصوصیت پائی

---

(١) تفسیر التُّستُري: ٨٢ (٢) تفسیر التُّستُري: ٨٥

جاتی ہے۔رحیم کے معنی ہیں: اپنے بندوں کورزق دے کراُن پررحم کرنے والا'ان کا پیدا کرنے والا اوراپنے قدیم علم کے مطابق ان کوشفقت کی نگاہ سے دیکھنے والا۔''

اس تفسیر کی پشت پرکوئی عقلی یا عقلی دلیل موجودنہیں اس لیے یہ نا قابل قبول ہے۔

-۲:قال سہل: بلغني عن ابن عباس أنه قال:أقسم اللّٰه تعالى أن هذاالكتاب الذي أنزل على محمد ﷺ هـو الكتاب الذي هو من عنداللّٰه'فقال:الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (۱) الألف:اللّٰه' و اللام:جبريل عليه السلام و الميم محمد ﷺ فأقسم اللّٰه تعالى بنفسه و جبريل و محمد عليهما السلام (۲).

''مجھے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے[اورشاہد کے طور پر فرمایا]: الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں الف سے مراد اللہ تعالیٰ'لام سے سیدنا جبریل علیہ السلام اور میم سے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں۔گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی'سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ اور سیدنا جبریل علیہ السلام کی قسم کھائی ہے۔''

اس تفسیر کو تسلیم کرنا نہایت دشوار ہے اس لیے کہ:

-ایک تو سہل تستری اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان کے راوی غائب ہیں۔

-اور دوسرا یہ کہ عرب میں حروف کے ذریعے کلمات کی جانب اشارہ کرنے کا رواج نہیں ہے۔

حروف سے کلمات کی طرف اشارہ صرف اُس وقت کیا جاتا ہے جہاں کوئی لفظی یا حالی قرینہ موجود ہو جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

فَقُلْتُ لَهَا قِفِي فَقَالَتْ:قَافْ

''میں نے اُس عورت سے ٹھہر جانے کو کہا تو اُس نے کہا: میں ٹھہر گئی۔''

-۳:قال سہل: ولقد بلغني أن اللّٰه أوحى إلى داود عليه السلام: ياداود!أنظر'لاأفوتك أنا فَيَفُوتُكَ كل شيء'فإني خلقتُ محمداً ﷺ لأجلي'وخلقتُ آدم عليه السلام لأجله (۳).

---

(۱)سورة البقرة ۲:۲ (۲) تفسير التُّستُرِي:۸۸ (۳) تفسير التُّستُرِي:۹۰

''سہل کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا داود علیہ السلام کو وحی کی تھی کہ: داود! دیکھو کہیں میں تم سے فوت نہ ہو جاؤں ورنہ تیرے ہاتھ سے ہر چیز جاتی رہے گی۔ میں نے محمد ﷺ کو اپنے لیے پیدا کیا اور آدم [علیہ السلام] کو اُن کے لیے۔''

سہل کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی؟ دین کا دارومدار نقل و اسناد پر ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

-۲: قال: إنّ اللّٰہ تعالی خلق آدم علیہ السلام من طین العزة من نور محمد ﷺ (۱).

''اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کو عزت کی مٹی سے پیدا کیا جو سیدنا محمد ﷺ کے نور سے اُٹھائی گئی تھی۔''

معلوم نہیں کہ یہ تفسیر کی کون سی قسم ہے، جس کی بنیاد نہ کسی عقلی دلیل پر ہے اور نہ کسی نقلی دلیل پر؟

اس تفسیر کے مؤلف کا مقصد بڑی حد تک نفوسِ انسانی کی اصلاح و تزکیہ اور انہیں اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ کرنا معلوم ہوتا ہے، اُن کی تفسیر کے دو نمونے ملاحظہ ہوں:

-۱: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا (۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عِجلُ کلِّ إنسان ماأقبل علیه، فأعرض به عن اللّٰه من أهلٍ و ولدٍ، ولا یتخلص من ذلك إلّا بعد إفناءِ جمیع حظوظه من أسبابه، کما لم یتخلص عَبَدَة العجل من عبادته إلّا بعد قتل النفوس (۳).

''بچھڑے سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی محبت میں گرفتار ہو کر انسان اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لے مثلاً: اہل و اولاد اور مال وغیرہ۔ اس سے خلاصی و نجات اس صورت میں ممکن ہے جب انسان تمام خواہشات کو ختم کر دے جس طرح بچھڑے کے پجاریوں نے اُس وقت چھٹکارا پایا جب انہوں نے اپنی جانوں کو تلف کر دیا۔''

-۲: وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال: إبراهیم علیہ السلام لما أحبَّ ولده بطبع البشریة تَدارَکه من اللّٰه فضله و عصمته حتی أمره بذبحه، إذ لم یکن المراد منه تحصیل الذبح، و إنما کان المقصود تخلیص السر من حب غیره بأبلغ الأسباب، فلما

---

(۱) تفسیر التُّستُري: ۹۱ (۲) سورۃ الاعراف ۷: ۱۴۸

(۳) تفسیر تُستُري: ۱۵۰ (۴) سورۃ الصافات ۳۷: ۱۰۷

خلص السر له ورجع عن عادة الطبع فداهُ بذبح عظیم [1].

''سہل نے کہا: سیدنا ابراہیم علیہ السلام چونکہ بتقاضائے بشریت اپنے بیٹے سے محبت کرتے تھے اس لیے آزمائش کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ منشائے الٰہی دراصل یہ نہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر ڈالیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ غیر اللہ کی محبت [وخــلّــت] کو دل سے نکال دیا جائے۔ جب یہ بات پوری ہوگئی اور وہ اپنی عادت سے باز آئے تو اُن [سیدنا اسماعیل علیہ السلام] کے عوض ''ذبح عظیم'' عطا ہوئی۔

حقائق التفسیر

محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ ازدی سلمی نیشاپوری، ابوعبدالرحمٰن کی تصنیف ہے جو ۳۲۵ھ = ۹۳۶ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں صوفیاء کے شیخ تھے۔ طبقات الصوفیة کے نام سے اُن کی تاریخ لکھی۔ صوفیاء کے لیے احادیث وضع کیا کرتے تھے۔ ایک سو دس کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ ۴۱۲ھ = ۱۰۲۱ء کو نیشاپور ہی میں وفات پائی [2]۔

ان کی تفسیر کے بارے میں امام ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وجدتُّ عن الإمام أبي الحسن الواحدي المفسر -رحمه الله- أنه قال: صَنَّفَ أبو عبد الرحمن السلمي حقائق التفسير، فإن كان قد اعتقد أن ذلك تفسيرٌ فقد كفر وأنا أقولُ الظنُّ بمن يوثق به منهم أنه إذا قال شيئاً من أمثال ذلك أنه لم يذكر تفسيراً ولا ذهب به مذهب الشرح للكلمة المذكورة في القرآن العظيم، فإنه لو كان كذلك كانوا كانوا قد سلكوا مسالك الباطنية، وإنما ذلك ذكر منهم لنظير ما ورد في القرآن [3].

''مجھے امام ابوالحسن الواحدی کے بارے میں پتا چلا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن السلمی نے حقائق التفسیر نامی کتاب تحریر کی ہے۔ اگر انہوں نے یہ کتاب تفسیر قرآن ہونے کے اعتبار سے

(۱) تفسیر التُّستُرِي: ۲۲۹

(۲) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۴۶، ترجمہ: ۹۶۳، میزان الاعتدال، الاعلام ۶: ۹۹]

(۳) فتاوی ومسائل ابن الصلاح ۱: ۱۹۶-۱۹۷، سوال: ۴۴

مرتب کی ہے تو کفر کا ارتکاب کیا۔ میں [حافظ ابن الصلاح] حسن ظن کی بنا پر کہتا ہوں کہ وہ قرآن کی تفسیر نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر باطنیہ اور ایسے لوگوں میں کوئی فرق و امتیاز نہ ہوتا۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: كان وافرَ الجلالة، لَهُ أملاكٌ ورثها من أمه، وورِثتْها من أبيها، وتصانيفه يقال: أنها ألف جزأ، وله كتابٌ سمَّاهُ حقائق التفسير، ليته لم يصنفه، فإنه تصحيفٌ وقرمطةٌ، فدونك الكتاب فسترى العجب (۱).

''جلیل القدر تھے۔ اپنی والدہ سے میراث میں بڑی ملکیت ملی تھی جو اُن کی والدہ کو اپنے والد سے میراث میں حاصل ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی کتابیں ہزار اجزاء پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے حقائق التفسیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ کاش! وہ اسے نہ لکھتے۔ اس میں غلطیاں اور قرمطہ ہے۔ آپ کو اُن کی کتاب پڑھنی چاہئے، جس میں آپ عجائب پائیں گے۔''

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: أَلَّفَ حقائقَ التفسير فأتى فيه بمصائب وتأويلات الباطنية، نسأل الله العافية (۲).

''انہوں نے حقائق التفسیر لکھی جس میں مصیبتیں ڈھا دیں اور باطنیہ کی تاویلات کیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں۔

حافظ ابن صلاح نے اُن کے حوالے سے اس کی ایک مثال اس طرح پیش کی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ، قالوا: أمرنا أن بقتال من يلينا من الكفار لأنهم أقربُ شرًّا إلينا، وأقربُ شراً إلى الإنسان نفسه؛ فكأنه قال: أمرنا بقتال النفس ومَن يلينا من الكفار، ومع ذلك فياليَتَهُم لم يتساهلوا بمثل ذلك لما فيه من الإبهام (۳).

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (۴).

---

(۱) تاریخ الاسلام ۹: ۳۶۸، ترجمہ: ۱۵۲۴۳

(۲) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۴۶، ترجمہ: ۹۶۳

(۳) فتاوی ومسائل ابن الصلاح ۱: ۱۹۶-۱۹۷، سوال: ۴۴

(۴) سورۃ التوبہ ۹: ۱۲۳

''ایمان والو! تمہارے قریب جو کفار رہتے ہیں اُن سے لڑو۔''

اس آیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ: ''اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے قریب ترین کفار سے لڑیں اس لیے کہ اُن کا شر ہمارے بہت قریب ہے جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنے نفس کے شر سے متاثر ہوتا ہے تو گویا کہ اس آیت میں ہمیں حکم دیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے نفس اور قریب ترین کافر سے لڑیں۔ کاش! وہ اس قسم کے تساہل سے کام نہ لیتے اس لیے کہ اس سے غلط فہمیاں اور توہمات پیدا ہوتے ہیں۔''

-۱: وَلَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیٰرِ کُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْھُمْ (۱)

کے تحت لکھتے ہیں: اُقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ بمخالفة هَوَاها، اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیٰرِکُمْ يعني: أخرجوا حُبَّ الدنيا مِن قلوبكم، مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ في العدد كثير في المعاني، وهم أهل التوفيق والولايات الصادقة (۲).

'' اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ: خواہش کی پیروی ترک کر کے اپنی نفوس کو قتل کرو۔ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیٰرِکُمْ: یعنی اپنے دلوں سے حب دنیا کو نکال پھینکو۔ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْھُمْ: ان میں سے جو تعداد میں کم اور معانی [معرفت] میں زیادہ ہیں [وہ یہ کام کرسکیں گے] جو اہل توفیق اور ولایات صادقہ کے مالک ہیں۔''

-۲: وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ (۳) کے تحت لکھتے ہیں:

قال بعضهم: هو الذي بسط الأرض وجعل فيها أوتاداً من أوليائه وسادةٍ من عبيده فإليهم الملجأ وبهم الغياث، فمن ضرب في الأرض يقصدهم فاز ونجا ومَن كان سعيه لغيرهم خاب وخسر (۴).

''بعض صوفیوں کا کہنا ہے کہ وہی ذات ہے جس نے اپنے اوتاد اور منتخب بندوں کو دنیا کے لیے باعثِ قرار و تمکین بنایا۔ یہی اولیاء لوگوں کے لیے ملجا اور ذریعہ نجات ہیں اس لیے جو اِن کا قصد

---

(۱) سورۃ النساء۴: ۶۶ (۲) حقائق التفسیر۱: ۱۵۴

(۳) سورۃ الرعد۱۳: ۳ (۴) حقائق التفسیر۱: ۳۲۶

کرتا ہے وہ کامیاب اور ناجی ہوا اور جس نے انہیں چھوڑ کر دوسروں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا وہ نقصان اور خسارے میں رہا۔"

۳- اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (۱) کے تحت لکھتے ہیں:

أنزل مياه الرحمة مِن سحائب القربة ففتح إلى قلوب أوليائه وعباده عيوناً من ماء الرحمة فأنبتت المعرفة فاخضرت القلوب بزينة المعرفة، وأثمرت الإيمان، وأينعت التوحيد، وأضاء ت بالمحبة فهامت إلى سيدها، واشتاقت إلى ربها، فطارت بهمتها فأناخت بين يديه، وعطفت عليه، وأقبلت إليه، وانقطعت عن الأكوان أجمع، إذ ذاك آواها الحق إليه، و فتح لها خزائن أنواره، وأطلق لها القترة في بساتين الأنس، ورياض الشوق والقدس (۲).

"قرب [الٰہیہ] کے بادلوں سے رحمت کا پانی برسایا اور اس آبِ رحمت کے چشمے اپنے [خاص] بندوں کے دلوں میں کھول دیتا ہے جس سے وہ اگنے کا عمل شروع کرتے ہیں۔ معرفت کی زینت سے سرسبز ہو جاتے ہیں۔ ایمان کا پھل شروع ہو جاتا ہے جس سے توحید کو چنا جاتا ہے۔ محبت کی روشنی حاصل ہو جاتی ہے تو اپنے مالک کی محبت کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ اپنے رب کے [دیدار کے] مشتاق ہو جاتے ہیں۔ اپنی ہمت اور جستجو سے اُڑ جاتے ہیں اور اُس [رب تعالیٰ] کے سامنے سربسجود ہو کر معتکف ہو جاتے ہیں۔ ساری کائنات سے رشتہ توڑ لیتے ہیں اور حق تعالیٰ کے ہاں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی انوارِ معرفت کے خزانے اُن کے لیے کھول دیتا ہے۔ اُنس کے باغات اور شوق وقدس کے باغیچوں میں انہیں کھلا چھوڑ دیتا ہے۔"

۴- فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ (۳) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جعل الحق تعالى في قلوب أوليائه رياض أنسه فغرس فيها أشجار المعونة، أصولها ثابتةٌ في أسرارهم وفروعها قائمة بالحضرة في المشهد، فهم يجنون ثمار الأنس في كل أوان، وهو قوله: فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ، أي: ذات الألوان، كلٌّ يجتني منه

(۱) سورۃ الحج ۶۳:۲۲ (۲) حقائق التفسیر ۲:۲۶-۲۷ (۳) سورۃ الرحمٰن ۱۱:۵۵

لو ناً علی قدر سعته، وما کوشف له من بوادي المعرفة و آثار الولایة (۱) . 18

''اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں میں اپنی محبت کے باغیچے لگوائے۔اُس میں معرفت الٰہیہ کے درخت لگائے، جن کی جڑیں اُن کے اَسرار میں مضبوط ہیں اور اُن کی شاخیں حضیرۃ القدس میں قائم ہیں۔وہ ہر وقت اُنس ومحبت کے پھل چنتے ہیں۔فِیۡھَا فٰکِھَۃٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ کا یہی معنی ہے کہ وہ اپنی وسعت وطاقت کے مطابق الوان واقسام کے وہ پھل حاصل کرتے ہیں جو اُن پر وادیٔ معرفت اور آثار ولایت میں ظاہر ہوتے ہیں۔''

ـ تفسیر ابن عربی صوفی ـ

محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابو بکر الحاتمی الطائی الاندلسی، عرف محیی الدین بن عربی لقب: شیخ اکبر، صوفی اور فلسفی تھے۔رمضان ۵۶۰ھ = ۱۱۶۵ء کو مرسیہ [اندلس] میں پیدا ہوئے۔اِشبیلیہ منتقل ہوئے۔رحلۃ میں قیام پذیر ہوئے۔شام، روم، عراق اور حجاز مقدس کے سفر کیے۔کچھ شطحیات (۲)

---

(۱) حقائق التفسیر ۲: ۲۹۳

(۲) شَطۡحٌ کی جمع ہے۔تصوف کی ایک اصطلاح ہے جس سے عالم سکر میں کہے گئے الفاظ مراد ہیں؛ نیز خلاف شرع کلمات زبان پر لانا اور بروئے کشف یہ وہ کلمات ہیں جو ذوق و مستی کی حالت میں بے اختیار بعض واصلین کی زبان پر آجاتے ہیں۔[اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱: ۷۴۸]

مولانا محمد علی تھانوی لکھتے ہیں: عبارةٌ عن کلام غیر متزن بدون التفات أو مبالاة کما هو حال بعض الناس في وقت غلبة الحال أو السکر، فلا یُقبل کلامهم و لا یُرَدُّ و لا یؤ خذ منهم و لا یؤاخذون علیه کقول ابن عربي: أنا أصغر من ربي سَنَتین، أو قول أبي یزید البسطامي: سبحاني ما أعظم شأني، أو الحلاج القائل: أنا الحق، وأما علة عدم قبول مثل هذا الکلام هو أن غیر الأنبیاء لا عصمة لهم، فربما قالوا کلاماً باطلاً . [کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ۱: ۱۰۳۸]

''یہ وہ غیر مناسب کلام ہے جو کسی التفات وہوشیاری کے بغیر عدم توجہی میں کیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں سے غلبہ حال اور سکر میں اس کا صدور ہو جاتا ہے، پس اُن کا ایسا کلام قابل قبول نہیں، لیکن اسے بالکلیہ رد بھی نہیں کیا جائے گا۔ان کے ایسے اقوال پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ایسے اقوال پر اُن کا مؤاخذہ بھی نہیں ہوگا جیسا کہ ابن عربی کا یہ قول کہ:''میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں۔'' یا ابو یزید بسطامی کا یہ قول کہ:''میرے لیے بڑی پاکیزگی ہے اور میری شان بڑی ہے۔'' اور حلاج کا ''انا الحق'' کہنا۔اُن کی ایسی بات قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ [یہ=

کی وجہ سے اہل مصر نے اُنہیں قید میں ڈال کر پھانسی چڑھانے کا فیصلہ کیا مگر علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی، وہاں سے جا کر دمشق میں رہائش اختیار کی، جہاں ۶۳۸ھ = ۱۲۴۰ء کو وفات پائی (۱)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: هذاالرجل كان قد تصوَّفَ وانعزلَ وجاعَ وسَهِرَ وفُتِحَ عليه بأشياءَ امتزَجَت بعالَم الخيال والخَطرات والفكرة، فاستَحكَم به ذلك حتى شاهَدَ بقوة الخيال أشياءَ ظَنَّهَا موجودةً في الخارج حتى إنه قال: لم يكُنِ الحقُّ أوقَفَنِي على ما سَطَّرَهُ لي في توقيع ولايتي أمور العالم حتى أعلمني بأني خاتم الولاية المحمدية بمدينة فاس سنة خمس وتسعين، فلما كانت ليلة الخميس في سنة ثلاثين وست مائة أوقفني الحقُّ على التوقيع في ورقةٍ بيضاء فرسمتُهُ بنصِّه: هذا توقيع إلٰهي كريم من الرءوف الرحيم إلى فلان، وقد أجزلَ له رِفدَهُ، وما خَيَّبْنَا قَصدَهُ، فلينهض إلى ما فُوِّضَ إليه، ولا تَشغَلُهُ الوِلايةُ عن المُثولِ بأيدينا شهراً بعد شهرٍ إلى انقضاء العمر (۲)۔

"یہ شخص تصوف کی راہ پر چل پڑے۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ مستقل فاقے کرنے لگے اور مسلسل شب بیداری شروع کی اس لیے اُن کے عالم خیال، خطرات اور فکر میں کئی چیزیں آنے لگیں جو مستحکم اور مضبوط ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ قوتِ خیال کی وجہ سے کئی ایسی چیزوں کا [جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں تھا] خارج میں مشاہدہ کیا اور ذہنی فتور سے کئی ایسی باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانا جن کا خارج میں کوئی وُجود ہی نہیں تھا یہاں تک کہ کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے جب امورِ عالم کو میری ولایت کے تحت کیا تو مجھے ۵۹۵ھ کو شہر فاس میں اس بات سے آگاہ کیا کہ میں ولایتِ محمدیہ کا خاتم ہوں۔ ۶۳۰ھ کو جمعرات کی رات مجھے ایک سفید دستخط شدہ ورق دیا گیا میں نے جس میں اُس کے الفاظ سے لکھا: یہ الٰہ کریم، رءوف ورحیم کی دستخط ہے۔ اس نے اپنی پوری

= انبیاء تو ہے نہیں جو معصوم ہوتے ہیں] انہیں عصمة حاصل نہیں اس لیے بسا اوقات یہ باطل کلام بھی کر سکتے ہیں۔"

(۱) فوات الوفیات ۲: ۳۹۷، ترجمہ: ۴۸۴، الاعلام ۶: ۲۸۱

(۲) تاریخ الاسلام ۱۳: ۶۶۲، ترجمہ: ۲۵۳۸۵

کوشش کی ہے۔ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے جو چیز اسے سپرد کی گئی ہے اس کے لیے تیار رہے اور اس کی ولایت ساری عمر ماہ بماہ ہماری حاضری سے اسے مشغول نہ کرے۔''

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: ومن أردَإِ تواليفه كتاب الفُصوص 'فإن كان لا كفر فيه فما في الدنيا كفر' وقد عَظَّمهُ جماعةٌ وتَكَلَّفُوا الماصدَرَ منه ببعيد الإحتمالات' وقد حكى العلامة ابن دقيق العيد شيخُنا أنه سمع الشيخ عزالدينِ ابنَ عبدِالسلام يقول عن ابن العربي: شيخٌ سوءٌ كذابٌ 'يقول بقِدَمِ العالم ولا يُحَرِّمُ فرجاً. قلتُ: إن كان محيي الدين رجع عن مقالاته تلك قبل الموت فقد فاز' وماذلك على الله بعزيز......وله شعرٌ رائقٌ' وعلمٌ واسعٌ وذهنٌ وَقَّادٌ' ولا ريب أنَّ كثيراً من عباراته له تأويلٌ إلّا كتابَ الفُصوص (۱)

''اُن کی سب سے بری کتاب فصوص الحکم ہے۔ اگر اس کتاب میں کفر نہیں تو پھر دنیا میں کہیں بھی کفر نہیں۔ ایک جماعت نے اُن کی تعظیم کرتی ہے اور اُن سے جو کچھ غلطیاں صادر ہوئی ہیں وہ اُن میں بعید تاویلات بھی کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ علامہ ابن دقیق العید (۲) نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام (۳) کے حوالے سے کہا ہے کہ ابن عربی شیخ تھے۔ برے اور کذاب تھے۔ عالم کو قدیم جانتے تھے اور کسی بھی عورت کو حرام کہنے کے قائل نہیں تھے۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں اگر انہوں [ابن عربی] نے مرجانے سے قبل اپنے ان افکار و اقوال سے توبہ کی ہے تو کامیابی تک پہنچے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اثر انگیز شعر کہا کرتے تھے۔ وسیع علم اور تیز ذہن رکھتے تھے۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۲۳: ۴۸-۴۹' ترجمہ: ۳۴

(۲) محمد بن علی بن وہب بن مطیع' ابوالفتح' تقی الدین' قشیری' منفلوطی الاصل ہیں۔ بحر احمر کے ساحل ینبع میں ۶۲۵ھ = ۱۲۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ مجتہد اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ دمشق میں تعلیم پائی۔ ۶۹۵ھ کو دیار مصریہ کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے' قاہرہ میں ۷۰۲ھ = ۱۳۰۲ء کو وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۴: ۹۱' الاعلام ۶: ۲۸۳]

(۳) عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابی القاسم بن الحسن السلمی الدمشقی عزالدین' ان کا لقب سلطان العلماء تھا۔ ۵۷۷ھ = ۱۱۸۱ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے' بڑھے۔ اجتہاد کے درجہ تک پہنچے ہوئے۔ شافعی فقیہ تھے۔ دمشق کے زاویہ غزالی میں تدریس اور جامع اموی میں خطابت کے فرائض دیتے رہے ہیں۔ ۶۶۰ھ = ۱۲۶۲ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [فوات الوفیات ۱: ۶۸۲' ترجمہ: ۲۸۷' الاعلام ۴: ۲۱]

ان کی اکثر عبارات کی تاویل کی جاسکتی ہے مگر فصوص الحکم کی کوئی تاویل ممکن نہیں۔''

شیخ ابن عربی کی طرف منسوب تفسیر دو جلدوں میں الگ بھی طبع ہوئی ہے اور عرائس البیان في حقائق القرآن از ابونصر شیرازی کے حاشیہ پر بھی اور لباب التأویل في معاني التنزیل المعروف بالخازن کے حاشیے پر بھی۔ ان نسخوں کی نسبت شیخ ابن عربی کی طرف کی گئی ہے۔ کچھ لوگ اس نسبت کو درست سمجھتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کی تحقیق اس کے خلاف ہے اس لیے کہ:

[۱] ملا کاتب چلپی (۱) لکھتے ہیں: تأویلات القرآن: المعروف بتأویلات الکاشاني، هو التفسیر بالتأویل علی اصطلاح التصوف إلی سورة صٓ للشیخ کمال الدین أبي الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین الکاشي السمرقندي المتوفّٰی سنة سبع و ثمانین و ثمانمائة. أوّلهٗ: الحمد لله الذي جعل مَنَاظِمَ کلامنا مظهر حسن صفاته (۲).

''تاویلات القرآن جو تاویلات الکاشانی سے معروف ہے۔ صوفیہ کے اندازِ تفسیر پر مشتمل تفسیر بالتاویل ہے۔ سورہ ص تک کی تفسیر ہے۔ اس کو شیخ کمال الدین ابوالغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین کاشی سمرقندی نے مرتب کیا ہے جن کی وفات ۷۳۰ھ میں ہوئی۔ اس کا آغاز الحمد لله الذي جعل مَنَاظِمَ کلامنا مظهر حسن صفاته کے الفاظ سے ہوتا ہے۔''

اور جو تفسیر ابن عربی کی طرف منسوب ہے اس کے شروع میں بعینہ یہی عبادت ہے۔

[۲] شیخ ابن عربی کی طرف جو تفسیر منسوب ہے، اس میں ایک جگہ یہ عبارت بھی درج ہے:

وقد سمعتُ شیخنا المولی نور الدین عبدالصمد (۳).

---

(۱) مصطفیٰ بن عبداللہ، مشہور ترکی مصنف ہیں۔ ۱۰۱۷ھ=۱۶۰۹ء کو قسطنطنیہ میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہو گئے، اسی زمانہ میں انہیں اناطولی کے دفترِ محاسبہ میں ایک ادنیٰ منشی کی جگہ مل گئی، اسی وجہ سے کاتب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر ان کا تقرر اسی دفتر میں خلیفہ [معاون] کی حیثیت سے ہوا، اس لیے خلیفہ کہلانے لگے۔ ۱۰۶۷ھ=۱۶۵۷ء کو قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

[الاعلام ۲۳۶، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۷:۱۷۷]

(۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۱:۳۳۶

(۳) تفسیر ابن عربی ۲:۱۲۲، تفسیر ابن عربی بر ہامش لباب التاویل ۳:۴۹۴، بذیل سورۃ القصص ۲۸:۳۲.

"میں نے اپنے استاذ نورالدین عبدالصمد سے سنا۔"

نورالدین سے یہاں نورالدین عبدالصمد بن علی نَطَنْزِي اصفہانی ہیں جن کی وفات ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ یہ عبدالرزاق کاشانی [وفات: ۷۳۰ھ] کے استاذ تھے (۱)۔ نورالدین مذکور شیخ ابن عربی کے استاذ نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ابن عربی کی وفات ۶۳۸ ہجری میں ہوئی ہے۔

[۳] علامہ سید رشید رضا مصری لکھتے ہیں: مایسمونه إشارة، وقد اشتبه على الناس فيه كلام الباطنية بكلام الصوفية. و من ذلك التفسير الذي ينسبونه للشيخ الأكبر محيي الدين ابن عربي، وإنما هو للقاشاني الباطني الشهير، وفيه من النزعات مايتبرأ منه دين الله. (۲)

"تفسیر اشاری کے ضمن میں صوفیہ اور باطنیہ کے اَفکار ونظریات آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی فرق وامتیاز باقی نہیں رہتا۔ جس تفسیر کو ابن عربی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ یہ تفسیر دراصل مشہور باطنی قاشانی کی تحریر کردہ ہے۔ اس میں ایسے خیالات کا اِظہار کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا دین اور اُس کی کتاب دونوں پاک ہیں۔"

شیخ ابن عربی کی طرف منسوب یہ کتاب ۱۳۱۷ھ کو نظارۃ المعارف مصر کی جانب سے تفسیر الخازن کے ہامش پر چھپ چکی ہے اور ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء کو دار اِحیاء التراث العربی بیروت سے دو جلدوں میں علیحدہ بھی چھپ چکی ہے۔

---

(۱) جیسا کہ نفحات الانس: ۵۳۴ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) تفسیر المنار ۱: ۱۸، مقدمہ

-۱: وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: والظاهرُ أن جبرئيل هو العقل الفعّالُ، و ميكائيل هو روح الفلك السادس، و عقله المفيض للنفس النباتية الكلية الموكلة بأرزاق العباد، وإسرافيل هو روح الفلك الرابع، وعقله المفيض للنفس الحيوانية الكلية، الموكلة بالحيوانات، و عزرائيل هو روح الفلك السابع الموكل بالأرواح الإنسانية كلها، يقبضها بنفسه أو بالوسائط التي هي أعوانه ويسلمها إلى الله تعالى (۲).

''ظاہر ہے کہ جبرئیل [علیہ السلام] سے عقلِ فعال مراد ہے۔ میکائیل [علیہ السلام] فلک ششم کی روح ہے اور نباتات کا ظہور اُس سے وابستہ ہے۔ اسرافیل [علیہ السلام] فلک چہارم کی روح ہے اور حیوانات اسی سے متعلق ہیں۔ عزرائیل [علیہ السلام] فلک ہفتم کی روح ہے اور اس کا تعلق ارواحِ انسانی کے ساتھ ہے۔ وہ یا تو خود اُن کے ارواح قبض کرتا ہے یا اُن اعوان وانصار کے ذریعے جو اس کے ساتھ مقرر کیے گئے ہیں اور انہیں قبض کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حوالے کیے جاتے ہیں۔''

-۲: لکھتے ہیں: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا: الصدر الذي هو حرم القلب. بَلَدًا اٰمِنًا: من استيلاء صفات النفس واغتيال العدو اللعين، وتخطف جن القُوى البدنية أهله. وَارْزُقْ اَهْلَهٗ: من ثمرات معارف الروح أو حكمه وأنواره، مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: مَنْ وَحَّدَ الله منهم وعلم المعاد (۳).

''جب ابراہیم نے کہا: اے رب! اس سینے کو جو دل کا حرم ہے امن والا شہر بنا دے کہ اس پر نفسانی خواہشات کا غلبہ نہ ہو۔ لعین دشمن اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ قوائے بدنیہ کا جنّ اس پر غالب نہ آ سکے۔ اس کے رہنے والوں کو روحانی معارف وانوار کے پھل عطا کر، اُن میں سے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو اور آخرت کا یقین رکھتا ہو۔''

-۳: لکھتے ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا: الخلقَ؛ بَاطِلًا أي: شيئاً غيرك؛ فإنّ غير الحق هو الباطل،

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲: ۸۷

(۲) تفسیر ابن عربی ۱: ۴۶-۴۷

(۳) تفسیر ابن عربی ۱: ۵۳ بذیل تفسیر سورۃ البقرۃ ۲: ۱۲۶

بل جعلته أسماءَ لَكَ و مَظاهر صفاتك،سُبحٰنَكَ:نُنَزّهُكَ أن يو جد غيرك[1]۔

''اے رب!تونے اپنے سوا کوئی چیز ہی پیدا نہیں کی اس لیے کہ تیرے سوا جو کچھ بھی ہے سب باطل ہے۔دنیا کی سب چیزیں تیرے ہی اَسماء اور تیری ہی صفات کے مَظاہر ہیں۔ہم تجھے اس بات سے پاک سمجھتے ہیں کہ تیرے سوا بھی کچھ موجود ہو۔''

۔۴: لکھتے ہیں:نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ :بإظهار كم بو جودنا وظهور نافي صور كم[2]۔

''ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی اپنے وجود کے ساتھ تم کو ظاہر کیا اور تمہاری صورتوں میں ہمارا صدور ہوا۔''

۔۵: لکھتے ہیں:وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ:الذي هو أنت'أي:إعرف نفسك واذكرها ولا تنساها فينساك الله'واجتهد لتحصيل كمالها بعد معرفة حقيقتها. وَتَبَتَّلْ:وانقطع إلى الله بالإعراض عما سواه انقطاعاً تاماً معتداً به. رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ'أي:الذي ظهر عليك نوره فطلع من أفق وجودك بإيجادك'والمغرب الذي اختفى بوجودك وغرب نوره فيك[3]۔

''اپنے رب کے نام کا ذکر کرو'جو تو خود ہی ہے'یعنی اپنے آپ کو پہچان۔اسے یاد رکھ اور فراموش نہ کر'ورنہ اللہ تعالیٰ تجھے بھلا دے گا۔نفس کی حقیقت معلوم کر کے اس کو کمال تک پہنچانے کی کوشش کر۔تجھ پر اُسی [اللہ تعالیٰ] کا پرتَو پڑا ہے اور وہ تیرے وجود کے اُفق سے طلوع ہوا ہے۔وہ تیرے وجود میں چھپ گیا ہے اور اس کا نور تجھ میں آکر غروب ہو گیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی[4] لکھتے ہیں:''یہ نمونہ ہائے تفسیر اس کتاب کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔کتاب کی ورق گردانی سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ تفسیر ابن عربی کے وحدۃ الوجود کی

---

(۱) تفسیر ابن عربی ۱:۱۳۴'بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳:۱۹۲

(۲) تفسیر ابن عربی ۲:۳۱۴'بذیل تفسیر سورۃ الواقعۃ ۵٦:۵۷

(۳) تفسیر ابن عربی ۲:۳۸۲'بذیل تفسیر سورۃ المزمل ۷۳:۸-۹

(۴) علمائے ازہر میں سے تھے۔مفسر اور وزیر اوقاف تھے۔۱۳۹۷ھ=۱۹۷۷ء کو شہادت پائی۔
[تکملہ معجم المؤلفین:۹۴۷'معجم المؤلفین المعاصرین ۲:۵۷۸]

آئینہ دار ہے۔ غالباً کتاب کو ابن عربی کی جانب منسوب کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابن عربی وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور قرآنی آیات کی تفسیر اسی نظریہ کی روشنی میں کرتے تھے۔ اب دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ اتحادِ نظریات کی بناء پر التباس پیدا ہوا اور اس تفسیر کو ابن عربی کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب کو مقبول بنانے کے لیے جھوٹ موٹ اس کی نسبت ابن عربی کی طرف کر دی گئی اور اس طرح جس شخص نے اس کا اِرتکاب کیا تھا اس کا پردہ فاش نہ ہو سکا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ابن عربی کے نظریات بھی یہی تھے[1]۔‘‘

ابن عربی کا اپنا کلام بھی کچھ ایسا ہی ہے

شیخ ابن عربی کا اپنا کلام بھی اس قسم کی چیزوں سے پاک نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

۱: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۞ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۞[2] کے تحت لکھتے ہیں: یامحمد إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا: ستَرُوا محبتهم فِيَّ عنهم فسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ بوعيدك الذي أرسَلْتُك به أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ بكلامك فإنهم لايعقلون غيري، و أنتَ تُنذرهم بخلقي وهم ماعقلوهُ ولاشاهَدوهُ، وكيف يؤمنون بك وقد خَتَمتُ على على قلوبهم فلم أجعل فيهامُتَّسَعاً لغيري، وعلى سمعهم فلايسمعون كلاماً في العالم إلَّا مني، وعلى أبصارهم غشاوة من بَهائِي عند مشاهدتي فلا يبصرون سوايَ، وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ عندي أردُّهُم بعد هذاالمشهَد السني إلى إنذارك[3].

’’اے محمد [ﷺ]! کفر کرنے والوں کو چھوڑیے، انہوں نے اپنی محبت کو میرے اندر چھپا رکھا ہے۔ برابر ہے کہ آپ ان کو اس وعید کے ساتھ ڈرائیں جو دے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے کہ میرے سوا وہ کسی چیز کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ وہ آپ پر کیسے ایمان

---

(۱) التفسیر والمفسرون ۲:۲۷۶

(۲) سورۃ البقرۃ ۲:۶-۷

(۳) الفتوحات المکیۃ ۱:۱۸۷

لا سکتے ہیں جب کہ میں نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اپنے سوا کسی اور کے لیے گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے وہ میرے سوا کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے' اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے چنانچہ وہ میرے بغیر اور کسی کو دیکھتے ہی نہیں اور اُن کے لیے میرے پاس عذابِ عظیم ہے کہ اس بڑی مشہد سے انہیں آپ کی اِنذار کی طرف لوٹا دوں گا۔''

کون باہوش مسلمان کہہ سکتا ہے کہ یہ اشاری تفسیر ہے؟ یہ تو کلامِ الٰہی کی خالص تحریف ہے جس کی بنیاد کسی عربی یا شرعی قاعدہ اور قانون پر نہیں۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے: وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۱)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

شیخ ابن عربی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: أنَّ اللّٰه تعالى خاطَبَ في هذه الآية المسلمين و الذين عبدوا غير الله قربةً إلى الله فما عبدوا إلّا الله...... والإله الذي يطلب اليه بعبادة هذا الذي أشرك به لواحدٌ...... كأنكم ما اختلفتم في أحديته فقال : وَاِلٰهُكُمْ فجمعنا و إياهم إلٰهٌ وَّاحِدٌ (۲)

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہلِ اسلام اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو مخاطب کیا ہے چونکہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے پیشِ نظر بھی اللہ تعالیٰ ہی کا تقرب ہوتا ہے اس لیے گویا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ جب اُنہوں نے بذاتِ خود اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم غیر اللہ کی عبادت تقربِ الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اِلٰہ اور مشرک کا اِلٰہ جس کے توسط سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے ایک ہی ہوئے۔''

۳۔ قرآن مجید میں ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ (۳)

''لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی [ہر لحاظ سے] غنی ہے۔''

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۶۳

(۲) الفتوحات المکیۃ ۸:۱۵۰

(۳) سورۃ فاطر ۳۵:۱۵

شیخ ابن عربی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: و معلومٌ أنَّ لنا افتقاراً من بعضنا لبعضنا، فأسماؤنا أسماء اللّٰہ تعالی، إذ إلیه الإفتقار بلا شكٍ، و أعیاننا في نفس الأمر ظله، لا غیره، فهو هویتنا، لا هویتنا.(۱)

''یہ بات ظاہر ہے کہ ہم لوگوں میں بعض کو بعض کی حاجت ہے اس لیے ہمارے اسماء اللہ تعالیٰ ہی کے اسماء ہیں اس لیے کہ صرف ان ہی کو صرف احتیاج و افتقار ہے اور ہماری ذاتیں نفس الامر میں اُس [اللہ] ہی کے پرتَو ہیں، اس سے غیر نہیں ہیں، پس وہ [حق تعالیٰ] ہماری عین ذات بھی ہے اور عین ذات بھی نہیں۔''

-۴: قرآن مجید میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وارِد ہے:

وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (۲).

''اور اُس کا کلمہ ہیں جس کو اُس نے مریم کی طرف اِلقاء فرمایا اور اُس کی جانب سے ایک روح ہیں۔''

اس آیت کو نقل کر کے شیخ ابن عربی لکھتے ہیں: فسَرَّتِ الشهوةُ في مریم، فخُلِقَ جسمُ عیسی من ماء محقق من مریم و من ماء متوهم من جبریل، سری في رطوبة ذلك النفخ لأن النفخ من الجسم الحیواني رطبٌ لما فیه من رکن الماء، فتکوَّنَ جسم عیسی من ماءٍ متوهَّمٍ و ماءٍ مُحقَّقٍ، و خرج علی صورة البشر من أجل أمه، و من أجل تمثُّلِ جبریل في صورة البشر حتی لا یقع التکوین في هذا النوع الإنساني إلا علی الحکم المعتاد (۳).

''خواہش فرزند سیدہ مریم علیہا السلام میں سرایت کر گئی اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا جبریل علیہ السلام کے خیالی اور وہمی پانی سے پیدا ہوئے۔ نفخ میں ایک قسم کی رطوبت ہوتی ہی ہے کیوں کہ جسم حیوانی کی نفخ اور پھونک میں اجزائے مائیہ ہوتے ہی ہیں۔ بہر حال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جسم ماءِ متوہم و خیالی اور ماءِ محقق دونوں سے پیدا ہوا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بشری صورت میں اس لیے نمودار ہوئے کہ اُن کی ماں بشر تھیں اور سیدنا جبریل علیہ السلام کا تمثل بھی صورتِ بشری تھا

---

(۱) فصوص الحکم: ۶۵ (۲) سورۃ النساء ۴: ۱۷۱ (۳) فصوص الحکم: ۱۰۰

تاکہ خلق وتکوین نوع انسانی کی حسبِ عادت جاری ہو۔''

۵: قرآن مجید میں سیدنا ہارون علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے: اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ (۱)۔

''مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا تم یہ کہو کہ میں نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور میری بات کالحاظ نہ کیا۔''

شیخ ابن عربی لکھتے ہیں: كان موسى أعلمَ بالأمر من هارون‘لأنه علم ما عبده أصحاب العجل‘لعلمه بأن الله قد قضى ألَّا يُعبَدَ إلَّا إياه‘وما حكم الله بشئ إلَّا وقُع‘فكان عتب موسى أخاه هارون لِمَا وقع الأمر في انكاره وعدم اتساعه‘فإن العارف مَن يرى الحق في كل شئ‘بل يراه عين كل شئ‘فكان موسى يُرَبي هارون تربية علم وإن كان أصغر منه في السن (۲)۔

''سیدنا موسیٰ علیہ السلام بہ نسبت سیدنا ہارون علیہ السلام کے حقیقت نفس الامری سے زیادہ واقف تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ گوسالہ پرستوں نے حقیقت میں کس کی پرستش کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکمِ ازلی ہے کہ تم اُس [اللہ تعالیٰ] کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔ لہٰذا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عتاب اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام پر اس لیے تھا کہ انہوں نے گوسالہ پرستی پر نکیر کی تھی اور اُن کے دل میں اتنی وسعت بھی نہ تھی جتنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل میں تھی کیوں کہ عارف کامل تو وہ ہے جو ہر شے میں حق تعالیٰ کو دیکھے بلکہ اس کو ہر شے کا عین دیکھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا ہارون علیہ السلام کی علمی تربیت فرما رہے تھے اگرچہ عمر میں اُن سے چھوٹے تھے۔''

۶: قرآن مجید میں سیدنا ادریس علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے:

وَرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۳)۔ ''اور ہم نے اسے بلند رُتبہ پر پہنچا دیا۔''

اس آیت کے بارے میں شیخ ابن عربی لکھتے ہیں: وعلِيُّ الأمكنة: المكانُ الذي تدور عليه

(۱) سورۃ طٰہٰ ۲۰:۹۴ (۲) فصوص الحکم: ۱۵۵-۱۵۶ (۳) سورۃ مریم ۱۹:۵۷

رحى عالم الأفلاك وهو فلك الشمس، و فيه مقام روحانية إدريس الطَلِيْة و تحته سبعة أفلاك...... وأمّا علو المكانة فهولنا أعني: المحمديين، قال الله تعالى: وَأَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ (۱) في هذا العلو (۲).

''بلند ترین جگہ وہ ہے جس پر عالم اَفلاک کی چکی گومتی ہے اور وہ فلکِ شمس ہے۔ وہاں سیدنا ادریس الطَلِيْة کی روح مقیم ہے۔ سات آسمان اس کے نیچے ہیں [چودہ افلاک کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ] سب سے بلند مرتبہ امت محمدیہ کا ہے جس کی شان میں ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ '' وارِد ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کا رُتبہ سیدنا ادریس الطَلِيْة سے بھی بڑھ کر ہے جو بداہۃً غلط ہے۔

ارشاد ربانی ہے: لَئِنَ اتَّخَذْتَ اِلٰهاً غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (۳).

''اگر تو میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔''

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: و السين في السجن من حروف الزوائد، أي: لأسترنك فإنك أجبتَ بما أيّدتّني به أن أقول لك مثل هذا القول، فإن قلتَ لي: فقد جهِلتَ يافرعون بوعيدك إيايَ، والعين واحدة فكيف فرقت؟ (۴).

''سجن میں سین حروف زائد سے ہے (۵) یعنی میں تجھ کو چھپا دوں گا کیوں کہ تو نے وہ بات کی ہے جس سے میری تائید ہوتی ہے کہ میں تجھ سے یہ بات کہوں! اگر تو زبانِ توحید سے مجھ سے کہے: اوفرعون! تو بڑا نادان ہے۔ ایک ہی ذات کے جلوے بھی سمجھتا ہے اور پھر مجھے ڈراتا دھمکاتا بھی ہے۔ توحید اور پھر تفریق کیسی؟''

۔۷: شیخ ابن عربی نے فرعون کے بارے میں لکھا ہے کہ: لم يتيقّن فرعون بالهلاك إذ آمنَ، بخلاف المحتضر حتى لايلحق به، فآمن بالذي آمنت به بنو إسرائيل على التيقن

---

(۱) سورۃ محمد ۴۷: ۳۵ (۲) فصوص الحکم: ۳۳ (۳) سورۃ الشعراء ۲۶: ۲۹

(۴) فصوص الحکم: ۲: ۱۷۲ (۵) سین کے جانے کے بعد ''جِنٌّ'' رہ گیا جب کہ علمائے ادب کے نزدیک ''سین'' زاید نہیں بلکہ ''فا'' کلمہ زاید ہوتا ہے۔ ''جِنٌّ'' کا مادہ ''جنن'' ہے نہ کہ ''سجن''۔

بالنجاة‘فكان كما تيَقَّنَ‘لكن علي غير الصورة التي أرادَ‘ فنجاهُ الله من عذاب الآخرةِ في نفسه‘ونَجّى بدنه كماقال: ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾(۱) لأنه لوغابَ بصورته ربماقال قومه:احتجبَ‘ فظهربالصورة المعهودة ميتاً لِيُعْلَمَ أنه هو‘ فقد عمته النجاة حِسًّاو معنيً‘ومن حَقَّت عليه كلمة العذاب الأخروي لايؤمِنُ ولو جاءته كل آيةٍ حتى يروا العذاب الأليم ‘ أي : يذوقوا العذاب الأخروي‘فخرج فرعون من هذاالصنف‘هذا هو الظاهر الذي ورد به القرآن (۲)

”فرعون کو اپنے مرنے کا یقین نہ تھا جب کہ وہ ایمان لایا بخلاف قریب الموت شخص کے‘اس لیے فرعون کو قریب الموت پر قیاس نہ کیا جائے گا لہٰذا فرعون اُس رب پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے۔اس کو نجات کا یقین تھا اور اسے نجات مل بھی گئی مگر جس طرح فرعون چاہتا تھا اس طرح نجات اسے نہیں ملی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو عذابِ آخرت سے نجات دی اور اس کے بدن کو ڈوبنے سے بچایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:”آج ہم تیرے بدن کو غرق سے بچا لیں گے تا کہ تو پیچھے والوں کے لیے نشانئ عبرت ہو۔“ اگر وہ اپنے بدن کے ساتھ غائب ہو جاتا تو شاید لوگ کہتے کہ فرعون کہیں چھپ گیا ہے لہٰذا اپنی معہود و معلوم صورت کے ساتھ مردہ ظاہر ہوا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہی فرعون ہے۔فرعون کو ظاہراً و باطناً نجات حاصل ہوئی اور جس پر عذاب آخرت ثابت ہو جاتا ہے وہ ایمان نہیں لاتا اگرچہ اُس کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لے۔فرعون اس صنف سے نکل گیا۔قرآن مجید کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔“

یہ ہے شیخ ابن عربی کی تفسیر اشاری‘ جو صحیح معنوں میں تحریف قرآن مجید اور خالص باطنیت ہے۔

---

(۱) سورۂ یونس ۱۰:۹۲ (۲) فصوص الحکم: ۱۷۴-۱۷۵

فصل ششم

اردو زبان میں چند مشہور تفاسیر

- بیان القرآن -

[مولانا اشرف علی تھانوی]

مولانا اشرف علی تھانوی بن شیخ عبدالحق کی تصنیف ہے۔ آپ ۵ربیع الاول ۱۲۸۰ھ=۱۸۶۳ء کو تھانہ بھون [انڈیا] میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں اور حافظ حسین علی دہلوی سے قرآن مجید حفظ کیا پھر تھانہ بھون واپس آکر مولانا فتح محمد صاحب سے عربی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں اور اس کی کچھ انتہائی کتب اپنے ماموں واجد علی سے پڑھیں جو فارسی ادب کے کامل استاد مانے جاتے تھے پھر دیو بند پہنچ کر بقیہ نصاب کی تکمیل مولانا منفعت علی سے کی۔ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور پانچ سال تک یہاں مشغولِ تعلیم رہ کر شروع ۱۳۱۰ھ میں فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر ۱۹، ۲۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ عمر بھر دین اسلام کی خدمت میں لگے رہے۔ طریقت کا کوچہ کوچہ چھان مارا اور بالآخر ۱۳۶۲ھ=۱۹۴۳ء کو وفات پائی [۱]۔

آپ کی تفسیر بیان القرآن ۱۲ حصوں پر مشتمل ہے، جس میں تفسیر قرآن کے ساتھ نحو، بلاغت اور روایاتِ تفسیر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تصوف کے مسائل کے لیے حاشیہ تفسیر پر "مسائل السلوک" کے نام سے ایک الگ تصنیف موجود ہے۔ بیان القرآن کے متعلق حضرت مولانا سید سلیمان ندوی [۲] کی روایت ہے کہ:

---

(۱) بیس بڑے مسلمان: ۳۰۸-۳۲۵

(۲) سید سلیمان ندوی بن ابو الحسن حسینی زیدی دسنوی بہاری، صوبہ بہار کے مردم خیز گاؤں دِسنہ ضلع پٹنہ میں ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ=۲۲ نومبر ۱۸۸۴م کو پیدا ہوئے۔ اپنے چچا ابو حبیب نقش بندی سے ابتدائی علوم سیکھے۔ ۱۳۱۶ھ کو پھلواری چلے گئے جہاں ایک سال تک مولانا محی الدین مجیبی پھلواری سے علمی استفادہ کیا پھر در بھنگہ گئے اور مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لیا جہاں آپ ایک سال تک رہے۔ ۱۳۱۸ھ کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیا۔ وہاں پانچ سال تک پڑھتے رہے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ=۲۲ نومبر ۱۹۵۳م کو کراچی میں وفات پائی اور......

''تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری نے کیا تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تفسیر بیان القرآن عوام الناس کے لیے لکھی گئی ہے لیکن تفسیر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس سے علماء استفادہ کر سکتے ہیں (۱)۔''

نمونہ تفسیر

[۱] وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: 'اپنے عوام الناس معتقدین سے مت ڈرو کہ انہیں اعتقاد نہ رہے گا۔ ان سے آمدنی بند ہو جائے گی (۳)۔''

[۲] وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا (۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس سے بڑے کام کی بات معلوم ہوئی کہ جو شے شرعاً مباح ہو اُس کو طاعت وعبادت اعتقاد کر لینا اسی طرح اس کو معصیت اور محلِ ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم ہے اور بدعت میں داخل ہے (۵)۔''

[۳] وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِباً وَّلَھْواً (۶) پر مسائل السلوک کے تحت لکھتے ہیں:

''بعض نے کہا ہے کہ دین کے معنی عادت ہیں اور عادت سے مراد عیدِ معتاد۔ اور روح المعانی میں اس قول کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس اس میں کفار کی اَعیاد پر جن میں لہو ولعب ہوتا تھا، انکار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اس زمانہ کے اکثر اَعراس بوجہ اشتمال علی المنکرات والبدعات کے داخل ہیں (۷)۔''

[۴] حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِھِمْ (۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تمہیں معلوم ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایسے وقت میں بزرگوں کو پکارتے ہیں تو اس حیثیت سے یہ لوگ ان مشرکین سے بھی زیادہ قابلِ افسوس ہوئے (۹)۔''

......مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے قریب دفن کیے گئے۔

[نزہۃ الخواطر ۸:۷۷ا' اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱:۲۶۶]

(۱) الرشید کا دار العلوم دیوبند نمبر: ۵۷۴ (۲) سورۃ البقرۃ ۲:۴۰ (۳) بیان القرآن ۱:۲۶

(۴) سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۹ (۵) بیان القرآن ۱:۱۰۸ (۶) سورۃ الانعام ۶:۷۰

(۷) بیان القرآن ۳:۱۰۴ (۸) سورۃ یونس ۱۰:۲۲ (۹) بیان القرآن ۵:۹

تفسیر کا منہج

مولانا تھانوی نے تفسیر بیان القرآن میں تمہید سے بھی پہلے ''ذکر بعضے امور مرعیہ ملتزمہ در تحریر تفسیر ہذا[1] '' کے عنوان کے تحت اس کا جو منہج ذکر کیا ہے اسے ان نکات میں لکھا جا سکتا ہے:

[۱] اس تفسیر کے لکھنے کے وقت اُن کے پاس تفاسیر کا وافر ذخیرہ تھا جن میں معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، خازن، فتح المنان، ابن کثیر، درمنثور اور کشاف سرفہرست ہیں۔ حدیث اور فقہ کی کچھ کتابیں بھی زیر مطالعہ رہیں۔

[۲] قرآن مجید کے اول سے آخر تک ہر سورۃ اور ہر آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ نہایت سہل اور آسان لفظوں میں بالالتزام بیان کیا گیا ہے۔

[۳] اکثر سورتوں کے شروع میں ان سورتوں کا خلاصہ مضامین بھی بیان کیا گیا ہے۔

[۴] جن روایات کو بنیاد بنا کر تفسیر لکھی گئی ہے، کوشش کی گئی ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کی صحیح روایتیں ہوں، البتہ جہاں تفسیر کسی روایت پر مبنی نہیں ہے اور قرآنی لفظ بھی فی نفسہ اس وجہ کو متحمل ہوا تو وہاں صحت حدیث میں تسامح کیا گیا ہے۔

[۵] تفسیر میں اُن شبہات کا جواب دیا گیا ہے جن کا منشاء کوئی صحیح دلیل تھی جیسے کوئی آیت یا کوئی حدیث یا کوئی ایسا امر جسے عقل سلیم یا صحیح حس تسلیم کرتی ہو۔

[۶] ترجمہ میں محاورہ کی نسبت ترکیب کی رعایت زیادہ رکھی گئی ہے۔

[۷] ہر آیت سے متعلق کلامی اور فقہی مسائل کی اسی قدر تحقیق پر اکتفا کیا گیا ہے جس پر قرآن مجید کی تفسیر موقوف ہے۔

[۸] تفسیر میں ہر جگہ سلف صالحین کا اتباع کیا گیا ہے۔ متاخرین علماء کے جو اَقوال سلف کے خلاف تھے اُنہیں تفسیر میں قبول نہیں کیا گیا۔

[۹] مفسرین کے متعدد اقوال میں اُس قول کو اختیار کیا گیا ہے جس کی بنیاد روایت حدیث یا ذوق

---

(۱) بعض ایسے امور کا ذکر، جن کا اس تفسیر میں التزام کیا گیا ہے اور ان کی رعایت کی گئی ہے۔

عربیت پر ہو۔

[۱۰] تفسیر میں ''مسائل السلوک'' کے عنوان کے تحت سلوک وتزکیہ نفس کے مسائل بھی مذکور ہیں۔

[۱۱] مُلحقَاتُ التَّرجَمَة کے عنوان کے تحت منتخب تفاسیر کے حوالے سے اپنی رائے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بیان القرآن

[مولانا محمد علی لاہوری قادیانی]

مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں: دسمبر۱۸۷۴ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ کپورتھلہ کے ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیئے گونمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔۱۸۹۴ء میں بی اے کرنے کے بعد ایم اے میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی۔۱۸۹۲ء میں لاہور میں مرزا صاحب (۱) سے ملاقات کی۔۱۸۹۷ء میں قادیان جاکر اُن سے بیعت کی۔۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ مسلمانوں میں سے بعض علماء لاہوری گروپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں مانتے تھے لیکن ۷ ستمبر۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان کے واضح فیصلہ کے بعد لاہوری گروپ کے لوگ بھی غیر مسلم قرار پائے (۲)۔

مرزا صاحب قادیانی کی وفات ۱۹۰۸ء کو ہوئی' اُن کے بعد حکیم نورالدین پہلے خلیفہ منتخب ہوئے لیکن جماعت کا اہتمام وانتظام صدر انجمنِ احمدیہ کے ہاتھ میں رہا۔ مرزا محمود صاحب، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بیٹا ہونے کی وجہ سے جماعت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔ حکیم نورالدین [کی وفات ۱۹۱۴ء] کے بعد ایک جماعت نے مرزا البشیر الدین صاحب محمود کو مرزا صاحب کا دوسرا خلیفہ چن لیا اس وجہ سے مولوی محمد علی صاحب لاہوری اور اُن کے ہم نوا جماعتِ احمدیہ سے علیحدہ ہوگئے اور یوں لاہوری جماعت کا آغاز ہوا (۳)۔

---

(۱) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مراد ہے جو اِجراءِ نبوت کے قائل اور خود نبی ہونے کا مدعی تھے۔

(۲) شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا۲: ۱۴۵۰ (۳) موجِ کوثر: ۹: ۱۷۹-۱۸۰

لاہوری جماعت، مرزا صاحب کی معتقد ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حتی الوسع اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے وابستہ رکھنا اور اُن کے دُکھ سکھ میں اُن کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔ لاہوری احمدی غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہتے۔ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں بلکہ انہیں مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں اور احمدیہ عقائد اور عام مسلمانوں کے عقائد میں جتنا کم اختلاف ہو اُسے بہتر سمجھتے ہیں (۱)۔

خود مولوی صاحب معترف ہیں کہ: ''مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمتِ قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں اور اُن کے بعد فہمِ قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ اُستادی المکرّم حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم ہیں (۲)''۔

تفسیر کا منہج

[۱] اپنے ترجمہ قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں: ''میری یہ کوشش رہی ہے کہ اصل الفاظ کو محاورہَ زبان پر کسی طرح قربان نہ کیا جائے۔ بایں ہمہ محاورہ کو مدنظر رکھا ہے اور لفظی ترجمہ کرتے ہوئے اسے اردو کے محاورہ کے مطابق ادا کیا ہے۔ ترجمہ کو عموماً الفاظ کی حد سے نہیں نکلنے دیا۔ گو محاورہَ اردو نے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے نیچے نہیں آ سکا۔ ترجمہ میں اپنی طرف سے لفظ بڑھانے کے اصول کو قریباً بکلی ترک کیا گیا ہے۔ ہاں جہاں اردو زبان میں آ کر مطلب خبط ہوتا تھا زاید لفظ کو خطوطِ وحدانی میں رکھ دیا گیا جو کہ بہت ہی کم دیکھنے میں آئے گا (۳)''۔

[۲] حل لغت کے سلسلے میں امام راغب کی المفردات فی غریب القرآن کو سب سے مقدم رکھا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس سلسلہ میں اسی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ تاج العروس، غرائب القرآن، لسان العرب اور النہایۃ وغیرہ سے بھی پورا پورا فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

---

(۱) موجِ کوثر: ۱۸۰　(۲) بیان القرآن، مقدمہ، صفحہ: ت ۳
(۳) بیان القرآن، مقدمہ، صفحہ: ت ۱

[۳] تفسیر کے سلسلے میں تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، کبیر، بحر محیط، بیضاوی، روح المعانی اور تفسیر فتح البیان کو مدنظر رکھا گیا ہے اور ان کتابوں سے بھرپور فائدہ لیا گیا ہے۔

[۴] ہر سورۃ کی تفسیر میں سب سے پہلے اُس کے ناموں سے بحث کرتے ہیں اور وجہ تسمیہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[۵] مضامینِ سورۃ کا خلاصہ بتاتے ہیں۔

[۶] یہ تفسیر ۱۹۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں لغات القرآن کے نام سے ۲۴ صفحات میں اور ۳۶ صفحات پر مشتمل فہرست مضامینِ تفسیر کے نام سے مفید معلومات ہیں۔

[۷] بسا اوقات مرزا صاحب کے دعاوی کا برملا انکار کرتے ہیں مثلاً: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱) کے تحت مرزا صاحب نے استدلال کیا ہے:

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ اولیاء اور اَبدال ہیں جو مسیح موعود پر ایمان لائے اور مغضوب وضالین سے مراد میرے منکر ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھنے کے باوجود مجھ پر ایمان نہیں لاتے اور مجھ سے بیعت نہیں کرتے (۲)۔

یہ بھی لکھتے ہیں: ''یوں تو کوئی مؤمن، بلکہ کوئی انسان، بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی پیروی کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے، لہٰذا اِسی آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اَتم طور پر نعمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، اُن راہوں میں ہمیں توفیق بخشیں تاکہ ہم اُن کی پیروی کریں، سو اِس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ (۳)۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''یہاں نبی کا لفظ آ جانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقامِ نبوت بھی اِس دعاء کے ذریعہ سے مل سکتا ہے اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقامِ نبوت کو ہی اِس دعا کے ذریعہ سے طلب

---

(۱) سورۃ الفاتحہ ۱: ۵
(۲) خطبہ الہامیہ، مرزا غلام احمد قادیانی: ۱۲۴، ۱۲۷
(۳) ضرورۃ الامام، مرزا غلام احمد قادیانی: ۲۵-۲۶

کرتا ہے لیکن یہ ایک اصولی غلطی ہے اس لیے کہ نبوت محض ایک موہبت ہے اور نبوت میں انسان کی جدوجہد اور اُس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدوجہد سے ملتی ہیں۔ نبوت اول میں سے ہے جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ[1] ﴿ سے بھی ظاہر ہے۔ دنیا میں کوئی شخص کوشش کر کے اور دعائیں مانگ مانگ کر اور اللہ تعالیٰ سے التجائیں کر کے نہ کوئی پہلے نبی بنا اور نہ آئندہ بنے گا بلکہ خود اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ[2] کے ماتحت جب چاہتا کسی کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرماتا۔ اگر یہ دعاء نبوت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تو کم از کم رسول اللہ ﷺ کو ہی مقامِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے سکھائی جاتی مگر قرآن عزیز میں اِس کا موجود ہونا بتاتا ہے کہ مقامِ نبوت ملنے کے بعد سکھائی گئی۔ نبوت عطاء فرما کر اِس دعاء کا سکھانا صاف بتاتا ہے کہ یہ دعاء حصولِ نبوت کے لیے نہیں ہے اور اگر اِسے حصولِ نبوت کی دعاء تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کی دعاء قبول ہو کر پوری نہیں ہوئی حالانکہ مقربین اور محبوبینِ الٰہی تو ہزاروں کی تعداد میں گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود دعاء سکھائے، اُس کی غرض یہ ہو کہ دعاء مانگنے والوں کو نبوت ملے۔ دعاء کرنے والی اُمت کو خَیْرَ اُمَّۃٍ کہا جائے اور پھر تیرہ سو سال سب کے سب محروم رہیں حتی کہ وہ بھی جن کے متعلق صریح سند ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا[3]۔''

[۸] تفسیر القرآن بالقرآن بھی کر لیتے ہیں، مثلاً: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ[4] کے تحت لکھتے ہیں: ''قرآن کریم، بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ ان واقعات کا جو ذکر یہاں ہے، وہی ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے، دیکھو آیت: ۱۵۳، جہاں خدا کو دیکھنے کی درخواست ہے۔ پھر بچھڑا بنانے کا ذکر ہے اور آیت ۱۵۴ جہاں میثاق کا ذکر اور شہر میں فرمان برداری سے داخل ہونے کا حکم ہے اور سبت کے معاملہ میں زیادتی سے روکا ہے اور آیت ۱۵۵ جہاں نقضِ میثاق اور قتلِ انبیاء کا ذکر ہے، یہ سب کچھ اس کے مطابق ہے جو یہاں سورۂ بقرہ میں بیان ہوا، اس قدر فرق ہے کہ

---

(۱) سورۃ الرحمٰن ۵۵: ۱-۲ (۲) سورۃ الانعام ۶: ۱۲۴
(۳) بیان القرآن، محمد علی لاہوری قادیانی ۱: ۱۰ (۴) سورۃ البقرۃ ۲: ۷۴

یہاں تفصیل ہے اور سورۃ النساء میں ان ہی واقعات کا اختصار ہے (۱)۔"

[۹] منکرین حجیتِ حدیث کا رد بھی کرتے ہیں، مثلاً آیتِ کریمہ: وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۲) کے تحت لکھتے ہیں: "اس زمانہ میں جب مسلمانوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی بجائے أربـاباً من دونِ اللّٰهِ کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے اپنے علماء اور پیروں کے پیچھے لگ گئے تو ایک گروہ نے تفریط میں مبتلا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے جوئے کو بھی پھینک دینا چاہا اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کے شامل کرنے کو بھی شرک قرار دیا نعوذ باللّٰہِ من ذلك۔ انہوں نے شاید اطاعت اور عبادت کا مفہوم ایک لے لیا ہے۔ عبادت غیر اللہ کی خواہ نبی ہو بے شک شرک ہے لیکن اطاعت تو اولوا الامر یعنی حکام کی بھی ہو سکتی ہے پھر نبی کی اطاعت شرک کیوں کر ہو گئی اور یہ کہنا کہ رسول اللہ کی اطاعت ان آیات کے خلاف ہے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ (۳). اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (۴) یعنی حکم صرف اللہ کے لیے ہے اور لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (۵). وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ صحیح نہیں اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی یہ حکم دے کہ تم رسول کی اِطاعت کرو تو پھر رسول کی اِطاعت خدا کی اِطاعت میں داخل ہوئی اور وہ کوئی علیحدہ بات نہیں۔ جس طرح ایک بادشاہ جب وزراء کے سپرد ایک کام کر دیتا ہے یا وزراء گورنروں کے سپرد ایک کام کر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذا تو ان گورنروں اور وزراء کے حکم کی اِطاعت بادشاہ کے حکم کی اطاعت ہی ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ لوگ بادشاہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم جاری کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت کرو: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۶) تو کیا اب اولی الامر کی اِطاعت شرک میں داخل ہے اور نعوذ باللہ خدا نے خود ہی شرک کی تعلیم دی؟ نہیں! بلکہ ان کی اِطاعت بھی اللہ تعالیٰ کی اِطاعت ہی ہے کیوں کہ اسی حکم کے ماتحت ہے (۷)۔"

---

(۱) بیان القرآن، محمد علی لاہوری قادیانی ۱:۷۹ (۲) سورۃ آل عمران ۳:۱۳۲ (۳) سورۃ الانعام ۶:۵۷
(۴) سورۃ یوسف ۱۲:۴۰ (۵) سورۃ الکہف ۱۸:۲۶ (۶) سورۃ النساء ۴:۵۹ (۷) بیان القرآن ۱:۳۸۹

تفردات

اس کتاب میں ایسی اَن گنت تفردات ہیں جنہیں مسلمانوں کی اکثریت رد کر چکی ہیں مثلاً:

[۱] اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ کا معنی

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ[(۱)] کے تحت لکھتے ہیں[(۲)]:

إِضْرِبْ: ضَرب ایک چیز کے دوسری پر مارنے کو کہتے ہیں اور ضرب في الأرض کے معنی زمین میں چلنا ہیں بلکہ تاج العروس میں ضَرَبَ بمعنی ذَهَبَ لکھا ہے یعنی چلا گیا اسی لیے ضَرَبَ الْغَائِطَ کے معنی مارنا بھی آتے ہیں۔ عَصَا: ائمہ لغت نے عَصَا کے اصل معنی اجتماع اور ائتلاف کے لیے ہیں یعنی اکٹھا ہونا بلکہ اصمعی کہتے ہیں کہ عَصَا کے معنی سونٹا اس لیے آتے ہیں کہ اس پر انگلیوں کا اِجتماع ہوتا ہے اس لیے عَصَا کے معنی جماعت اور عَصَوتُ کے معنی: میں نے جمع کیا لغت میں آتے ہیں۔ خوارج کے متعلق آتا ہے: شَقُّوا عَصَا المُسلمین یعنی اُنہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف ڈال دیا۔ ایسا ہی إِیَّاكَ وقَتِیلَ العَصَا کے معنی تین طرح ہو سکتے ہیں: اپنا سونٹا چٹان پر مارو۔ اپنے سونٹے سے چٹان پر چلے جاؤ۔ اپنی جماعت کے ساتھ چٹان پر چلے جاؤ[(۳)]۔''

مولانا صاحب نے لغت کے حوالے سے جو تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے وہ نا درست ہے اس لیے

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۶۰

(۲) اس آیت کی تفسیر میں سر سید احمد خان صاحب لکھتے ہیں: یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چل، اس پہاڑی کے پرے ایک مقام ہے جس کو توریت میں، ایلم ،لکھا ہے، وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے۔ [تفسیر القرآن ۱:۱۱۷-۱۱۸]

اور پرویز صاحب لکھتے ہیں: تم اپنی تاریخ کے اُس واقعہ کو بھی یاد کرو جب تمہیں پانی کی دقت ہوئی اور موسیٰ نے اس کے لیے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اُس کی راہ نمائی اُس مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک دو نہیں اِکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ [مفہوم القرآن ۱:۲۱]

(۳) بیان القرآن ۱:۶۹ محمد علی صاحب لاہوری قادیانی

کہ جب ضَرَبَ کے صلہ میں بِ آتی ہے وہاں چلنے اور جانے کے معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مارنے کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے۔ اس کے معنی چلنے اور جانے کے تب ہوتے ہیں جب ضَرَبَ کے صلہ میں فِی واقع ہو جیسے ان آیات میں:

-وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ (۱)

''اور اپنے بھائیوں کے متعلق جب وہ زمین میں سفر کریں کہتے ہیں۔''

-إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا (۲)

''جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو چھان بین کر لیا کرو۔''

-وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ (۳)

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں سے کچھ کم کرو۔''

[۲] سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

قرآنی نصوص، صحیح احادیث اور امتِ مسلمہ کے اجماع واتفاق سے یہ ثابت ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بلا باپ کے پیدا کیا ہے اور سیدہ مریم علیہا السلام کو بدون خاوند کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا مرحمت فرمایا ہے لیکن مولوی محمد علی صاحب لاہوری لکھتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے اور سیدہ مریم علیہا السلام کا شوہر بھی تھا چنانچہ وہ ''حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش اسلامی عقائد میں داخل نہیں یہ عیسائیت کا اصول ہے'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''عیسائی حضرت مسیح کی پیدائش بن باپ مانتے ہیں اور مسلمان بھی عموماً ایسا ہی مانتے ہیں مگر عیسائیوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بن باپ نہیں مانتے اور مسلمانوں میں بھی ہاں! ان دونوں میں ایک فرق ہے۔ اگر فی الواقع حضرت مسیح بن باپ پیدا نہیں ہوئے تو اس سے مسلمانوں کے کسی عقیدہ میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا کیوں کہ اُن کو بن باپ پیدا شدہ ماننا ان کے

---

(۱) سورۃ آل عمران ۳:۱۵۶

(۲) سورۃ النساء ۴:۹۴

(۳) سورۃ النساء ۴:۱۰۱

عقاید میں داخل نہیں۔" (۱)

حالانکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ (۲)

"اِس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے۔"

قرآن مجید میں وارِد ہے: وَالَّتِىۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا (۳)

"اور اُس [پاک دامن بی بی] پر بھی [اپنا فضل کیا] جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی تو ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی۔"

امام راغب لکھتے ہیں: يُقَالُ: اِمْرَاَةٌ مُحْصَنٌ وَّ مُحْصِنٌ فَالْمُحْصِنُ يُقَالُ اِذا تُصُوِّرَ حِصْنُهَا مِنْ نَفْسِهَا وَالْمُحْصَنُ يُقَالُ اذا تُصُوِّرَ حِصْنُهَا مِنْ غَيْرِهَا (۴)

"عورت کی صفت مُحْصَنٌ اور مُحْصِنٌ [ص پر زبر کے ساتھ مفعول اور ص پر زیر کے ساتھ فاعل] آتی ہے [ص پر زیر فاعل کے صیغہ سے] مُحْصِنٌ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ خود اپنی عفت کی حفاظت کرے اور [ص پر زبر مفعول کے صیغہ سے] مُحْصَنٌ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے علاوہ کوئی دوسرا اُس کی عفت کی حفاظت کرے۔"

دراصل قرآن مجید کے نقطہ نظر سے عورت نگران ونگہبان کی محتاج ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ بھی عورتوں کو مُحْصِنَاتٌ [ص کو زیر کے ساتھ فاعل کے صیغہ سے] نہیں یاد کیا گیا۔ جو شخص قرآن مجید کا لغت قرآن مجید کے ذریعہ لکھنے کا مدعی ہو اس کا تو فرض ہے کہ ایسے معاملات میں قرآن مجید اور صرف قرآن مجید پر بھروسہ کرے تاکہ غیروں کے ضلال سے محفوظ رہے۔

عام قاعدہ یہی ہے کہ عورت مُحْصَنَةٌ [ص پر زبر کے ساتھ مفعول] ہو اس لیے کہ کوئی نگران ماں،

---

(۱) بیان القرآن ۱:۳۱۳، حاشیہ: ۴۲۷۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں: "اِس [قرآن] میں کہیں نہیں لکھا کہ عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی، نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ یوسف کے بیٹے تھے۔" [شعلہ مستور: ۹۶]
یہ بھی لکھا ہے کہ: "عیسیٰ کی پیدائش کوئی خصوصیت نہیں رکھتی، وہ عام پیدائش کی طرح اپنے باپ یوسف کے ذریعہ پیدا ہوئے تھے اُن کے بغیر باپ کے پیدائش کا عقیدہ بہت بعد کی پیداوار ہے۔" [شعلہ مستور: ۹۲-۹۳]

(۲) سورۃ النساء ۴:۱۷۱ (۳) سورۃ الانبیاء ۲۱:۹۱

(۴) المفردات، مادہ حصن، صفحہ: ۱۲۰

باپ، بھائی یا شوہر وغیرہ کے ہاں محفوظ ہو، خواہ شوہر کی نگرانی میں رہے وہ مُحْصَنَۃٌ کہلاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں شادی شدہ عورتوں کے لیے اُحْصِنَّ (۱) فعل مجہول استعمال کیا گیا اور اسی فعل مجہول سے اسم مفعول مُحْصَنَاتُ بنتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسے شوہر یا ماں باپ کی نگہبانی نصیب نہ ہو، ایسے موقع پر عورتوں کے لیے فعل معروف اَحْصَنَتْ استعمال ہو جاتا ہے۔ بعینہ یہی موخر الذکر کیفیت سیدہ مریم علیہا السلام پر گذری جس کے لیے قرآن مجید نے فرمایا ہے: اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا (۲)

"جب وہ [سیدہ مریم علیہا السلام] اپنے گھر والوں سے عزلت گزیں ہو کر مشرقی سمت میں کسی جگہ تنہا چلی گئی تھیں اور اپنے گھر والوں سے پردہ کر لیا تھا۔"

لہٰذا انہوں نے اپنی عصمت و عفت کی خود ہی حفاظت کی اور ان کے لیے فعل معروف اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (۳) استعمال ہوا ہے۔

یاد رکھیے اسم فاعل ہمیشہ معروف فعل سے بنتا ہے اس طرح سیدہ مریم علیہا السلام قرآن مجید کے بیان کے مطابق مُحْصِنَۃٌ [ص پر زیر کے ساتھ بصیغہ فاعل] ہوئیں یعنی بے شادی شدہ اپنی آپ نگران نہ کہ مُحْصَنَۃٌ [ص پر زبر کے ساتھ بصیغہ مفعول جس کے معنی ہوتے ہیں شوہر یا کسی دوسرے کی نگرانی میں رہنے والی]۔

قرآن مجید میں اَحْصَنَتْ کے بعد فَرْجَهَا کے لفظ سے اس معنی کو تقویت مزید حاصل ہو رہی ہے اور تصریح ہو رہی ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنی فرج کی خود مالک و محافظ تھیں۔

پرویز صاحب نے بھی اپنی لغات القرآن میں اس بیان کی تائید کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"راغب نے کہا ہے کہ مُحْصِنٌ [حفاظت کرنے والی] اس وقت کہتے ہیں جب وہ [شادی شدہ حالت میں] اپنی عفت کی حفاظت آپ کرے اور مُحْصَنٌ [جس کی حفاظت کی جائے] جب اس کی عصمت کی حفاظت شادی کے ذریعہ سے ہو جائے (۴)۔"

---

(۱) سورۃ النساء ۴: ۲۵

(۲) سورۃ مریم ۱۹: ۱۵-۱۶

(۳) سورۃ الانبیاء ۲۱: ۹۱، سورۃ التحریم ۶۶: ۱۲

(۴) لغات القرآن ۲: ۵۱۵

مولانا محمد علی صاحب لاہوری قادیانی لکھتے ہیں:

''توریت وانجیل میں بے شک تحریف ہوئی لیکن آخران کی پیشن گوئیوں میں بہت کچھ صداقت موجود رہی ہے' اسی طرح تاریخی واقعات میں جس بات کو قرآن کریم نہ جھٹلائے اس کے رد کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں۔ اب اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ یوسف کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے آپ کے ہاں بہت سی اولاد بھی ہوئی (۱)''۔

چند انجیلی حوالے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں: ''پس یہ انجیلی شہادت صاف بتاتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا تعلق زوجیت تو یوسف کے ساتھ ضرور ہوا اور اس تعلق سے اولاد بھی پیدا ہوئی (۲)''۔

اولاد کو منسوب کرنے کا قاعدہ

قرآن مجید اور عربوں کا دستور ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکی کو [شادی سے قبل تک] اور لڑکے کو مطلقاً باپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ (۳)

''اولاد کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کرو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ رویہ ہے' لیکن اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر تمہارے لیے دینی بھائی ہوں گے اور وِلاء کی جہت سے منسوب ہوں گے''۔

سیدہ مریم علیہا السلام کو قرآن مجید نے مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ (۴) کہا ہے۔ یہاں عورت کی باپ سے نسبت ایک طرف تو یہ بتا رہی ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کنواری رہیں اور دوسری طرف یہ بتا رہی ہے کہ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرتا ہے یہ عربوں کا مشہور و مالوف طریقہ ہے وہ اپنی لڑکی کے بیٹے کو لڑکی کا بیٹا یا لڑکی کی اولاد تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان کا شاعر کہتا ہے:

---

(۱) بیان القرآن جلد اول: ۳۱۴-۳۱۵
(۲) بیان القرآن جلد اول: ۳۱۵
(۳) سورۃ الاحزاب ۳۳: ۵
(۴) سورۃ التحریم ۶۶: ۱۲

بَنُونَا بَنُو اَبنائِنا اَبنَاؤُنا بَنُوهُنَّ اَبناءُ الرِّجَالِ الْاَبَاعِدِ

''ہمارے بیٹے اور ہمارے بیٹوں کے بیٹے [پوتے] تو ہمارے بیٹے ہیں، لیکن ہماری بیٹیوں کی اولاد تو دور کے مردوں کی اولاد ہیں۔''

غور طلب امر یہ ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے عربوں کے دستور کو چھوڑ کر، خود قرآن مجید اپنے اختیار کردہ دستور سے انحراف کرتے ہوئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ابن مریم اور مسیح ابن مریم کیوں کہہ رہا ہے؟

دیکھا آپ نے! اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرنے کا بالتصریح حکم قرآنی۔ اس کی موجودگی میں اگر باپ کا علم نہ ہو تب ہی اولاد کو دوسری نسبتوں سے متعارف کریا جاسکتا ہے۔ اب بتایئے کہ اس قرآنی فیصلہ کی موجودگی میں اگر اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ فلاں شخص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے تو وہ انہیں سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف کیوں منسوب کرتا، یا تو باپ کا نام ہی چھوڑ دیتا جس طرح دیگر انبیاء کرام کے سلسلہ میں اس کا طریقہ ہے یا پھر انہیں باپ کی طرف منسوب کرتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ اصول کو بلا وجہ خود ہی توڑ دے؟!

[۳] حیاتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں یا آسمانوں میں زندہ ہیں؟ اس سلسلے میں مولانا محمد علی صاحب لاہوری قادیانی لکھتے ہیں:

۱۔ ''حضرت مسیح کی وفات پر بعض لوگ باوجود اس تصریح کے جو قرآن شریف میں موجود ہے بہت گھبراتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ کوئی نیا عقیدہ ہے جو اسلام میں داخل کیا جارہا ہے اور سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف اور احادیث میں حضرت عیسیٰ کے زندہ برآسمان ہونے کا ذکر ہے۔ حالانکہ نہ صرف قرآن شریف وحدیث میں حیات مسیح کا مطلق کا کوئی ذکر نہیں بلکہ دونوں جگہ آپ کی وفات کا ذکر ہے۔ (۱)''

۲۔ آیت کریمہ: وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ

---

(۱) بیان القرآن، جلد اول: ۳۳۱

عَلَيْهِمْ (۱) کے تحت صحیح بخاری کے حوالے سے حدیث لکھتے ہیں: فأقول كماقال العبدالصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (۲) جس سے اس طرح استدلال کرتے ہیں:

''اس قطعیۃ الدلالت آیت اور اس حدیث صریح کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کی وفات کا انکار کرنا نصوص صریح کو رد کرنا ہے اور تَوَفَّيْتَنِي کے معنی سوائے وفات کے کچھ اور کرنا لغت کے خلاف ہے اور بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر مُتَوَفِّيكَ: مُمِيتُكَ (۳) کو یہاں بیان کرکے بتادیا ہے کہ تَوَفَّيْتَنِي کے معنی سوائے وفات دینے کے اور کچھ نہیں ہو سکتے (۴)۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ مولوی صاحب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کے نزول کے قائل نہیں بلکہ الٹا ان کی حیات کے قائلین پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ نصوص صریحہ کا رد کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

علامہ ابن جریر نے آیت کریمہ: إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ (۵) کے تحت لکھا ہے:

قال أبو جعفر: وأولى هذه الأقوال بالصحة عندناقول مَن قال: معنى ذلك: إني قابضك من الأرض ورافعك إليّ لتواتر الأخبارعن رسول الله ﷺ أنه قال: ينزل عيسى ابن مريم فيقتل الدجال ثم يمكث في الأرض مدة ذكرها اختلفت الروايةفي مبلغها ثم يموت فيصلي عليه لمسلمون (۵).

''اِن اَقوال میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اس لیے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث منقول ہیں کہ سیدنا عیسیٰ

---

(۱) سورۃ المائدۃ ۵:۱۱۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ المائدۃ [۵] باب [۱۳] حدیث: ۴۶۲۵

(۳) صحیح بخاری ۵:۲۲۷، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ المائدۃ [۵] باب [۱۳] تعلیقاً

(۴) بیان القرآن، جلد اول: ۶۶۰

(۵) سورۃ آل عمران ۳:۵۵

(۶) تفسیر ابن جریر ۳:۲۸۹

علیہ السلام زمین پر اتریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، کچھ عرصہ یہاں گزارنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان اُن کی جنازہ پڑھیں گے۔"

امام قرطبی محدث [۱] لکھتے ہیں: أنه علیہ السلام لم یمت، ولم یُقتَل، فهو حَيٌّ بنصِّ القرآن [۲].

"سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہ تو فوت ہوئے اور نہ قتل ہوئے۔ قرآن مجید کے نص کے مطابق آپ علیہ السلام زندہ ہیں۔"

امام ابوالحسن اشعری لکھتے ہیں: قال عز وجل: اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ [۳] وقال: وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ [۴] وأجمعت الأمة على أنَّ الله عزوجل رفع عيسى إلى السماء [۵].

"اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ: "میں تجھے اپنے قبضے میں لینے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔" اور فرمایا: "اور انھوں نے اس [سیدنا عیسیٰ علیہ السلام] کو ہرگز قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی طرف اُٹھالیا۔" اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا ہے۔"

[۴] دوزخ کبھی فنا ہوگی؟

قرآن مجید، صحیح احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ جس طرح جنت دائمی اور ابدی ہے اس طرح دوزخ بھی ابدی ہے اور دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی، اور کافروں کو ابدالآباد تک دوزخ میں رہنا ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

---

(۱) احمد بن عمر بن ابراہیم، ابوالعباس، انصاری، قرطبی، زین الدین، ۵۷۸ھ = ۱۱۸۲ء کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ مالکی فقیہ اور محدث تھے۔ اسکندریہ میں مدرس تھے اور وہیں ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ء کو وفات پائی۔ صحیح مسلم کی تلخیص اور پھر اس کی توضیح المُفهِم لما أشكَلَ من تلخيص كتاب مسلم کے نام سے لکھی۔

[شذرات الذہب ۷: ۴۷۳، الاعلام ۱: ۱۸۶]

(۲) المُفهِم لما أشكَلَ من تلخيص كتاب مسلم ۶: ۴۹۰ (۳) سورۃ آل عمران ۳: ۵۵

(۴) سورۃ النساء ۴: ۱۵۷-۱۵۸ (۵) الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ۱۰۱

- وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (۱)۔

''اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں ہوں گے۔''

- يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۲)۔

''وہ اس سے نکلنا چاہیں گے لیکن اس سے کبھی نہ نکل پائیں گے اور اُن کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔''

- وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (۳)۔

''اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ سما جائے۔''

- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (۴)۔

''اور جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ اُن کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اُن سے اُن کا عذاب ہی کچھ ہلکا کیا جائے گا۔''

- اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ (۵)۔

''بے شک مجرمین ہمیشہ عذابِ دوزخ میں رہیں گے وہ اُن کے لیے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے (۶)۔''

لیکن مولوی محمد علی لاہوری کے بے سروپا آثار و اقوال پر بنیاد رکھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا جس میں دوزخ فنا ہو جائے گی اور اس سے سب کافر نکال لئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ یہ سرخی قائم کرتے ہیں: جہنم پر فنا آنے کی شہادت (۷) اور اس کے بعد چند اقوال جہنم کے فنا ہونے پر نقل کر کے آخر میں فیصلہ یہ دیتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۶۷ (۲) سورۃ المائدۃ ۵:۳۷ (۳) سورۃ الاعراف ۷:۴۰

(۴) سورۃ فاطر ۳۵:۳۶ (۵) سورۃ الزخرف ۴۳:۷۴-۷۵

(۶) قرآنی آیات کی یہ فہرست علامہ سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الآلوسی البغدادی [وفات: ۱۳۱۷ھ] کی جلاءُ العینین بمحاکمۃ الأحمدین کے صفحہ: ۴۸۴-۴۸۵ سے ماخوذ ہیں۔

(۷) بیان القرآن جلد ۲: ۹۶۰، بذیل تفسیر سورۃ ہود ۱۱:۱۰۹

''اور یہی حق ہے اس لیے ان صریح اقوال کی یہ تاویل کہ عصاۃ مومن نکلیں گے اور کفار دوزخ میں ہی بھرے رہیں گے کسی طرح بھی درست نہیں۔ جہنم کے دروازے بند ہو جانا اس میں کسی کا نہ رہنا سب کا ایک دن نکل آنا یہ صاف بتاتا ہے کہ جہنم سے آخر کار سب نکال دئے جائیں گے (۱)''۔

علاوہ ازیں مولوی محمد علی صاحب لاہوری کا یہ نظریہ بھی ہے کہ دوزخ میں جو عذاب ہوتا ہے وہ اصلاح اور علاج کے لیے ہے صرف سزا نہیں' چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''خدا تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئے گا وہ محض سزا کے طور پر نہیں بلکہ انسان کی اصلاح اس کی غرض ہے اس لیے دوزخ کا عذاب بھی انسان کی اصلاح کے لیے اور بطور علاج ہی ہوسکتا ہے نہ صرف بطور سزا (۲)''۔

اس کو کہتے ہیں یک نہ شد دو شد گویا کافروں اور مشرکوں کو دوزخ میں جو عذاب ہوگا وہ محض سزا اور عذاب کے طور پر نہیں بلکہ علاج و اصلاح کے طور پر ہوگا۔ اور وہ بھی ابدی اور دائمی طور پر نہیں بلکہ کچھ عرصہ تک ہوگا۔ اور آخر میں اس سے وہ بھی نکال دیے جائیں گے گویا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (۳) ''تو چکھو! اب تمہارے عذاب ہی میں ہم اضافہ کریں گے۔'' کا ان کے نزدیک کوئی معنی ہی نہیں۔

[۵] سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا ذکر ہے جن میں ایک عصا اور دوسرا ید بیضا ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انہوں نے کئی بار اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اژدہا بن گئی اور پھر اس کو پکڑتے ہی وہ بدستور لاٹھی ہوگئی اور کئی بار انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا تو باذن اللہ تعالیٰ وہ سفید اور چمک دار ہوگیا جب کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری ید کے معنی اس مقام پر ہاتھ کے نہیں بلکہ دلیل اور حجت کے کرتے ہیں اور عصا کے معنی لاٹھی کے نہیں بلکہ جماعت کے کرتے ہیں اور مطلب یہ لیتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیل دی گئی تھی اور

---

(۱) بیان القرآن جلد۲: ۹۶۱
(۲) بیان القرآن جلد۲: ۶۴۷ بذیل تفسیر سورۃ الاعراف ۷: ۹۴
(۳) سورۃ النبا ۷۸: ۳۰

ان کی جماعت دشمن پر غالب آگئی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

– ''اور بیضاء کے معنی سفید یا روشن اور الید البیضاء کے معنی ہیں الحجة المبرهنة[ل] یعنی روشن یا واضح دلیل (۱)''۔

–''ہاں عصا کے اژدہا بننے اور ید بیضاء کے ایک معنی بھی تھے یعنی اول یہ اشارہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں کی جماعت [کیونکہ عصا کا لفظ جماعت پر بھی بولا گیا ہے دیکھو ۸۸ بیان القرآن ج:ا ص:۵۵] اپنے فریق مخالف پر غالب آئے گی اور ید بیضاء میں اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلائل نیرہ کی طرف تھا جو دلوں کو کھا جائے گی چنانچہ فرعونیوں کا غرق ہونا اور ساحروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان دونوں معجزوں کی اصل حقیقت پر شاہد ہے (۲)''۔

اگر عصا اور ید بیضاء سے یہی مراد ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلائل مرحمت ہوئے تھے اور بالآخر اُن کی جماعت فریق مخالف پر غالب آگئی تو اس طرح کے روشن دلائل اور غلبہ تو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوئے تھے تو پھر اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ یہ دونوں معجزے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مرحمت ہوئے؟

– قرآن مجید میں تصریح موجود ہے اور یہی معنی اور مراد آج تک تمام مسلمان مفسرین بیان کرتے چلے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کے زندہ کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینے اور پھلبہری والوں کو تندرست کرنے اور مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں پھونکنے سے سچ مچ چڑیاں بن کر اڑ جانے کے معجزات عطا فرمائے تھے اور ایک ایک جملہ کے ساتھ باذن اللہ کے الفاظ بھی موجود ہیں یعنی ان میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی دخل نہ تھا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا مگر ہوا ضرور ہے لیکن مولوی محمد علی صاحب کہتے ہیں کہ ان مذکورہ بیماریوں سے جسمانی بیماریاں مراد نہیں بلکہ روحانی بیماریاں مراد ہیں اور پرندوں سے انسان مراد ہیں جو عالم روحانیت میں پرواز کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح کے کلام میں بیماریوں کا علاج کرنا ان کی نبوت کے متعلق کوئی خاص امر نہیں حالانکہ

---

(۱) بیان القرآن ۲:۶۶۷ حاشیہ:۱۱۳۱ (۲) بیان القرآن ۲:۶۶۷ حاشیہ:۱۱۳۱

20

یہاں نشان کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے [1]۔"

- "مردوں کا اس دنیا میں واپس آنا بروئے تصریح قرآنی ممنوع ہے [2]۔" اور پھر فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ [3] سے استدلال کیا ہے۔ ان کا اس آیت کریمہ سے بطور معجزہ اور خرق عادت کے طور پر بعض مردوں کا زندہ ہونے پر استدلال صحیح ہے یا غلط۔ بحث اس سے نہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری قادیانی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اِحیاءِ موتی کے قرآنی معجزہ کے منکر ہیں۔

- "جن لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ سچ مچ قبروں سے مردے نکال کر زندہ کر دیا کرتے تھے اور مٹی کی شکلیں بنا کر ان کو سچ مچ کے پرندے بنا دیتے تھے ان کے لیے بھی یہاں سبق ہے کہ اگر ایسے کھلے معجزات ہوئے ہوتے تو حواری حضرت مسیح کو سچا جاننے کے لیے ایک مائدہ کے اترنے کے کیوں محتاج ہوتے۔ قبروں سے مردوں کا نکل آنا اور مٹی کی شکلوں کا پرندہ بن جانا تو مائدہ کے اترنے سے بہت کھلے معجزے ہیں جو لوگ یہ دیکھ چکے ہوں وہ مائدہ کے محتاج نہیں ہو سکتے پس کم از کم قرآن کے نزدیک مردوں کے نکالنے وغیرہ معجزات سے ظاہری معنی ہرگز مراد نہیں [4]۔"

- "پس جب طیر کا لفظ کسی نبی کے کلام میں بطورِ استعارہ استعمال ہو...... تو استعارہ میں اصل ذکر اسی مابہ الامتیاز امر کا ہوگا یعنی زمین سے اوپر اُٹھ کر پرواز کرنا...... پس برنگ استعارہ یہاں طیر سے مراد ایسے لوگ ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی طرف پرواز کر سکیں اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں بھی آسکتی ہے کہ جس نبی کے نفخ سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ زمینی خیالات کو ترک کر کے عالم روحانیت میں پرواز کرے [5]۔"

یہ ہے مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے نزدیک فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ کا معنی! کہ انسان نبی کی تعلیم سے متاثر ہو کر اور نکھر کر اُڑنے والا پرندہ بن جاتا ہے اور اس طرح استعارہ کا رنگ دے کر معجزات کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔

---

(۱) بیان القرآن ۱:۳۲۳ (۲) بیان القرآن ۱:۳۲۳ (۳) سورۃ الزمر ۳۹:۴۲
(۴) بیان القرآن ۱:۶۵۸ (۵) بیان القرآن ۱:۳۲۱

جواہر القرآن

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی تصنیف ہے۔ شیخ القرآن ۱۳۲۳ھ=۱۹۰۵ء کو ضلع اٹک کے علاقہ چھچھ کے گاؤں ''دریا'' میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ملک فیروز خان تھا۔ دادی نے آپ کا نام ''غلام خان'' رکھا۔ آپ کی دینی خدمات اور علوم قرآن وحدیث کے ساتھ والہانہ تعلق کے پیش نظر شاہ عبدالقادر رائے پوری نے اپنے احباب کی مجلس میں آپ کو غلام اللہ خان کے نام سے نوازا جو علمی شہرت کا حامل بنا(۱)۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقہ میں کی اور علومِ آلیہ کی تکمیل علامہ غلام رسول انّہی بابا سے کی جو شیخ حسین علی صاحب (۲) کے تلمیذ ارشد تھے، وہاں آپ نے فقہ، اصولِ فقہ، معانی، کلام، عقائد، منطق، فلسفہ، ریاضی، مشکاۃ المصابیح اور جلالین وبیضاوی اور قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا(۳)۔

آپ نے اپنے شیخ حسین علی کی املائی تفسیر بھی اسی دوران مرتب فرمائی، چنانچہ فرماتے ہیں:

''یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے ''غلام خان'' سے قلم بند کروائی ہیں اور بذاتِ خود ان پر نظر فرمائی ہے(۴)''۔

---

(۱) سوانح شیخ القرآن: ۳

(۲) حسین علی بن حافظ میاں محمد بن عبداللہ حنفی، نقش بندی۔ واں بھچر اں ضلع بنوں [اب ضلع میاں والی] میں ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے ابتدائی کتابیں: میزان الصرف سے لے کر حمداللہ تک اپنے علاقے کے اساتذہ سے پڑھیں پھر کان پور چلے گئے۔ معقول ومنقول کی ساری درسی کتابیں مولانا احمد حسن کان پوری سے پڑھیں۔ صحیحین، سنن ترمذی اور سنن ابی داود کو مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھا اور اُن کے دروس کو دِقّت وایجاز کے ساتھ قلم بند کیا۔ اپنے علاقہ میں واپس لوٹ کر شیخ عثمان بن عبداللہ نقش بندی کے ہاں ٹھہرے وہاں سے اپنے گاؤں واپس آتے ہی دین حق، توحید اور اتباع سنت کی دعوت کی ابتداء کی۔ قبر پرستی، شرک وبدعات سے لوگوں کو منع کیا جس کی پاداش میں آپ کو واں بھچر اں چھوڑنا پڑا اور اپنی زمینوں میں رہائش اختیار کی، لیکن اُن کے پائے استقلال میں کوئی کمی نہ آئی۔ بہت سے علماء نے آپ کے علوم سے فائدہ اُٹھایا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مضبوط وتوانا جسم کے مالک تھے۔ آپ کا رنگ گندم گوں مائل بسفیدی تھا۔ رجب ۱۳۶۳ھ کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۸: ۱۳۳-۱۳۴]

(۳) سوانح شیخ القرآن: ۵-۸

(۴) بلغۃ الحیران: ۴

۱۹۳۳ء کوڈابھیل میں مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے صحاح کی کتابیں پڑھیں (۱)۔

۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں وطن مراجعت کے بعد مدرسہ برکات الاسلام وزیر آباد سے تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔ بعدازاں گجرات عیدگاہ والی مسجد میں منتقل ہو گئے (۲)۔

۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء میں پرانا قلعہ نزد راجہ بازار راولپنڈی کی چھوٹی سی مسجد میں دارالعلوم تعلیم القرآن کی داغ بیل ڈالی جو راولپنڈی کی تاریخ میں پہلی دینی درس گاہ تھی (۳)۔

علم و عرفان کا یہ گل سرسبد سوموار اور منگل کی درمیان شب ۱۱ رجب ۱۴۰۰ھ = ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا (۴)۔

تفسیر جواہر القرآن تین ضخیم جلدوں میں ہے۔ عصرِ حاضر میں یہ نہایت عالمانہ تفسیر ہے۔ تنگی اوقات کے مفسر کو مطولات کے مطالعہ سے بے نیاز کرتی ہے۔ عربی تفاسیر کی عبارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں۔ کاش ان عبارات کے معنی بیان کیے جاتے تو اردو دان بھی اس سے فائدہ اٹھا لیتے اگرچہ ایسا کرنے سے کتاب کی ضخامت بڑھ جاتی۔

نمونہ تفسیر

سورۃ الفاتحہ ۱:۵ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

''سورۃ الفاتحہ میں یہ آیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں ''اِيَّاكَ'' مفعول کو ''نَعْبُدُ'' فعل پر مقدم کیا گیا ہے تاکہ حصر کا فائدہ دے اور مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیے اور اس کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ یا ولی کی عبادت اور پکار نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ وہ سارے خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی ہی کی عبادت کرتے ہیں، اسی طرح ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں فائدہ حصر کے لیے مفعول بہ کو فعل پر مقدم کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے اور اس کے سوا کسی پیر یا پیغمبر سے اور کسی فرشتہ یا ولی سے مافوق الاسباب امور میں مدد

---

(۱) سوانح شیخ القرآن: ۲۱-۲۳
(۲) سوانح شیخ القرآن: ۲۷
(۳) سوانح شیخ القرآن: ۳۷
(۴) سوانح شیخ القرآن: ۴۰۹

نہیں مانگنی چاہیے (۱)۔

سیدنا ثعلبہ بن حاطِب انصاری رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۞ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۞ (۲)

''اور ان [منافقین] میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنی مہربانی سے ہم کو [مال] عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے [مال] دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کر کے [اپنے عہد سے] پھر گئے' تو اللہ نے اُن کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک جس میں وہ اللہ کے رُوبرُو حاضر ہوں گے' ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا' اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا' اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

ان آیات کی تفسیر میں دوسرے مفسرین کرام کی طرح شیخ القرآن نے بھی نقل کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: دعاء کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے خوب مال عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ تھوڑا مال جس کا شکر ادا کیا جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے جسے انسان برداشت نہ کر سکے انہوں نے دوبارہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو اللہ کے نبی کے مثل ہو جائے؟ اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے میں تبدیل ہو کر میرے ساتھ چلتے۔ ثعلبہ نے عرض کیا: اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ اللہ سے دعاء فرمائیں' پھر وہ مجھے رزق عطاء فرمائے تو میں حق دار کا حق پورے کا پورا ادا کروں گا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعاء فرمائی' انہوں نے ایک بکری خریدی' اس نے لاتعداد بچے جنے' حتی کہ مدینہ منورہ کی سرزمین ان کی بکریوں کے لیے ناکافی ہوگئی' انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑ دیا اور ایک وادی میں

---

(۱) جواہر القرآن ۱:۸
(۲) سورۃ التوبۃ ۹:۷۵-۷۷

جا کر بس گئے اور صرف ظہر وعصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے‘ باقی نمازیں ترک کر دیں‘ پھر جب آیت خُذ مِنۡ اَمۡوَالِھِمۡ صَدَقَةً[(۱)] نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے دو افراد صدقہ کی وصول یابی کے لیے بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ ثعلبہ [رضی اللہ عنہ] اور بنی سُلَیم کے فلاں شخص کے پاس جانا‘ انہیں میرا پیغام سنانا اور ان سے صدقہ حاصل کرنا‘ تو ثعلبہ [رضی اللہ عنہ] کہنے لگے کہ یہ تو جزیہ ہو گیا جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے‘ اس پر مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں[(۲)]۔

یہ واقعہ تین طرق سے مروی ہے:

۞ معان بن رفاعۃ السلمی الدمشقی الحمصی ابو محمد‘ ثنا ابو عبد الملک علی بن یزید الالھانی‘ ثنا ابو عبد الرحمٰن القاسم بن عبد الرحمٰن‘ عن ابی امامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ......[(۳)]

[۱] اس سند کے راوی معان بن رفاعۃ کے بارے میں بعض علماء کی رائے تو اچھی ہے لیکن امام یحییٰ بن مَعین اسے سست اور ضعیف قرار دیتے ہیں[(۴)]۔

[۲] دوسرا راوی ابو عبد الملک علی بن یزید دمشقی الہانی ہے جسے امام نسائی اور امام دار قطنی متروک

---

(۱) سورۃ التوبۃ ۹:۱۰۳ (۲) جواہر القرآن ۱:۴۴۶-۴۴۷

یہ من گھڑت واقعہ مراح اللّبید ۱:۳۴۸‘ الوجیز ۱:۳۴۸‘ ارشاد العقل السلیم ۴:۴۵‘ مدارک التنزیل ۱:۶۳۸‘ تفسیر کبیر ۶:۱۰۵‘ الثعالبی ۲:۱۴۴‘ الکشاف ۲:۲۹۲‘ جلالین :۲۵۳‘ تفسیر مولانا عبد الماجد دریابادی :۴۱۵‘ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی :۲۶۳‘ تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی :۲۸۸‘ تفسیر حقانی ۲:۲۹۳‘ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۴:۴۲۶‘ معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳:۳۸۲ وغیرہ میں بلاسند منقول ہے‘ جب کہ دینی معاملات میں بلاسند بات ماننا دین کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

جب کہ بعض تفاسیر مثلاً ابن جریر ۶:۴۲۵-۴۲۷‘ ابن ابی حاتم ۶:۱۸۴۷‘ ابن کثیر ۲:۲۲۳‘ قرطبی ۸:۱۹۱‘ روح المعانی ۹-۱۰:۴۶۴‘ فتح القدیر شوکانی ۱:۹۰۷‘ معالم التنزیل ۳:۱۴۴‘ خازن ۲:۲۶۴‘ مظہری ۴:۲۷۰ اور بعض دیگر کتب مثلاً: واقدی کی المغازی ۱:۱۵۹‘ طبرانی کی معجم کبیر ۸:۲۱۸-۲۱۹‘ حدیث :۷۸۷۳‘ ۲۵: ۲۲۵‘ ابو نُعیم کی معرفۃ الصحابہ ۳:۲۷۱-۲۷۲‘ ترجمہ :۱۳۷۵‘ اور بیہقی کی دلائل النبوۃ ۵:۲۵۹ میں یہ باسند مذکور ہے۔

(۳) معجم کبیر ۸:۲۱۸-۲۱۹‘ حدیث :۷۸۷۳‘ الأحادیث الطُّوال مندرجہ در معجم کبیر ۲۵:۲۲۵‘ معرفۃ الصحابۃ‘ ابو نعیم ۳:۲۷۱-۲۷۲ [۱۳۷۵]‘ اسد الغابۃ ۱:۳۰۵‘ ترجمہ :۵۹۰‘ دلائل النبوۃ ۵:۲۸۹.

(۴) التاریخ ۲:۵۷۱‘ نص :۵۱۳۴

الحدیث قرار دیتے ہیں (۱)۔

جب کہ امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم اسے منکر الحدیث بتاتے ہیں (۲)۔

[۳] اس کا تیسرا راوی ابوعبدالرحمٰن القاسم بن عبدالرحمٰن ہے، جس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: یروي علی بن یزید عنه أعاجیب و تکلم فیهما و قال: ما أری هذا إلّا من قِبَل القاسم (۳).

''علی بن یزید نے اس سے عجیب و غریب روایات نقل کی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب داستانیں قاسم نے تیار کی ہیں۔''

امام ابن حبان فرماتے ہیں: کان یزعم أنه لقي أربعین بدریاً کان ممّن یروی عن أصحاب رسول الله ﷺ المعضلات، ویأتی عن الثقات بالأشیاء المقلوبات حتی یسبق إلی القلب أنه کان المتعمد لها (۴).

''یہ [قاسم] دعویٰ کرتے تھے کہ اس نے چالیس بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے حالانکہ یہ عام صحابہ سے بھی جو روایات نقل کرتا ہے وہ سب مُعْضَل (۵) ہوتی ہیں اور روایات میں تبدیلیاں کر کے ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا ہے، اور میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ یہ سب روایات خود اس کی تیار کردہ ہوتی ہیں۔''

۞ محمد بن سعد، ثنی ابی [سعد بن محمد بن الحسن العوفی] ثنی عمی [الحسین] ثنی ابی [حسن بن عطیۃ ابوعبداللہ بن سعد بن جنادۃ العوفی] عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶).

[۱] اس روایت کا پہلا راوی محمد بن سعد بن محمد بن الحسن بن عطیۃ العوفی ہے، جس کے بارے میں

(۱) الضعفاء، از نسائی، ترجمہ: ۴۳۲، از دار قطنی، ترجمہ: ۴۰۷

(۲) التاریخ الکبیر ۶: ۱: ۳۰۱، کتاب الجرح والتعدیل ۶: ۲۰۹

(۳) العلل ومعرفۃ الرجال ۱: ۵۶۶، الجرح والتعدیل ۷: ۱۱۳

(۴) المجروحین ۲: ۲۱۴-۲۱۵، ترجمہ: ۸۷۳

(۵) وہ روایت ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل حذف کیے گئے ہوں۔

(۶) تفسیر ابن جریر ۶: ۴۲۵، نص: ۱۷۰۰۱، دلائل النبوۃ از بیہقی ۵: ۲۸۹

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: كان ليناً في الحديث[1].

''حدیث کے معاملے میں سست تھا۔''

[۲] دوسرا راوی سعد بن محمد بن الحسن بن عطية العوفی ہے۔امام اثرم فرماتے ہیں: میں نے ایک بار امام احمد بن محمد بن حنبل سے کہا: آج ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ سعد کی روایات لکھا کرو کیونکہ وہ نہایت ثقہ ہے۔امام احمد نے اسے بہت بڑی بات جانا اور فرمایا: لا إله إلّا الله، سبحن الله، ذاك جهمي، ولولم يكن هذا أيضاً لم يكن ممن يستأهل أن يكتب عنه ولا كان موضعاً لذلك[2].

''سعد تو جہمی ہے اور اگر وہ جہمی نہ بھی ہوتے تب بھی اس کے اہل اور مستحق نہیں تھے کہ اس کی روایت لکھی جائے۔''

[۳] تیسرا راوی حسین بن حسن بن عطیہ عوفی ہے جسے امام یحیٰی بن معین ضعیف کہتے ہیں[3]۔

امام ابن حبان لکھتے ہیں: يروي الأشياء لا يتابع عليها، لا يجوز الإحتجاج بخبره[4].

''کچھ اشیاء روایت کرتا ہے جس میں اس کا تابع موجود نہیں ہوتا، اس کی روایات سے احتجاج و استدلال درست نہیں۔''

[۴] اس کا چوتھا راوی حسن بن عطیۃ بن سعد ہے جس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں: حدیث کے سلسلے میں ضعیف تھا[5]۔امام بخاری فرماتے ہیں: کچھ بھی نہیں ہے[6]۔

❁ ابن حميد، ثنا سلمة، عن ابن إسحاق عن عمرو بن عبيد، عن الحسن[7].

اس روایت میں کئی اسنادی خرابیاں ہیں:

[۱] اس کا راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے بارے میں امام جوزجانی لکھتے ہیں:

---

(۱) تاریخ بغداد ۵: ۳۲۲-۳۲۳
(۲) تاریخ بغداد ۹: ۱۲۶
(۳) الکامل فی الضعفاء ۳: ۲۳۷، میزان الاعتدال ۱: ۵۳۲
(۴) المجروحین ۱: ۲۴۶
(۵) الجرح والتعدیل ۳: ۲۶
(۶) التاریخ الکبیر ۲: ۳۰۱
(۷) تفسیر ابن جریر ۶: ۲۳۷، رقم النص: ۱۷۰۰۵

کان ردیء المذهب، غیر ثقة (۱).

''بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔''

محدث اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا (۲)۔

[۲] ایک راوی سلمۃ بن الفضل الابرش ہے جو ''رے'' کا قاضی تھا' امام بخاری فرماتے ہیں:

عنده مناکیر (۳). ''اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔''

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: رمینا بحدیثه قبل أن نخرج من الرّیّ (۴).

''ہم لوگ سلمۃ بن الفضل کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو پھینک کر شہر ''رے'' سے نکلے۔''

[۳] اس کے ایک راوی محمد بن اسحاق امام المغازی ہیں جو سچے اور مدلس تھے (۵)۔ اور یہ روایت معنعن ہے' جب کہ مصطلح الحدیث کا مشہور قاعدہ ہے کہ صحیحین سے باہر مدلس راوی کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے' البتہ صحیحین میں وارد مدلس کی معنعن روایت دوسری جہات سے درست تسلیم کی جاتی ہے: ماکان فی الصحیحین وغیرهما من الکتب الصحیحة عن المدلسین بعن محمولٌ علی ثبوت سماعه من جهةٍ أُخری (۶).

[۴] اس کا ایک راوی عمرو بن عبید بن باب ہے جو متروک الحدیث' صاحبِ بدعت اور احادیث میں جھوٹا تھا۔ حسن بصری پر جھوٹ بولا کرتا تھا (۷)۔

[۵] آخری راوی حسن بصری ہیں جو مشہور فقیہ اور فاضل تھے' لیکن تدلیس قبیح کے شکار تھے اور سند میں ایسے راویوں کے نام لیتے تھے جن سے روایت نہیں سنی ہوتی تھی (۸)۔ وہ آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے کہ آگے کے راوی ضابط' متقن اور ثقہ تھے یا کذاب' وضاع اور ضعیف

---

(۱) احوال الرجال' ترجمہ: ۳۸۲

(۲) تاریخ بغداد ۲: ۲۶۳' تہذیب الکمال ۲۵: ۱۰۳

(۳) التاریخ الکبیر ۴: ۸۴

(۴) التاریخ الکبیر ۴: ۸۴

(۵) تقریب التہذیب: ۴۹۸' ترجمہ: ۵۷۲۵

(۶) ارشاد طلاب الحقائق ۱: ۲۱۱' نوع: ۱۲

(۷) تہذیب الکمال ۲۲: ۱۲۴-۱۲۸

(۸) تقریب التہذیب: ۱۹۷' ترجمہ: ۱۲۲۷

ومنکر الحدیث تھے۔

ان روایات کی اسنادی حیثیت آپ نے پڑھ لی‘اب ان پر یقین رکھنا اور خطبات جمعہ وعیدین میں مانعینِ زکوٰۃ کے وعید کے طور پر اس کو بیان کرنا غلط اور گناہ ہے کیونکہ جس ہستی کے بارے میں یہ افسانہ تراشا گیا ہے وہ بدری صحابی ہیں جن کا اسم گرامی سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ ہے: ثعلبه بن حاطب رضی اللہ عنہ صحابيٌّ بدريٌّ.(۱)

جب کہ بدری صحابہ اتنے نیک کار تھے کہ اُن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: إعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.(۲)

"جو چاہو عمل کرو‘میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔"

مفسرین کرام نے بلا تحقیق ایک بدری صحابی کو خواہ مخواہ منافق بنا ڈالا ہے حالانکہ:

[۱] حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: قول مَن قال في ثعلبة رضی اللہ عنہ أنه مانع الزكوٰة‘الذي نزلت فيه الآية غير صحيح.(۳)

"ان لوگوں کا قول صحیح نہیں جو کہتے ہیں کہ ثعلبہ رضی اللہ عنہ مانع زکوٰۃ تھے اور یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔"

[۲] امام قرطبی لکھتے ہیں: وثعلبة رضی اللہ عنہ بدريٌّ أنصاريٌّ‘وممن شهد الله له ورسوله ﷺ بالإيمان‘فما روي عنه غير صحيح.(۴)

"سیدنا ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری انصاری ہیں جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے دی ہے پس جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا ہے‘صحیح نہیں۔"

---

(۱) معجم کبیر ۲:۸۷‘الثقات‘ابن حبان ۳:۳۶‘المغازی‘واقدی ۱:۱۵۹‘جمہرۃ انساب العرب‘ابن حزم:۳۳۴‘ اسد الغابۃ ۱:۳۰۵‘۳۰۷‘ترجمہ:۵۹۰‘الاصابۃ ۱:۱۹۸]

(۲) صحیح بخاری‘کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب الجاسوس [۳۰۰۷] حدیث؛ صحیح مسلم‘کتاب فضائل الصحابۃ [۴۴] باب من فضائل اہل بدر [۳۶] حدیث:۱۶۱-[۲۴۹۴]

(۳) الدرر فی اختصار المغازی والسیر:۸۱

(۴) تفسیر القرطبی ۸:۱۹۱

[۳] حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: وھذا باطلٌ لأنّ ثعلبة بدري معروفٌ (۱).

''یہ روایت باطل ہے اس لیے کہ سیدنا ثعلبہ معروف بدری صحابی ہیں۔''

تھوڑا آگے لکھتے ہیں: ''اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے اُن سے زکوٰۃ وصدقات وصول نہیں کیے لیکن:

وھذا باطلٌ بِلاشكٍ لأنّ الله تعالى أمر بقبض ذَكَواتِ أموال المسلمين و أمرَ عليه السلام عند عند موته أن لايبقَى في جزيرة العَرب دِينانِ ' فلا يخلو ثعلبة مِن أن يكون مسلماً ففرض على أبي بكر وعمر قبض ذكاته ' ولابُدَّ ' ولافُسحةَ في ذلكَ ' وإن كان كافراً ففرض أن لايقر في جزيرة العرب 'فسقط هذاالأثر بلاشك (۲).

''یہ روایت بغیر کسی شک وشبہ کے باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے [اپنے رسول کو] مسلمانوں سے مالی صدقہ وخیرات قبض کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے وفات پا جاتے کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں رہیں گے، پس ثعلبہ [رضی اللہ عنہ] دو حالوں سے خالی نہیں ہوں گے، یا تو مسلمان ہوں گے پس سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا فرض بنتا ہے کہ اُن سے صدقہ وخیرات لے لیں، یہ ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں اور اگر ثعلبہ [رضی اللہ عنہ] کافر ہوں تو پھر چاہیے کہ وہ جزیرۃ العرب میں نہ رہیں۔ پس یہ روایت بلاشک وشبہ ساقط الاعتبار ہے۔''

[۴] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: لا أظن يصح (۳). ''میرا گمان نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔''

یہ بھی فرمایا: وھذا إسناد ضعيف جداً (۴). ''یہ نہایت ضعیف سند ہے۔''

[۴] حافظ سیوطی لکھتے ہیں: بسند ضعيفٍ (۵). ''اس کی سند کمزور ہے۔''

---

(۱) المحلّی ۱۱: ۲۰۸ (۲) نفس مصدر ۱۱: ۲۰۸

(۳) الاصابۃ ۱: ۱۹۸ (۴) الکافی الشاف ۲: ۲۹۴

(۵) لباب النقول: ۱۳۰، حدیث: ۵۶۶

معارف القرآن

مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین کی شاہ کار فقہی تصنیف ہے، جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا آبائی وطن دیو بند ہے جو ضلع سہارنپور [یوپی] میں برصغیر کا مشہور ترین قصبہ ہے۔ یہیں آپ کی ولادت ۱۳۱۴ھ میں شعبان کی تقریباً بیس تاریخ کو ہوئی۔ شمسی حساب سے یہ جنوری ۱۸۹۷ء تھا۔ آپ کے دادا نے نام ''محمد مبین'' رکھا تھا، لیکن آپ کے والد بزرگوار نے ولادت کی اطلاع کا خط اپنے شیخ حضرت گنگوہی کو لکھا تو انہوں نے جواب میں نام ''محمد شفیع'' تجویز فرمایا(۱)۔

پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم حافظ محمد عظیم کے پاس دارالعلوم دیو بند میں شروع کی۔ عربی، صرف ونحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ۱۳۲۰ھ میں جب آپ کی عمر سولہ سال تھی، اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخل ہو کر شروع کیں۔ اساتذہ میں علامہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا محمد احمد، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید میاں اصغر حسین، مولانا اعزاز علی، مولانا رسول خان اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۳۵ھ میں آپ نے دورہ حدیث کیا کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جن کی تکمیل ۱۳۳۶ھ میں فرمائی۔ درس نظامی کی مکمل تعلیم سے نہایت ممتاز حیثیت میں فارغ ہوئے اس وقت عمر ۲۲ سال تھی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیو بند میں تدریسی خدمات سنبھالے۔ ۲۶ سال دارالعلوم کی خدمت میں مشغول رہے۔ ۱۳۳۷ھ میں مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے۔ دارالعلوم کورنگی کراچی کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۶۲ علمی کتابیں تصنیف کیں۔ دس شوال ۱۳۹۶ھ کو علم وعمل کا یہ سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا(۲)۔

---

(۱) البلاغ کا مفتی اعظم نمبر: ۹۴

(۲) البلاغ کا مفتی اعظم نمبر: ۹۵، ۳۳۴

تفسیر کا منہج

مفتی صاحب نے ''معارف القرآن کی خصوصیات والتزامات'' کے عنوان کے تحت جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ مفتی صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

۱- ''تفسیر قرآن جو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اس میں سب سے اہم اور احتیاط کی چیز قرآن کا ترجمہ ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے، اس میں ادنیٰ سی کمی بیشی بھی اپنی طرف سے روا نہیں اس لیے میں نے خود کوئی ترجمہ لکھنے کی ہمت نہیں کی اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ اکابر علماء یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ اردو زبان میں اس خدمت کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی [1] کے دو فرزند ارجمند: حضرت شاہ رفیع الدین [2] اور حضرت شاہ عبد القادر [3] نے اپنے اپنے طرز میں انجام دیا، اول الذکر میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ اردو محاورہ کی بھی زیادہ رعایت نہیں رکھی گئی اور بڑے کمال کے ساتھ قرآن کے الفاظ کو اردو میں منتقل فرمایا ہے اور دوسرے ترجمہ میں تحت اللفظ اردو محاورہ کی رعایت بھی ہے جس کو شاہ عبد القادر نے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا ہے یہاں

---

(۱) ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عمری، حنفی، نقش بندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ=۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس وتدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر وحدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔
[نزہۃ الخواطر ۶: ۴۱۰، تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲]

(۲) رفیع الدین عبد الوہاب بن ولی اللہ دہلوی بن عبد الرحیم۔ اپنے بھائی شاہ عبد العزیز سے علوم حاصل کیے۔ محدث، متکلم اور اصولی عالم تھے۔ بیس سال کے تھے کہ مسند تدریس پر بیٹھ گئے۔ اَن گنت علمی کتابیں لکھیں۔ ۲۴ شوال ۱۲۳۳ھ کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۷: ۲۰۴-۲۰۸، ترجمہ: ۳۲۹]

(۳) عبد القادر بن ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی۔ آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد صاحب نے وفات پائی۔ آپ کے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز نے آپ کی تربیت کی اور تعلیم دلا دی۔ مسجد اکبر آبادی دہلی میں رہائش تھی۔ بڑے پائے کے عالم تھے۔ موضح القرآن آپ کی شاہ کار تصنیف ہے۔ گیارہ رجب ۱۲۳۰ھ کو فوت ہوئے۔
[نزہۃ الخواطر ۷: ۳۲۶-۳۲۸، ترجمہ: ۵۱۱]

تک کہ آپ کا جنازہ مسجد ہی سے نکلا ہے۔ دار العلوم دیو بند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب[1] کا فرمانا ہے کہ ''بلاشبہ یہ ترجمہ اِلہامی ہے، انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے۔'' شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب[2] نے اپنے وقت میں جب یہ دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات میں ترمیم کی ضرورت ہے تو اُنہوں نے اسی ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی جو ''ترجمہ شیخ الہند'' کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ احقر نے قرآن کریم کے زیرِ متن اسی ترجمہ کو بعینہ لیا ہے[3]''۔

یہ بات زبان زدِ عوام و خواص ہے کہ اردو زبان میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ ''فرزندان شاہ ولی اللہ'' نے لکھا ہے لیکن ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے لکھا ہے کہ:

''کشمیر کے راجہ مہروک نے ۲۷۰ھ بمطابق ۸۸۳ء میں منصورہ [سندھ] کے حاکم امیر عبداللہ بن عمر کو خط لکھا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اسلامی شریعت کے اَحکام ہندی میں بیان کر سکے۔ امیر عبداللہ نے ایک مسلمان عالم کو بھیجا جو ہندوستان کی مختلف زبانیں جانتا تھا، اُس نے راجہ کے پاس چند سال ٹھہر کر راجہ کو پورے طور پر اسلام سے واقف بنا دیا۔ راجہ نے اس سے خواہش کی کہ ہندی زبان میں میرے لیے قرآن کی تفسیر کر دے۔ ''سورۃ یسین'' تک یہ تفسیر مکمل

---

(۱) محمد یعقوب بن مولانا مملوک علی نانوتوی۔ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام منظور احمد ہے۔ آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ہم زلف ہیں۔ دہلی میں علم حاصل کیا۔ بلند پایہ اور باذوق شاعر تھے۔ خوجہ میر درد، مؤمن، مرزا غالب اور ذوق وغیرہ کے مجالس شعر میں شرکت کیا کرتے تھے۔ احادیث نبویہ کا درس شاہ عبدالغنی سے لیا۔ دار العلوم دیو بند میں چالیس روپیہ مشاہرہ پر صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یکم ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو وفات پائی۔ [اکابر علماءِ دیو بند: ۳۳-۳۶]

(۲) محمود الحسن بن مولانا ذوالفقار علی دیو بندی۔ ۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۱ء کو دیو بند میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ فارسی کی باقی کتابیں اور ابتدائی عربی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ دار العلوم دیو بند کے پہلے طالب علم ہیں۔ ۱۳۳۹ھ = ۱۹۲۰ء کو فوت ہوئے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲: ۱۴۶۰]

(۳) معارف القرآن ۱: ۶۸-۶۹، تمہید۔

ہوگئی تھی (۱)۔

ڈاکٹر صاحبہ آگے لکھتی ہیں: ''تاریخی طور پر صاحب زادگان ولی اللہ کے ترجموں کو سب سے قدیم اور با ضابطہ ترجمے کہنا صحیح ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے پہلے یعنی بارھویں صدی ہجری سے پہلے قرآن مجید کا کوئی اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رسائی ان تک نہ ہوسکی اور جو مطبوعہ تھے اُن کے مترجمین ممکن ہے مشہور ہستیاں نہ تھیں (۲)''۔

-۲: یہ تفسیر بنیادی طور پر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی ''بیان القرآن'' کی تسہیل ہے۔ مطلوب حصہ کا ترجمہ لکھنے کے بعد خلاصہ تفسیر کا عنوان قائم کر کے آپ اس تسہیل میں لگ جاتے ہیں۔

-۳: خالص علمی اور مشکل مضمون کو ''معارف ومسائل'' کے تحت نہایت آسان عبارت میں لکھ لیا ہے تاکہ مشغول آدمی قرآنی مفہوم کو پورا سمجھ لے۔

-۴: ''معارف ومسائل'' کے تحت قرآن مجید کے فقہی اَحکام کو فقہ حنفی کی تعبیر کے مطابق لکھتے ہیں جن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تیسری چیز معارف ومسائل ہیں جو میری طرف منسوب ہیں اور میری محنت کا محور ہیں۔ الحمدللہ کہ اس میں بھی میرا اپنا کچھ نہیں، سب اسلاف امت ہی سے لیا ہے۔ آج کل کے اہل علم واہل قلم اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی کوئی تحقیق اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش کریں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس سب کام میں میرا اپنا کچھ نہیں (۳)''۔

-۵: سورۃ کے فضائل اور ضروری سبب نزول بھی بیان کرتے ہیں۔

نمونہ تفسیر

[۱] سورۃ البقرۃ ۲:۲۸ کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے

---

(۱) قرآن حکیم کے اردو تراجم: ۸۰-۸۱ (۲) قرآن حکیم کے اردو تراجم: ۸۱

(۳) معارف القرآن ۱:۱۷، تمہید

روز ہونے والی ہے۔قبر کی زندگی جس کے ذریعہ قبر کا سوال وجواب اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا قرآنِ کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے اس کا ذکر نہیں، وجہ یہ ہے کہ برزخی زندگی اُس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی، بلکہ ایک درمیانی صورت مثلِ خواب کی زندگی کے ہے، اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی، اس لیے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے[1]۔"

[۲] سورۃ البقرۃ ۲:۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک وبت پرستی کا ذریعہ بن گئیں اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین وشریعت میں تحریف ہوگئی اور پھر دوسرے انبیاء اور دوسری شریعتوں نے آکر اس کو مٹایا۔ شریعتِ محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے۔ رسول کریم ﷺ پر نبوت ورسالت ختم اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اس لیے اس کو مسخ وتحریف سے بچانے کے لیے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا، جہاں سے شرک و بت پرستی آسکتی تھی، اسی سلسلہ میں وہ تمام چیزیں اس شریعت میں حرام قرار دی گئی ہیں جو کسی زمانہ میں شرک وبت پرستی کا ذریعہ بنی تھیں (۲)۔"

[۳] سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الیٰ غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے، یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الیٰ غیر اللہ مقصود ہو، لیکن بوقتِ ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں، پیروں کے نام پر اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں یہ صورت بھی باتفاقِ فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے (۳)۔"

---

(۱) معارف القرآن ۱:۱۷۳

(۲) معارف القرآن ۱:۱۸۹

(۳) معارف القرآن ۱:۴۲۱

[۴] سورۃ الاعراف ۷: ۱۸۰ کے تحت لکھتے ہیں: ''اسمائے الٰہیہ میں تحریف یا کجروی کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ نام استعمال کیا جائے جو قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں۔ علمائے حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اُس کی حمد وثناء کرے بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہیں جو قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے بطورِ نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں، سخی نہیں کہہ سکتے۔ نور کہہ سکتے ہیں ابیض نہیں کہہ سکتے۔ شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں، اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں دوسری صورت اِلحاد فی الاسماء کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں اُن میں کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے، اِس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لیے استعمال کرے، مگر اس میں تفصیل ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہوسکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اِلحاد مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے مثلاً رحمٰن، سبحان، رزّاق، خالق، غفار، قدّوس وغیرہ۔ پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بنا پر ہے کہ اس کو ہی خالق یا رازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا کفر ہے اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی شخص کو خالق، رزاق یا رحمٰن، سبحان کہہ دیا تو یہ اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہِ شدید ہے (۱)۔''

---

(۱) معارف القرآن ۴: ۱۳۱-۱۳۲

ضعیف احادیث

مفتی صاحب تفسیر معارف القرآن میں تفسیر بالحدیث کا اہتمام بھی کرتے ہیں لیکن حدیث کی صحت کا التزام نہیں کرتے اس لیے اس میں اَن گنت ضعیف احادیث درآئی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

[۱] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''کسی گاؤں والوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارا رب اگر ہم سے قریب ہے تو ہم دعاء آہستہ آواز سے مانگا کریں اور دور ہو تو بلند آواز سے پکاریں' اس پر یہ آیت کریمہ: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ نازل ہوئی (۱)۔''

اس حدیث کے عربی الفاظ یہ ہیں: أقریبٌ ربنا فَنُنَاجیه أو بعیدٌ فَنُنَادِیه؟ فأنزل الله: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (۲).

امام ابن جریر نے اس کی سند اس طرح نقل کی ہے: ابن حمید از جریر از عبدۃ سجستانی از صلب بن حکیم از پدرِ او از جدِ او (۳)۔

اس کا راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام جوزجانی فرماتے ہیں: بد مذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں (۴)۔ محدث اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا (۵)۔

اور اس کے دیگر سب راوی مجہول ہیں۔ تو ایسی روایت کا کیا اعتبار؟

[۲] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''دنیا کی محبت ہر برائی کا سرچشمہ ہے (۶)۔''

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: حُبُّ الدُّنیا رأسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ (۷).

---

(۱) معارف القرآن ۱:۴۵۱

(۲) تفسیر ابن جریر ۲:۱۶۴-۱۶۵، بذیل سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۶

(۳) تفسیر ابن جریر ۲:۱۶۵' فقرہ: ۲۹۱۲ (۴) احوال الرجال' ترجمہ: ۳۸۲

(۵) تاریخ بغداد ۲:۲۶۳' تہذیب الکمال ۲۵:۱۰۳

(۶) معارف القرآن ۲:۲۸

(۷) شعب الایمان ۷:۳۳۸' الجامع الصغیر: ۳۶۶۲' مشکاۃ المصابیح: ۵۲۱۳

حافظ عراقی لکھتے ہیں: احادیث نبویہ ﷺ میں اس کی کوئی اصل نہیں، اس کا تعلق حسن بصری کے مراسیل سے ہے، جب کہ حسن بصری کی مراسیل بالکل بے بنیاد ہوتی ہیں (۱)۔

امام زرکشی لکھتے ہیں: یہ مالک بن دینار کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں اُن کی سند سے نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے اسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے (۲)۔

حافظ ابو نعیم لکھتے ہیں: یہ قول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے (۳)۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ليس هذا محفوظاً عن النبي ﷺ ولكن هو معروف عن جندب ابن عبد الله البَجَلي من الصحابة، ويذكر عن المسيح ابن مريم عليه السلام وأكثر ما يغلو في هذا اللفظ المتفلسفة، ومَن حذا حذوهم من الصوفية على أصلهم (۴).

"یہ رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا جندب بن عبداللہ بَجَلِي رضی اللہ عنہ کے قول سے معروف ہے (۵)، جب کہ بعض نے اسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قول بتایا ہے۔ فلاسفہ اور ان کے پیروکار صوفیاء اس کو بہت زیادہ بیان کرتے ہیں۔"

یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں: هذا معروفٌ عن جندب بن عبدالله البَجَلي، وأما عن النبي ﷺ فليس له إسنادٌ معروف (۶).

"یہ سیدنا جندب بن عبداللہ بَجَلِي رضی اللہ عنہ کے قول سے معروف ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی کوئی معروف سند موجود نہیں۔"

---

(۱) فتح المغیث: ۱۲۸ (۲) التذكرة في الأحاديث المشتهرة: ۷۹، حدیث: ۹۲

(۳) حلیۃ الاولیاء ۶: ۳۸۸ (۴) مجموع الفتاوی ۱۱: ۵۳

(۵) جندب بن عبداللہ بن سفیان بَجَلِي عَلَقِي ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ پھر بصرہ منتقل ہوئے۔ حسن بصری اور ابن سیرین نے ان سے احادیث کا سماع کیا ہے۔

[الاستیعاب: ۱۵۴، ترجمہ: ۳۴۲، اسد الغابۃ ۱: ۳۸۴، ترجمہ: ۸۰۴]

(۶) مجموع الفتاوی ۱۸: ۶۲

[۳] مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''جو شخص اس آیت: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۱) کی تلاوت کے بعد یہ کہے: اَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرشتوں سے فرمائیں گے کہ میرے بندے نے ایک عہد کیا ہے اور میں عہد پورا کرنے والوں میں سب سے زیادہ ہوں اس لیے میرے بندے کو جنت میں داخل کردو۔ [ابن کثیر] (۲)''۔

یہ روایت تاریخ بغداد ۷: ۱۹۳-۱۹۴، معجم کبیر ۱۰: ۱۹۹ [حدیث: ۱۰۴۵۳] اور شعب الایمان ۲: ۴۶۴ [حدیث: ۲۴۱۴] کی ہے جس کا سارا دارومدار عمر بن المختار پر ہے۔ اس راوی کے بارے میں محدثین کہتے ہیں: اپنے باپ کی سند سے باطل روایتیں نقل کرتے ہیں (۳)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: احادیث وضع کرنے سے متہم ہے (۴)۔

[۴] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت شَهِدَ اللّٰهُ اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ سے بِغَیْرِ حِسَابٍ تک پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے اور جنت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر حاجتیں پوری فرمائیں گے جن میں سے کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔ [روح المعانی بحوالہ دیلمی] (۵)''۔

اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن بَحِیر بن ریسان ہے (۶)۔

محمد بن عبدالرحمٰن کے بارے میں حافظ ابن عدی لکھتے ہیں: ثقہ راویوں کے نام سے مناکیر اور اپنے والد کے نام سے بواطیل نقل کرتا ہے (۷)۔

اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إن فاتحة الكتاب وآية الكرسي والآيتين من ال عمران: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَقُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ إلى قوله: وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ لا يقرأكن أحدٌ من عبادي دبر كل صلاةٍ إلّا جعلتُ الجنة مثواه (۸)۔

---

(۱) سورۃ آل عمران ۳: ۱۸ (۲) معارف القرآن ۲: ۳۵ (۳) الکامل فی ضعفاء الرجال ۶: ۶۸
(۴) میزان الاعتدال ۳: ۲۳۱ (۵) معارف القرآن ۲: ۳۵-۳۶ (۶) اللآلی المصنوعۃ ۱: ۲۰۹-۲۱۰
(۷) الکامل فی ضعفاء الرجال ۷: ۵۴۷
(۸) عمل الیوم واللیلۃ: ۶۵-۶۶، حدیث: ۱۲۵

''[اللہ تعالیٰ نے] سورۃ الفاتحۃ' آیۃ الکرسی' اور سورۃ آل عمران کی دو آیتوں سے فرمایا تھا: جو شخص ہر فرض نماز کے تمہیں پڑھا کرے تو میں اسے جنت میں جگہ دوں گے۔''

اس کا راوی حارث بن عمیر بصری ہے، جس کی کنیت ابو عمیر ہے۔ امام حاکم لکھتے ہیں: اس نے کئی موضوع روایات نقل کی ہیں [1]۔

حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی نے زیر بحث روایت کو اس کے ترجمہ میں نقل کر کے فرمایا ہے:

''یہ روایت موضوع اور بے اصل ہے [2]۔''

[۵] سورۃ النساء ۴: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اُس کے تین روز بعد ایک اَعرابی [دیہاتی] آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار' رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول ﷺ اُس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اُس کی مغفرت ہو جائے گی' اس لیے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعاء کریں' اُس وقت جو لوگ حاضر تھے اُن کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَكَ 'یعنی تیری مغفرت کر دی گئی [3]۔''

مفتی محمد شفیع صاحب نے اسے تفسیر البحر المحیط ۲: ۲۸۳ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ البحر المحیط میں یہ روایت بغیر کسی سند کے مذکور ہے جب کہ تفسیر القرطبی میں اس کی سند اس طرح منقول ہے: روی أبو صادق عن علی رضی اللہ عنہ [4]. اس ابو صادق کا نام عبداللہ بن ناجد ہے' جس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ثابت نہیں۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں: محدثین اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں [5]۔ پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ نیز امام قرطبی نے یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ابو صادق سے اسے نقل کرنے

---

(۱) المدخل إلی الصحیح ۱: ۱۳۴' ترجمہ: ۳۳ (۲) المجروحین ۱: ۲۶۶' میزان الاعتدال ۱: ۴۴۰

(۳) معارف القرآن ۲: ۴۶۰' ضیاء القرآن ۱: ۳۵۹-۳۶۰ (۴) تفسیر القرطبی ۵: ۲۵۵

(۵) میزان الاعتدال ۴: ۵۳۸' ترجمہ: ۱۰۰۳۰۰

والے کون لوگ ہیں، ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟

[٦] مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''اِنَّمَاوَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (۱) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول تھے، جب آپ رضی اللہ عنہ رکوع میں گئے تو کسی سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی حالت رکوع میں اپنی ایک انگلی سے انگوٹھی نکال کر اُس کی طرف پھینک دی۔ غریب فقیر کی حاجت روائی میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہیں فرمایا کہ نماز سے فارغ ہو کر اُس کی ضرورت پوری کریں، یہ مسابقت فی الخیرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند آئی اور اِس جملہ کے ذریعہ اُس کی قدر افزائی فرمائی گئی (۲)''۔

مفتی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے (۳)۔

اس روایت کو امام طبرانی نے المعجم الأوسط ۴: ۳۵۷، حدیث: ۶۲۳۲ میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند شدید ضعیف اور نا قابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا راوی خالد بن یزید عمری امام ابن معین کی تصریح کے مطابق کذاب تھا (۴)۔

امام ابن حبان لکھتے ہیں: سخت منکر الحدیث ہے، قطعاً اِس لائق نہیں کہ اُس کا تذکرہ کیا جائے اس لیے کہ اَثبات سے موضوعات نقل کرتا ہے (۵)۔

۞ اس قسم کی ایک اور روایت واحدی نے اسباب النزول: ۳۹۷ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سند سے نقل کی ہے مگر وہ بھی موضوع ہے اس لیے کہ:

۱- اُس کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہے، جو جھوٹ بولنے اور رفض سے مُتَّهَم [بدنام] تھا (۶)۔

۲- اس سند میں محمد بن مروان بن عبد اللہ بن اسماعیل المعروف بسدی صغیر بھی ہے جو جھوٹ بولنے سے مُتَّهَم [بدنام] تھا (۷)۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ ۵: ۵۵ (۲) معارف القرآن ۳: ۱۷۸-۱۷۹ (۳) معارف القرآن ۳: ۱۷۹

(۴) الجرح والتعدیل ۳: ۳۶۰، ترجمہ: ۱۶۳۰، میزان الاعتدال ۱: ۶۴۶، ترجمہ: ۲۴۷۶

(۵) المجروحین ۱: ۳۴۶، ترجمہ: ۳۰۵ (۶) تقریب التہذیب: ۵۱۰، ترجمہ: ۵۹۰۱

(۷) تقریب التہذیب: ۵۳۵، ترجمہ: ۶۲۸۴

❁ اس قسم کی ایک تیسری روایت امام ابن جریر طبری نے [اپنی تفسیر ۴: ۶۲۸، نص: ۱۲۲۱۵] میں سدی ہی سے نقل کی ہے، مگر سدی چونکہ مُتَّهَمْ بِالْكَذِبِ ہے اس لیے اس کو شاہد کے طور پر نہیں پیش کیا جا سکتا پھر یہ سدی کا اپنا قول ہے۔ آگے کا سلسلہ مفقود ہے۔ پس اصولِ حدیث کے لحاظ سے یہ روایت معضل ہوئی جو ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

❁ اس قسم کی ایک اور روایت حافظ ابن کثیر نے ابن مردویہ کی سند کے ساتھ ان تنبیہات کے ساتھ نقل کیا ہے:

– من طريق محمد بن السائب الكلبي، وهو متروك[1].

"یہ محمد بن سائب کلبی کی سند کے ساتھ مروی ہے، جو متروک تھا۔"

– وهذا إسنادٌ لَا يُفرَحُ[2].

"یہ کوئی خوش کن اسناد نہیں۔"

– وليس يصحُّ شيء منها بالكلية لِضَعف أسانيدها وجهالة رجالها[3].

"ان میں بالکل کوئی بھی روایت صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی اسانید ضعیف اور رُواۃ مجہول ہیں۔"

❁ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اہلِ علم کا اِس روایت کے موضوع ہونے پر اِجماع ہے[4]۔

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: قد وضع بعض الكذابين حديثاً مفترىً أن هذه الآية نزلت في علي رضي الله عنه لمَّا تَصَدَّقَ بخاتمه في الصلاة وهذا كذبٌ بإجماع أهل العلم بالنقل وكذبه بَيِّنٌ مِن وجوهٍ كثيرةٍ منها: أنَّ قوله: اَلَّذِيْنَ صيغةُ جمعٍ وعليٌّ رضي الله عنه واحدٌ، ومنها: أنَّ الواو ليست واو الحال، إذ لو كان كذلك لكان لا يسوغ أن يتولى إلَّا من أعطى الزكاة في حال الركوع، فلا يتولى سائر الصحابة و القرابة. ومنها: أن المدح إنما يكون بعملٍ واجبٍ أو مستحب، وإيتاءُ الزكاة في نفس الصلاة ليس واجباً و لا مستحباً بإتفاق علماء الملة فإن في الصلاة شغلاً. ومنها: أنه لو كان إيتاؤها في الصلاة حسناً لم يكن فرق بين حال الركوع، بل إيتاؤها في القيام والقعود أمكن.

(۱-۲) تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۶ (۳) تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۷ (۴) مجموع الفتاویٰ، مقدمۃ التفسیر ۱۱: ۱۶۰

ومنها: أنّ علياً رضي الله عنه لم يكن عليه زكاةٌ على عهد النبي ﷺ ومنها: أنّ إيتاء غير الخاتم في الزكاة خير من إيتاء الخاتم، فإن أكثر الفقهاء يقولون: لايجزئ إخراج الخاتم في الزكاة ومنها: أنّ هذا الحديث فيه أنه أعطاه السائل، والمدح في الزكاة أن يخرجها ابتداءً و يخرجها على الفور و لاينتظر أن يسأله سائلٌ (۱).

''بعض کذابین نے ایک جھوٹی روایت گھڑی ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دورانِ نماز اپنی انگوٹھی خیرات کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حالانکہ علم منقول کے اہلِ علم کے اجماع کے مطابق یہ جھوٹ ہے اور کثیر وجوہ کی بنا پر اس کا جھوٹ ہونا واضح ہے:

-۱: اَلَّذِیۡنَ جمع کا صیغہ ہے [جس کے مصداق بہت سے لوگ ہیں] جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ واحد ہیں۔ [اکیلے آپ رضی اللہ عنہ اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے]۔

-۲: ''واؤ'' حال کے لیے نہیں، اور اگر ایسا ہوتا [یعنی واو حال کے لیے ہوتا] تو پھر اس کا مطلب یہ ہوتا کہ رکوع میں تصدق کرنے والوں ہی سے محبت و موالات اور تعلق قائم کیا جائے، اور اسی طرح سارے صحابہ اور اہل بیت اس [موالات] میں سے نکل جاتے۔

-۳: کسی واجب یا مستحب عمل کی وجہ سے کسی کی مدح کی جا سکتی ہے جب کہ رکوع میں تصدق کرنا نہ تو واجب ہے اور نہ مستحب۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے، اس لیے کہ نماز کے شغل الگ ہیں۔

-۴: اگر نماز ہی میں تصدق کرنا بہتر ہے تو پھر رکوع کی تخصیص کیوں؟ قیام اور قعود [وسجود] میں بھی تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

-۵: عہد نبوی ﷺ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اتنے مال دار نہیں تھے کہ اُن پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی۔

-۶: اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ [بنی بنائی] انگوٹھی زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں بلکہ انگوٹھی کے علاوہ [کھلا سونا چاندی] دینا زیادہ بہتر ہے۔

-۷: اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سائل نے اُن [سیدنا علی رضی اللہ عنہ] سے کچھ طلب کیا جب کہ زکوٰۃ کے معاملے میں بہتر یہ ہے کہ کسی کے طلب کرنے کے بغیر ہی زکوٰۃ ادا کی جائے۔''

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ ۱:۱۵۵-۱۵۶

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قد توهَّمَ بعضُ الناس أن هذه الجملة في موضع الحال من قوله: ويؤتون الزكوٰة أي: في حال ركوعهم، ولو كان هذا كذلك لكان دفع الزكوٰة في حال الركوع أفضل من غيره، لأنه ممدوحٌ، وليس الأمر كذلك عند أحد من العلماء ممن نعلمه من أئمة الفتوى (۱).

''وَهُمْ رَاكِعُوْنَ کے بارے میں کچھ لوگ غلطی کا شکار ہوگئے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ یہ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكوٰةَ سے حال کی جگہ واقع ہے یعنی وہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اگر اُن کی بات درست مان لی جائے تو پھر رکوع کی حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی افضل ہوگی، اس لیے کہ اس کی مدح کی گئی، حالانکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس افضلیت کا کوئی عالم قائل نہیں ہے۔''

مولانا امین صاحب اصلاحی لکھتے ہیں:

''رکوع یہاں اپنے اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے عام لغوی مفہوم میں ہے۔ رَكَعَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں: اِفْتَقَرَ وَانْحَطَّتْ حَالُهٗ اس وجہ سے فروتنی، نیازمندی، عاجزی اور دل شکستگی اس لفظ کی اصل روح ہے، نماز میں رکوع درحقیقت آدمی کے دل کی اس حالت کی تعبیر کی ایک عملی شکل ہے۔ اسلام کے دورِ اول میں منافقین کو نماز بھی پڑھنی پڑتی تھی اور زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوتی تھی، اس کے بغیر اس مبارک عہد میں کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرا ہی نہیں سکتا تھا لیکن سورۃ النساء میں ہے کہ اُن کی نمازیں برباد ہیں۔ قرآن نے اُن کے لیے كُسَالٰى کا لفظ استعمال کیا ہے، اسی طرح اُن کا اِنفاق محض نمائش کے لیے ہوتا تھا۔ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ کی قید نے یہ واضح کیا کہ دین کو جو صلوٰۃ و زکوٰۃ مطلوب ہے وہ دل کی خستگی اور فروتنی کے ساتھ مطلوب ہے۔ ریا، تکبر اور کراہت کے ساتھ نہیں (۲)۔''

[۷] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، یہ خطاب اس لیے کیا گیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کر رہے تھے تو ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے (۳)۔''

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۴-۲۶۵ (۲) تدبر قرآن ۲: ۵۴۹

(۳) معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳: ۵۶۳، معارف القرآن مولانا کاندھلوی ۳: ۴۹۹

اس کے الفاظ یہ ہیں: قَدْ أُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا (۱) أنه کان موسی یدعو، وھارون یؤمِّنُ (۲)۔

حافظ ابن حزم (۳) فرماتے ہیں: یہ روایت بڑی تباہ کن اور واہی ہے۔ معلوم نہیں یہ روایت راوی کو کس ذریعے سے مل گئی؟ اس راوی کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام تک کس نے پہنچایا؟ اسی سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے کچھ بھی بسند صحیح ثابت نہیں، یہ کسی نا معلوم قائل کا قول ہے جس کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ اُس نے خود یہ روایت کہاں سے لی (۴)۔

[۸] مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''شاہد یوسف کی جو تفسیر ہم نے بیان کی ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ گویائی عطا فرمادی، یہ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے حدیث صحیح قرار دیا ہے، اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار بچوں کو گہوارہ میں گویائی عطا فرمائی ہے (۵)۔''

معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے مسند امام احمد، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان کی طرف مراجعت نہیں فرمائی اور تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے چار بچوں کو گہوارہ میں گویائی عطا فرمائی ہے''۔

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: لم یتکلم في المهد إلَّا ثلاثة: عیسی بن مریم، وشاهد یوسف، وصاحبُ جریج وابن ماشطة بنت فرعون (۶)۔

---

(۱) سورۃ یونس ۱۰:۸۹۔ (۲) تفسیر ابن جریر ۶:۶۰۳، فقرات: ۱۷۸۶۱-۱۷۸۶۹

(۳) علی بن احمد بن سعید بن سعد، ابو محمد ابن حزم ظاہری، قرطبہ میں ۳۸۴ھ=۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے عہد میں اندلس کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں مملکت اندلس کے وزیر تھے۔ آپ نے وزارت کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا۔ فقیہ اور حافظِ حدیث تھے اور قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کیا کرتے تھے۔ ۴۵۶ھ=۱۰۶۴ء کو اندلس کے مضافاتی گاؤں لَبْلَة میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳:۳۲۵، سیر اعلام النبلاء ۱۸:۱۸۴، الاعلام ۴:۲۵۴]

(۴) المحلی ۲:۲۹۶، مسئلہ: ۳۶۹ (۵) معارف القرآن ۵:۵۵

(۶) مستدرک ۲:۵۹۵، تفسیر قرطبی ۹:۱۴۸، حدیث: ۳۶۶۳

"تین بچوں نے گھوارہ میں باتیں کیں: سیدنا عیسی علیہ السلام، شاہد یوسف علیہ السلام، صاحبِ جریج اور فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے والی کا بیٹا۔"

یہ روایت صحیح نہیں اس لیے کہ: اس میں مذکور ہے کہ تین بچوں نے گھوارہ میں باتیں کیں اور جب اُن کے نام لینے کی نوبت آئی تو چار کے نام گن لیے۔ اب اِن میں سے کون سی بات صحیح تسلیم کی جائے۔ تین والی یا چار والی؟

- مسند احمد ۲: ۳۰۷-۳۰۸، ۴۳۳، ۴۳۴ اور صحیح اِبن حبان ۱۴: ۴۱۱-۴۱۳، حدیث: ۶۴۸۸ کا جو حوالہ مفتی صاحب نے دیا ہے، اُس میں بھی تین بچوں کی تصریح ہے، جن کی تفصیل میں شاہد یوسف اور ابن ماشطۃ بنت فرعون کے نام نہیں بلکہ ایک اور بچے کا ذکر ہے۔

پھر مزے کی بات یہ ہے کہ صحیح بخاری [کی حدیث: ۳۴۳۶] اور صحیح مسلم [کی حدیث: ۲۵۵۰ میں] لم یتکلم في المهد إلّا ثلاثة کی جو تفسیر و تفصیل کی گئی ہے اُس میں بھی شاہد یوسف اور ابن ماشطۃ بنت فرعون کے الفاظ منقول نہیں، اس لیے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان بچوں کے ناموں کی تفصیل میں امام حاکم یا اُن کے استاذ وہم کا شکار ہو چکے ہیں۔

- تفسیر قرطبی میں شاہد یوسف کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

كان رجلاً ذا لِحيَةٍ (۱)

"وہ ایک باریش شخص تھا۔"

امام ابو جعفر نحاس نے لکھا ہے: الأشبه بالمعنى: أن يكون رجلاً عاقلاً حكيماً شاوره الملك فجاء بهذه الدلالة، و لو كان طفلاً لكانت شهادته ليوسف علیہ السلام تغني عن أن يأتي بدليل من العادة لأنّ كلام الطفل آية معجزة فكانت أوضح من الإستدلال بالعادة، و ليس هذا بمخالف للحديث...... و قد تواترت الرواية عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن صاحب يوسف ليس بصبي. (۲)

"زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ شاہد کوئی مرد کامل اور عاقل و حکیم ہے، جس کے ساتھ بادشاہ نے

---

(۱) تفسیر القرطبی ۹: ۱۴۷ (۲) اِعراب القرآن، نحاس: ۴۴۵، تفسیر القرطبی ۹: ۱۴۹

صلاح و مشورہ کیا، جس نے اُس کے جواب میں یہ عقلی قرینہ اور دلیل پیش کی، اگر شاہد یوسف ایک بچہ ہوتا تو وہ یہ عقلی دلیل پیش نہ کرتا بلکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی محض پاک دامنی بیان کرتا اس لیے کہ گہوارہ میں بچے کی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی بات کرنا ایک معجزہ اور برہان ہے جو قطعاً عقلی استدلال کی بیساکھی کی محتاج نہیں۔ یہ تفسیر حدیث کے خلاف بھی نہیں اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے گواہی دینے والا کوئی بچہ نہیں تھا۔"

امام قرطبی نے اس آیت کی چار تفسیریں لکھی ہیں، جن میں وہ آخری تفسیر کو ترجیح دے کر لکھتے ہیں:

والرابع: أنه رجلٌ حكيمٌ، ذو عقلٍ، كان الوزير يستشيره في أموره، و كان من جملة أهل المرأة، و كان مع زوجها، هذا قول الحسن، و عكرمة، و قتادة و الضحاك، و مجاهد أيضاً و السدي، و روي عن ابن عباس رضي الله عنه و هو الصحيح في الباب (۱)

"چہارم: وہ ایک عاقل اور ہوشیار مرد تھا جس سے عزیز مصر مشورہ لیا کرتا تھا، اس عورت کا رشتہ دار بھی تھا اور اس واقعہ کے ظہور پذیر ہو جانے کے وقت اُس کے ساتھ تھا اور یہی حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، مجاہد، سدی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے جو اِس باب میں صحیح ہے۔"

[۸] مفتی صاحب لکھتے ہیں: "آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لیے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں، کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں، ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے، شاید اسی لیے یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا۔ ایک حدیث میں بھی رسول کریم ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔"

مفتی صاحب کا اشارہ اس روایت کی طرف ہے: رحم الله يوسف، لولا الكلمة التي قالها: أذكرني عند ربك، ما لبث في السجن طول ما لبث (۲)

(۱) تفسیر القرطبی ۹:۱۴۹

(۲) تفسیر طبری ۷:۲۲۱، نص: ۱۹۳۱۹، موارد الظمآن: ۴۳۲، حدیث: ۱۷۴۷، صحیح ابن حبان ۸:۲۹، حدیث: ۲۱۷۳

''یوسف علیہ السلام پر اللہ رحم کرے اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر رہائی کی امید نہ رکھتے تو اتنی لمبی مدت قید میں نہ ٹھہرتے۔''

جس روایت سے مفتی صاحب نے اس مسئلے کا استنباط فرمایا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: وهذا الحديث ضَعِيفٌ جِدًّا لأن سفيان بن وكيع ضعيف، وإبراهيم بن يزيد هو الخُوزي أضعفُ منه أيضاً، وقد روي عن الحسن وقتادة مرسلاً عن كل منهما، وهذه المرسلات هاهنا لا تُقبَلُ لو قبل المرسل من حيث هو في غير هذه الموطن (۱)۔

''یہ حدیث شدید ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا راوی سفیان بن وکیع ضعیف ہے اور ابراہیم بن یزید خوزی اُس سے بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت حسن بصری اور قتادہ سے مرسلاً مروی ہے اور اس قسم کی مراسیل ایسے مواقع میں ناقابل قبول ہیں اگرچہ بعض مواقع میں [کچھ علماء کے نزدیک] قابل قبول ہوتی ہے۔''

اور تاریخ میں لکھتے ہیں: إنه حديثه منكرٌ من هذا الوجه، ومحمد بن عمرو بن علقمة له أشياء ينفرد بها، وفيها نكارة، وهذه اللفظة مِن أنكرها وأشدها (۲)۔

''یہ روایت منکر ہے اور محمد بن عمر بن علقمہ کئی منکر روایات میں منفرد ہے۔ اور اس کی یہ روایت شدید منکر ہے۔''

پھر عکرمۃ نے اپنے استاذ کا نام بھی نہیں لیا کہ کون تھے اس لیے یہ منقطع بھی ہوئی۔

[۹] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''وہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھتے ہوئے تھے: بسم الله الرحمن الرحيم. تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر غمگین کیونکر ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں لگتا ہے۔ تعجب ہے اُس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش وخرم رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۸: ۴۶، بذیل تفسیر سورۃ یوسف ۱۲: ۴۲

(۲) البدایۃ والنہایۃ ۱: ۲۱۶

پھر غفلت کیسے برتتا ہے۔ تعجب ہے اُس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلاب کو جانتا ہے پھر کیسے اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔ لا إله إلّا الله محمد رسول الله (۱)''۔

مفسرین نے اسے وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا (۲) کے تحت ان الفاظ میں نقل کیا ہے: كان لوحاً مِن ذَهَبٍ مكتوباً فيه : بسم الله الرحمن الرحيم ، عجبتُ لمن يؤمن بالقدر كيف يحزن، عجبت لمن يؤمن بالحساب كيف يغفل عجبتُ لمن يعرف الدنيا و تقلبها بأهلها كيف يطمئن لها، لا إله إلّا الله محمد رسول الله (۳)

اس کی سند میں اُبین بن سفیان ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: اس کی تمام روایات غیر محفوظ اور منکر ہوتی ہیں، انہوں نے زیر بحث روایت اُس کے مناکیر کے نمونہ کے طور پر پیش کی ہے (۴)۔

[۱۰] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''ایک روز سیدہ اُمّ سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما (۵) دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں، اچانک سیدنا عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی آ گئے ـــ یہ واقعہ احکامِ حجاب کے نازل ہو جانے کے بعد پیش آیا تھا ـــ رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ اُن سے پردہ کرو۔ اُمّ سلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں، نہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو اُن کو دیکھ رہی ہو (۶)''۔

---

(۱) معارف القرآن ۵:۶۰۹ (۲) سورۃ الکہف ۱۸:۸۲

(۳) تفسیر ابن جریر ۸–۲۶۸–۶۹، زاد المسیر ۳:۱۰۴، تفسیر القرطبی ۱۱:۳۸، تفسیر ابن کثیر ۹:۱۷۷

(۴) الکامل فی ضعفاء الرجال ۲:۷۴–۷۵

(۵) میمونۃ بنت حارث بن حزن ہلالیۃ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین، رسول اکرم ﷺ کی آخری بیوی اور امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی خاتون تھیں، اُن کا پہلا نام بَرّۃ تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے میمونۃ سے بدل دیا۔ ہجرت سے قبل مکۃ المکرّمۃ میں اسلام پر بیعت کی۔ اُن کے پہلے شوہر کا نام ابورہم بن عبدالعزیٰ عامری تھا جس کے مرجانے کے بعد ۷ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ۸۰ سال کی عمر پائی۔ مکہ مکرمہ کے قریب ''سرف'' کے مقام پر ـــ جہاں اُن کی شادی ہوئی تھی ـــ ۵۱ھ = ۶۷۱ء کو وفات پا گئیں، اور وہیں دفن کی گئیں۔ [الاستیعاب: ۹۱۹، ترجمہ: ۶۶۵، الاعلام ۷:۳۴۲]

(۶) معارف القرآن ۶:۴۰۰

اس کے الفاظ یہ ہیں: أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة، قالت: فبينا نحن عنده إذ أقبلَ ابنُ أم مكتوم فدخل عليه، و ذلك بعد ما أُمرنا بالحجاب، فقال: إحتَجِبَا منه، فقلتُ: يارسول الله! أليس هو أعمى، لا يبُصرنا ولا يعرفنا؟ فقال رسول الله ﷺ: أفعمياوان أنتما؟ ألستما تُبصرانه (۱)؟

امام قرطبی فرماتے ہیں: اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی نبہان جو سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کردہ غلام تھا۔ نا قابل احتجاج ہے (۲)۔

نبہان کی توثیق سوائے امام ابن حبان کے کسی اور نے نہیں کی ہے، لیکن امام ابن حبان کی یہ توثیق قابلِ قبول نہیں کیونکہ وہ اکثر مجہول راویوں کو ثقہ کہہ جاتے ہیں (۳)۔

امام ترمذی اس روایت کو حسن کہتے ہیں، اس سلسلے میں عرض ہے کہ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

لا يعتمد العلماء على تصحيح الترمذي (۴).

''علماء کرام امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔''

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: فلا يغتر بتحسين الترمذي، فعند المُحاقَقَةِ غالبها ضعاف (۵).

''امام ترمذی کی تحسین پر دھوکہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ تحقیق کے بعد اُن کی اکثر حسن حدیثیں ضعیف ثابت ہوتی ہیں۔''

نیز یہ روایت اُس صحیح حدیث کے خلاف ہے کہ: ایک دفعہ عید کے دن حبشی نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تماشہ دیکھنا چاہا تو نبی کریم ﷺ آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہوگئیں اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں آپ ﷺ برابر اوٹ کیے کھڑے

---

(۱) سنن ابی داوٗد کتاب اللباس[۲۶] باب فی قولہ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ[۳۷] حدیث: ۴۱۱۲، سنن ترمذی، کتاب الادب[۴۴] باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال[۲۹] حدیث: ۲۷۷۸، مسند احمد ۶: ۲۹۶، السنن الکبریٰ نسائی ۷: ۹۲، صحیح ابن حِبان ۷: ۴۳۹، حدیث: ۵۵۴۹

(۲) تفسیر القرطبی ۱۲: ۲۰۶-۲۰۷ (۳) حاشیہ سیر أعلام النبلاء ۹: ۴۵۵

(۴) میزان الاعتدال ۳: ۴۰۷

(۵) میزان الاعتدال ۴: ۴۱۶

رہے (۱)۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُن دنوں پندرہ سولہ سال کی بالغہ تھیں، اور یہ واقعہ سن سات ہجری کا ہے اور نزول حجاب کے بعد کا ہے (۲)۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ابتداءِ اسلام کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اسے نبہان والی روایت نے منسوخ کردیا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کا جواب یوں دیتے ہیں: رُدَّ بأنَّ قولها يسترني بردائه دال على ذلك كان بعد نزول الحجاب (۳)۔

''یہ قول مردود ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول کہ مجھے رسول اللہ ﷺ اپنی چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔''

حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نقاب اوڑھ لیا کریں تا کہ غیر مرد انہیں نہ دیکھ سکیں، جب کہ مردوں کو منہ ڈھانپنے اور نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں (۴)۔

[۱۱] مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''جس شخص کو اس کی نماز نے فحشاء اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں (۵)۔''

جس کے عربی الفاظ یہ ہیں: مَن لم تنهَهُ صلاته عن الفحشاء والمنكر فلا صلاة له (۶)۔

یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے، جن میں سے ہر ایک پر مفصل گفتگو کی جاتی ہے۔

– عمر بن ابی عثمان، حدثنا الحسن، عن عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

اس سند میں تین خرابیاں پائی جاتی ہیں:

–۱: عمر بن ابی عثمان نامی راوی کا دنیائے روایت میں کہیں اتا پتا نہیں کہ کون تھا، کیسے تھا، ثقہ تھا یا ضعیف؟ تلاش بسیار کے باوجود کہیں بھی اس کا ترجمہ نہ مل سکا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [۸] باب اصحاب الحراب فی المسجد [۶۹] احادیث: ۴۵۴، ۴۵۵، کتاب العیدین [۱۳] باب الحراب والدرق یوم العید [۲] حدیث: ۹۵۰

(۲) فتح الباری ۲: ۴۴۵، ۹: ۳۳۶، ۳۳۷ (۳) فتح الباری ۲: ۴۴۵ (۴) فتح الباری ۹: ۳۳۷

(۵) معارف القرآن ۶: ۶۹۷ (۶) تفسیر ابن کثیر ۱۰: ۵۱۴، سورۃ العنکبوت ۲۹: ۴۵

-۲: حسن بصری کا سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سماع صحیح سند سے ثابت نہیں (۱)۔

-۳: حسن بصری مدلس تھے (۲)۔

ورتدلیس میں مشہور و معروف تھے اور ضعفاء تدلیس سے کرتے ہیں (۳)۔

وراُن یہ روایت معنعن ہے، جب کہ ایسے راوی کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

-اس سلسلہ کی دوسری روایت بطریق ابوبکر محمد بن احمد المسو، از مقدام بن داود، از علی بن معبد، از ہشیم، از یونس از حسن بصری، از رسول اللہ ﷺ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

من لم تنهه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم تزده من الله إلا بعداً (۴).

''جس کی نماز اس کو بری باتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں، اس نماز کی وجہ سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی ہے۔''

قضاعی کی یہ روایت مرسل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کو براہ راست روایت کرنے والا راوی کوئی صحابی نہیں بلکہ طبقہ سوم کے تابعی حسن بن یسار بصری ہیں جن کے متعلق امام ابن سعد فرماتے ہیں:

آپ ایک جامع عالم، بلند رُتبہ فقیہ، روایت میں ثقہ مامون و محفوظ، شب زندہ دار، عابد فصیح اور حسین وجمیل تھے، جو مسند روایت بیان کر لے، وہ درست ہے لیکن جو روایت مرسل بیان کریں وہ حجت نہیں (۵)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: و مراسیله لیست بذاك (۶). ''ان کی مرسل روایات کوئی شے نہیں۔''

- اس سلسلہ کی تیسری روایت بطریق یحیٰ بن ابی طلحہ از ابومعاویہ از لیث از طاؤس از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً جس کے الفاظ یہ ہیں: مَن لم تنهه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم یزدد

---

(۱) الجرح والتعدیل ۶: ۶۹۷، السنن الکبری، بیہقی ۱۰: ۷۰، ۷۱، ۸۱

(۲) تعریف اہل التقدیس: ۵۶، ترجمہ: ۴۰

(۳) سیر أعلام النبلاء ۴: ۵۸۸

(۴) مسند الشہاب ۱: ۳۰۵، ترجمہ: ۳۴۵، حدیث: ۵۰۸

(۵) طبقات ابن سعد ۷: ۱۵۷-۱۵۸، تہذیب الکمال ۶: ۱۲۵

(۶) سیر أعلام النبلاء ۴: ۵۷۲

من اللّٰہ إلّا بعداً (۱)

22

''جونماز بُری باتوں اور نامناسب حرکتوں سے نہ روکے وہ بجائے اللہ کے قُرب کے اللہ سے دوری پیدا کرتی ہے (۲)۔

اس میں تین اسنادی کمزوریاں ہیں:

-۱: اس کا ایک راوی یحییٰ بن طلحہ یربوعی ہے، جس کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں: لیس بشیئ تھا (۳)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: طبقہ دہم کا لین الحدیث راوی ہے (۴)۔

حافظ ذہبی نے زیر بحث روایت کو اس کے ترجمہ میں نقل کرنے کے بعد محدث علی بن جنید کا یہ قول نقل کیا ہے: کَذِبٌ وزُورٌ (۵)۔ ''یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے۔''

-۲: ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف اور مضطرب الحدیث تھا (۶)۔ سیئ الحفظ اور متروک تھا (۷)۔

امام ابن حبان لکھتے ہیں: آخر عمر میں اختلاط کا شکار رہا۔ اسانید گھڑنے لگا۔ مراسیل کو مرفوع بناتا تھا جس کے باعث متروک ٹھہرا (۸)۔

امام نووی لکھتے ہیں: علماء کا اس کے ضعف، اضطراب حدیث اور اختلال ضبط پر اتفاق ہے (۹)۔

-۳: ایک راوی مشہور تابعی طاؤس ہے جو مدلس تھا (۱۰)۔

جب کہ ان کی یہ روایت معنعن ہے اس لیے مردود ہے۔

حافظ ابن کثیر ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں: والأصح في هذا كله الموقوفات عن ابن

---

(۱) المعجم الکبیر ۱۱: ۴۶، ۱۱۰۲۵؛ تفسیر ابن کثیر ۳: ۴۵۶، مسند الشہاب ۱: ۳۰۵، ترجمہ: ۳۴۵، حدیث: ۵۰۹

(۲) فضائل نماز: ۷۶ (۳) الضعفاء والمتروکین، ترجمہ: ۶۴۱

(۴) تقریب التہذیب: ۶۲۳، ترجمہ: ۷۵۷۳ (۵) میزان الاعتدال ۴: ۳۷۸

(۶) فتح الباری ۴: ۱۶۷، ۱۶۹ (۷) فتح الباری ۱۰: ۱۳۸، تقریب التہذیب: ۴۹۵، ترجمہ: ۵۶۸۵

(۸) المجروحین ۲: ۲۳۷، ترجمہ: ۹۰۳ (۹) تہذیب الاسماء واللغات ۲: ۶۳، ۴۶۳، ترجمہ: ۵۳۷

(۱۰) تعریف اہل التقدیس: ۳۸، ترجمہ: ۱۴

مسعود و ابن عباس ﷺ والحسن وقتادة والأعمش وغيرهم، والله اعلم (۱)۔

''ان میں سے کوئی بھی روایت مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عباس ﷺ اور حسن، قتادة اور اعمش وغیرہ کے اپنے اقوال ہیں، جو انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیے ہیں (۲)۔''

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: هذا الحديث ليس بثابت عن النبي ﷺ لكن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر كما ذكر في كتابه، وبكل حال فالصلاة لا تزيد صاحبها بُعداً، بل الذي يصلي خير من الذي لا يصلي، وأقرب إلى الله منه ولو كان فاسقاً (۳)۔

''یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں البتہ یہ بات صدفی صد درست ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے رُک جانے کا حکم دیتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ (۴) بہر حال نماز پڑھنا کسی بھی نمازی کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے کا باعث نہیں بنتی۔ نمازی آدمی بے نمازی آدمی سے بہر حال بہتر ہے اگر چہ نمازی فاسق اور گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔''

[۱۲] مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''غیبت زنا سے بھی سخت گناہ ہے کیوں کہ غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہو (۵)۔''

اس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

اَلْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، لأن المُغتاب لا يُغفر حتى يُغفر له صاحبه (۶)۔

یہ روایت خطیب تبریزی نے مشکاۃ المصابیح [۴۸۷۴-۴۸۷۵] میں سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کی سند سے اور [۴۸۷۶] میں سیدنا انس ﷺ کی سند سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۰:۵۱۵ (۲) معارف القرآن ۶:۶۹۷ (۳) مجموع الفتاوی ۲۲:۵

(۴) سورۃ العنکبوت ۲۹:۴۵ (۵) معارف القرآن ۸:۱۲۲

(۶) شعب الایمان ۵:۳۰۶، مجمع الزوائد ۸:۹۲، مشکاۃ المصابیح، حدیث: ۴۸۷۴-۴۸۷۵

صاحب الزنا يتوبُ وصاحب الغيبة ليس له توبة اور پھر لکھا ہے: روى البيهقي الأحاديث الثلاثة في شعب الإيمان.

اول الذکر روایت امام بیہقی کی شعب الایمان ۵:۳۰۶ حدیث: ۶۷۴۱ اور حافظ طبرانی کی المعجم الأوسط ۵:۶۳ حدیث: ۶۵۹۰ کی ہے جس کا سارا دارومدار عباد بن کثیر ثقفی بصری پر ہے جس کو امام بخاری اور امام نسائی متروک الحدیث کہتے ہیں (۱)۔

حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی نے اس کی مکذوب روایتوں میں زیر بحث روایت نمونہ کے طور پر پیش کی ہے (۲)۔

امام ہیثمی لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے المعجم الأوسط میں نقل کیا ہے، لیکن اس کا راوی عباد بن کثیر متروک ہے (۳)۔

سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ روایت حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال ۱:۴۴۷، ترجمہ حامد بن آدم المروزی: ۱۶۷۱ میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حافظ سلیمانی نے اس راوی کے متعلق لکھا ہے کہ احادیث وضع کرنے سے مشہور ہے۔ ابوداؤد سنجی کہتے ہیں: میں نے امام ابن مَعین سے پوچھا کہ حامد بن آدم حدیث بیان کرتے ہیں کہ الغیبة أشدُّ من الزنا اس کے متعلق آپ کچھ فرمائیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: هذا كذابٌ، لعنه الله (۴)۔

''اس کا راوی جھوٹا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''

امام جوزجانی اور حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: احمقانہ اور ناقابل یقین جھوٹ بولتا تھا:

كان يَكذِبُ ويَحمِقُ في الكذب (۵)

''احمقانہ جھوٹ بولا کرتا تھا۔''

---

(۱) التاریخ الکبیر ۶:۴۳: ترجمہ: ۱۶۴۲، الضعفاء والمتروکین، نسائی، ترجمہ: ۴۰۸

(۲) المجروحین ۲:۱۵۸، ترجمہ: ۷۸۸، میزان الاعتدال ۲:۳۷۲، ترجمہ: ۴۱۳۴ (۳) مجمع الزوائد ۸:۹۲

(۴) میزان الاعتدال ۱:۴۴۷، ترجمہ: ۱۶۷۱

(۵) احوال الرجال: ۲۰۶، ترجمہ: ۳۸۱، الکامل فی ضعفاء الرجال ۳:۴۰۹، ترجمہ: ۵۶۹

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت امام بیہقی نے شعب الایمان ۵:۳۰۶، حدیث:۶۷۴۲ میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند کے دو راوی مجہول ہیں۔ امام صغانی زیر بحث روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے [۱]۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں: یہ روایت بالکل بے اصل ہے [۲]۔

محدثین نے زیر بحث روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ مرفوع حدیث نہیں ہے اور یہی بات درست ہے [۳]۔

---

(۱) کشف الخفا و مزیل الالباس ۲:۱۰۶، حدیث:۱۸۱۲

(۲) علل الحدیث ۲:۳۱۹، حدیث:۲۴۷۴

(۳) شعب الایمان ۵:۳۰۶، مرقاۃ المفاتیح ۸:۶۱۰

معارف القرآن

[مولانا محمد ادریس کاندہلوی]

مولانا محمد ادریس کاندہلوی بن محمد اسماعیل بن مولانا محمد اسحاق کاندہلوی کی تصنیف ہے۔آپ ۱۹۰۰ء کو ضلع بھوپال میں پیدا ہوئے' چونکہ آپ کے آباء واجدا کا تعلق کاندہلہ سے تھا- جو ضلع مظفر نگر کا ایک مردم خیز قصبہ ہے-اس لیے کاندہلوی کہلائے۔نو سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔۱۹۱۱ء کو میزان الصرف مولانا تھانوی سے پڑھ لیا' کچھ کتابیں مولانا گنگوہی سے پڑھیں۔موقوف علیہ تک کتابیں مولانا ظفر احمد عثمانی سے پڑھیں۔صحاح کی کتابیں مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں۔۱۹۱۸ء میں فراغت کی سند حاصل کی۔تحصیل علم کا شوق مولانا کو دیوبند لے آیا اور آپ نے دوبارہ دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور پھر ۱۹۱۹ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے بھی اعلیٰ نمبروں میں سندِ فراغ حاصل کی (۱)۔

۱۹۲۰ء میں مدرسہ امینیہ دہلی سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔۱۹۳۰ء میں حیدر آباد تشریف لے گئے۔۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند بحیثیت شیخ تشریف لے گئے' وہاں ۱۹۴۹ء تک اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔۱۹۴۹ء میں پاکستان ہجرت کیا۔۱۹۵۲ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء تک وہیں رہے" (۲)۔

تفسیر معارف القرآن کے ۲۳ پارے آپ نے خود لکھے ہیں جب کہ باقی پاروں کی تفسیر آپ کے فرزندِ ارجمند مولانا محمد مالک (۳) نے لکھی ہے۔تفسیر کا مقدمہ مولانا محمد ادریس نے خود لکھا ہے

---

(۱) ماہنامہ الرشید ساہیوال' جلد ۳' شمارہ: ۱' صفحہ: ۳۳' ۳۴

(۲) ماہنامہ الرشید ساہیوال' جلد ۳' شمارہ: ۱' صفحہ: ۳۴' ۳۵

(۳) مولانا محمد مالک کاندہلویؒ ہندوستان کے صوبہ یوپی کے قصبہ کاندہلہ میں ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔دارالعلوم مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علوم کی تکمیل کی اور انہی جامعات میں مختلف علوم وفنون کی تدریس کی۔اپنے والد کی وفات کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے والد کی مسند تدریس سنبھال لی۔آپ منقولات اور معقولات دونوں کے جامع عالم تھے۔مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور نادر شذرے.....

اور ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کی تفسیر موضح القرآن سے لیا گیا ہے۔ اپنی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں: ”یہ تفسیر گداگروں کی جھولی کی طرح ہے اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیروں کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے (۱)“۔

تفسیر کا منہج

۱: ترجمہ میں حروف اور محذوفات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور کسی بھی حرف اور محذوف کا ترجمہ اپنی مناسب جگہ پر لکھ لیتے ہیں، مثلاً: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ترجمہ عمومی طور پر اس طرح کیا جاتا ہے: ”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔“ جب کہ مولانا صاحب اس میں ”بائے استعانت“ کا معنی اور متعلَّق کو یوں واضح کرتے ہیں:

”اللہ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی کی اِعانت اور امداد سے کہ جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے [اس کے کلام کو] شروع کرتا ہوں (۲)“۔

اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”بِسْمِ اللّٰہِ کے شروع میں جو ”باء“ ہے بعض علماء کے نزدیک وہ مصاحَبت اور اِلصاق کے لیے ہے اور بعض علماء کے نزدیک استعانت کے لیے ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں ابتداء ہی سے اپنی عبودیت اور عجز و اِستکانت کا اِظہار اور پہلے ہی وہلہ میں اپنی حَول وقوّۃ سے تبری کا اعلان ہو جاتا ہے، یعنی: اُس کی اِعانت اور توفیق سے ہم شروع کرتے ہیں، حاشا اپنی حَول اور قوّۃ سے نہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور بارگاہِ الوہیت کا ادب بھی اسی کو مقتضی ہے کہ وہاں عبودیت اور تذلل ہی کا اِظہار ہو اور اِدّعائے مصاحَبت نہ ہو۔ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً اور یہی معنی ہے: وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا (۳)“۔

۲: یہودیوں، عیسائیوں، خوارج، معتزلہ اور شیعہ وروافض کے سوالات نقل کر کے اُن کے بھرپور علمی جوابات نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

......تحریر کیے۔ جن میں معارف القرآن کا تکملہ بھی ہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو وفات پا گئے۔ [اکابر علماء دیوبند، اکبر شاہ بخاری، ص ۴۰۵]

(۱) معارف القرآن ۱:۱۸، مقدمہ۔ (۲) معارف القرآن ۱:۶ (۳) معارف القرآن ۱:۷

۔۳: مطلوبہ حصے کی تفسیر کا عنوان مولانا تھانوی صاحب کی ''تفسیر بیان القرآن'' سے فارسی میں درج کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان عناوین کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تا کہ فارسی سے ناواقف لوگوں کی مشکل آسان ہو۔

۔۴: تفسیر بالحدیث بھی کر لیتے ہیں مگر اس میں صحت کا اہتمام نہیں کیا اور ہر قسم کی روایت اس میں قبول کی گئی ہے یہاں تک کہ بعض بے سروپا حکایات بھی تفسیر میں درج ہیں۔

۔۵: ربط آیات اور سورتوں کے مابین کا ربط بتاتے ہیں۔

۔۶: قرآن کی تفسیر قرآن مجید سے کرتے ہیں، جیسے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (۱)

''اور اُسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب پہنچے تم میں سے کسی کو موت، اس کو بھر لے ویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ قصور نہیں کرتے۔''

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ فرشتے تین قسم کے ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جو انسان کو مضرتوں سے حفاظت کے لیے مقرر ہیں، کما قال تعالیٰ:

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (۲)

''اُن پر اُن کے آگے اور پیچھے سے امر الٰہی کے مؤکل لگے رہتے ہیں جو [باری باری سے] اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔''

دوسری قسم وہ ہے کہ وہ انسان کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں کما قال:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِينَ (۳)

''حالانکہ تم پر یقیناً نگران مامور ہیں، معزز لکھنے والے۔''

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۞ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۞ (۴)

---

(۱) سورۃ الانعام ۶:۶۱ (۲) سورۃ الرعد ۱۳:۱۱ (۳) سورۃ المطففین ۸۳:۱۰-۱۱
(۴) سورۃ ق ۵۰:۱۷-۱۸

"[دھیان رکھو] جب کہ دو اَخذ کرنے والے اَخذ کرتے رہتے ہیں۔ ایک دائیں بیٹھا اور دوسرا بائیں بیٹھا۔ وہ کوئی لفظ بھی نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے۔"

تیسری قسم وہ فرشتے ہیں جو انسان کی جان نکالنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اس قسم کے فرشتوں کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں اس لیے آیات میں توفی اور موت کی اِسناد کبھی ملک الموت کی طرف ہوتی ہے اور کبھی دیگر ملائکہ کی طرف ہوتی ہے جو ملک الموت کے اَعوان و مددگار ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اِسناد ہوتی ہے کہ اصل حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ بغیر اس کے حکم کے کسی کو موت نہیں آتی (۱)۔"

۔۷: قرآن کی تفسیر صحت کا اِلتزام کیے بغیر اَحادیث سے بھی کر لیتے ہیں مثلاً لکھتے ہیں:

"عورتوں کو بالا خانوں میں نہ اتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ [یعنی: ان کو تعلیم یافتہ نہ بناؤ] اور ان کو سورۃ النور [تاکہ اپنی عفت اور پاک دامنی کی حفاظت کریں۔ بے حیائی سے محفوظ رہیں] اور سوت کاتنا سکھاؤ (۲)۔"

اس روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں: لا تنزلوا النساء الغرف و لا تعلموھن الکتابة، وعلموھن سورة النور والغزل (۳).

۞ امام حاکم اور امام بیہقی کی ایک سند میں عبدالوہاب بن ضحاک ہے جو امام ابو حاتم کی تصریح کے مطابق جھوٹ بولا کرتا تھا (۴)۔

امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ حافظ ذہبی نے امام حاکم کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: قُلت: بل موضوعٌ و آفته عبد الوهاب بن الضحاك (۵).

---

(۱) معارف القرآن ۲:۶۶۹-۶۷۰ (۲) معارف القرآن ۵:۳۸۹

(۳) المعجم الأوسط، طبرانی ۴:۲۰۱، حدیث: ۵۷۱۳، المجروحین ۲:۳۱۸، ترجمہ: محمد بن ابراہیم شامی، الکامل فی ضعفاء الرجال ۲:۳۹۵، ترجمہ: جعفر بن نصر عنبری کوفی، المستدرک ۲:۳۹۶، شعب الایمان ۲:۴۷۷، مجمع الزوائد ۴:۹۳، معالم التنزیل ۳:۳۰۵، آخر سورۃ النور، زاد المسیر ۳:۲۷۵، ابتداءِ سورۃ النور، فتح القدیر، شوکانی ۲:۲۳۴، ابتداءِ سورۃ النور، درمنثور ۶:۱۱۶، تفسیر مظہری ۶:۵۷۰

(۴) الجرح والتعدیل ۶:۷۴ (۵) تلخیص المستدرک ۲:۳۹۶

"نہیں! بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور ساری بلا عبدالوہاب بن ضحاک کی طرف سے ہے۔"

امام ابن حبان فرماتے ہیں: احادیث چوری کرتا تھا' اس سے احتجاج واستدلال درست نہیں (۱)۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں: اس کی روایتیں مقلوب [الٹی پلٹی] اور بواطیل ہوتی ہیں (۲)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: متروک تھا۔ ابو حاتم نے اسے جھوٹا کہا ہے (۳)۔

امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام بیہقی کی دوسری روایت کی سند میں محمد بن ابراہیم شامی ہے جس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں: شامی محدثین کے نام لے کر احادیث وضع کیا کرتا تھا' اس کی روایت قبول کرنا جائز نہیں' اس نے کئی بے اصل روایات نقل کی ہیں (۴)۔ امام دار قطنی اسے کذاب کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے امام دار قطنی کی رائے کو لکھنے کے بعد زیر بحث روایت لکھ کر فرمایا ہے کہ دار قطنی نے درست لکھا ہے اور ابن ماجہ اسے نہ پہچان سکے (۵)۔

ابن عدی کی سند میں جعفر بن نصر ابو میمون عنبری کوفی ہے جس کے بارے میں امام ابن عدی خود فرماتے ہیں: ثقہ راویوں کے نام سے باطل روایات نقل کرتا ہے (۶)۔

اس راوی کے متعلق امام ابن حبان فرماتے ہیں: شام میں مٹر گشت کرتا رہا' ثقہ راویوں کے نام ایسی احادیث نقل کرتا ہے جن کو ان محدثین نے کبھی بھی بیان نہیں کیا (۷)۔

نمونہ تفسیر

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں اہلِ ایمان اور اہلِ قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام متواترات اور ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہوں۔ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ان کی تکفیر

---

(۱) المجروحین ۲:۱۳۱' ترجمہ: ۷۵۳
(۲) الضعفاء والمتروکین' ترجمہ: ۳۴۶
(۳) تقریب التہذیب: ۳۹۹' ترجمہ: ۴۲۵۷
(۴) المجروحین ۲:۳۰۱' ترجمہ: ۱۰۰۳' الموضوعات ۲:۲۶۸
(۵) میزان الاعتدال ۳:۶۴۶' ترجمہ: ۷۱۰۲
(۶) الکامل فی ضعفاء الرجال ۲:۳۹۴' ترجمہ: ۲۱[۳۴۶]' الموضوعات ۲:۲۶۸
(۷) المجروحین ۱:۲۵۲' ترجمہ: ۱۸۶
(۸) سورۃ البقرۃ ۲:۳

نہیں جائے گی، جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ فقط قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے اہلِ ایمان اور اہلِ قبلہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا جب تک رسول کی تمام باتوں کی تصدیق نہ کرے کما قال اللہ: لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ (۱) الحاصل اصطلاحِ شریعت میں اہلِ قبلہ وہی لوگ ہیں کہ جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتے ہوں اور کسی امرِ دینی کے مکذب اور منکر نہ ہوں اور ضروریاتِ دین سے وہ امور مراد ہیں کہ جو شریعت میں ایسے معلوم اور مشہور ہوں کہ خواص اور عوام سب ان کو جانتے اور پہچانتے ہوں جیسے توحید اور رسالت اور جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک امر کا بھی انکار کر دے کہ جس کا دین سے ہونا قطعی اور بدیہی طور سے ثابت ہے تو وہ شخص قطعاً دائرہ ایمان اور زمرہ اہلِ قبلہ سے خارج ہے اگرچہ وہ شخص قبلہ رو ہو کر دن میں پچاس نمازیں ادا کرتا ہو (۲)۔"

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۷

(۲) معارف القرآن ۱:۳۸

تفہیم القرآن

[مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی]

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد، دکن میں پیدا ہوئے۔ باضابطہ تعلیم صرف میٹرک تک تھی۔ ۱۹۱۶ء میں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد [دکن] سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا اِشفاق اللہ کاندھلوی [مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری، دہلی] سے حدیث، فقہ اور ادب میں سندِ فراغت وتدریسی حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا اِشفاق الرحمٰن کاندھلوی سے جامع ترمذی اور موطأ امام مالک کی سمع وقراءت کی تکمیل کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔ ۲۶-اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں پچھتر اَفراد کے مختصر اجتماع میں ''جماعتِ اِسلامی'' کی تشکیل کی۔ ۱۹۴۲ء میں پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے اور وہاں ''دارالاسلام'' کی بنیاد ڈالی جس کی حیثیت ایک علمی و تحقیقی اکیڈمی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۲۹-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان پہنچے اور لاہور میں اِقامت اختیار کی، ۱۹۵۳ء میں جب لاہور میں ختم نبوت کی تحریک چلی تو فوجی عدالت سے ''قادیانی مسئلہ'' نامی کتابچہ لکھنے پر سزائے موت کا حکم ہوا۔ اس پر پورے عالمِ اسلام میں احتجاج کیا گیا تو سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ تاہم تین سال کے بعد جیل سے رہا کر دیئے گئے۔

۱۹۶۳ء میں اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن مولانا بچ گئے۔ مسلسل علالت اور گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو جماعتِ اسلامی کی اَمارت سے مستعفی ہو گئے اور عملی سیاست سے علیحدہ ہو کر خالص علمی اور تحقیقی کام میں منہمک ہو گئے جو آخری وقت تک جاری رہا۔ ۲۷-فروری ۱۹۷۹ء کو مولانا کو پہلا ''شاہ فیصل ایوارڈ'' دیا گیا۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو مولانا نے وفات پائی (۱)۔

تفسیر کا منہج

تفسیر تفہیم القرآن بنیادی طور پر کن لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا نے خود تحریر

---

(۱) شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱: ۱۰۶-۱۰۷

فرمایا ہے: ''اس کام میں میرے پیشِ نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں' اور نہ اُن لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علومِ دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بُجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علومِ قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے' اُنہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے اُن تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علمِ تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقہ کے لیے غیر ضروری ہیں (۱) ''۔

۔۱: اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہ مولانا پابندیٔ لفظ کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتے ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ اُن کے نزدیک یہ ہے کہ یہ خدمت اُن سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمہ سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہوسکتیں اُنہی کو اُنہوں نے ترجمانی کے ذریعے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے (۲)۔

۔۲: حواشی میں اُن کی انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔ جتنے حاشیے بھی اُنہوں نے لکھے ہیں دو ہی قسم کے مقامات پر لکھے ہیں' ایک وہ جہاں اُنہیں محسوس ہوا کہ ایک عام ناظر اس جگہ تشریح چاہے گا' یا اُس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوگا' یا وہ کسی شبہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ دوسرے وہ جہاں اُنہیں اندیشہ ہوا کہ ناظر اس جگہ سے سرسری طور پر گزر جائے گا اور قرآن کے ارشاد کی اصل روح اس پر واضح نہ ہوگی (۳)۔

۔۳: ہر سورۃ کے شروع میں اُس کا نام وجہ تسمیہ ضرور لکھتے ہیں' مثلاً سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں لکھتے

---

(۱) تفہیم القرآن ۱:۵-۶' ایڈیشن ۳۱' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' جولائی ۲۰۰۰ء

(۲) تفہیم القرآن ۱:۶-۷ (۳) تفہیم القرآن ۱:۱۱

ہیں: ”اس سورۃ کا نام ”بقرہ“ اس لیے ہے کہ اس میں ایک جگہ گائے کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ میں اس قدر وسیع مضامین مضامین بیان ہوئے ہیں کہ اُن کے لیے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کیے جا سکتے۔ عربی زبان اگرچہ اپنی لغت کے اعتبار سے نہایت مال دار ہے مگر بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی۔ انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کر سکتیں جو ان وسیع مضامین کے لیے جامع عنوان بن سکتے ہوں اس لیے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی بیشتر سورتوں کے لیے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے جو محض علامت کا کام دیتے ہیں۔ اس سورۃ کو بقرہ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ”وہ سورۃ جس میں گائے کا ذکر آیا ہے“ (۱)۔

۴: سورتوں کا زمانہ نزول بھی لکھتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی تفسیر میں ”زمانہ نزول“ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: ”اس سورۃ کا بیشتر حصہ ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا ہے اور کمتر حصہ ایسا ہے جو بعد میں نازل ہوا اور مناسبتِ مضمون سے اس میں شامل کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ سود کی ممانعت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں حالانکہ وہ نبی ﷺ کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں اُتری تھیں۔ سورۃ کا خاتمہ جن آیات پر ہوا ہے وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر مضمون کی مناسبت سے ان کو بھی اسی سورۃ میں ضم کر دیا گیا ہے“ (۳)۔

زمانہ نزول، سببِ نزول یا شانِ نزول کے لیے عموماً صحیح روایات ڈھونڈ کر نقل کرتے ہیں مگر کہیں کہیں اس معیار کو برقرار نہ رکھ سکے، مثلاً آیت کریمہ: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (۴) کے تحت لکھتے ہیں: ”اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی مُعَیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ قبیلہ بنی المُصطَلِق جب مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بھیجا تا کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر لائیں یہ اُن کے علاقے میں

(۱-۳) تفہیم القرآن ۱:۴۶ (۴) سورۃ الحجرات ۴۹:۶

پہنچے تو کسی وجہ سے ڈر گئے اور اہل قبیلہ سے ملے بغیر مدینہ منورہ واپس جا کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کر دی کہ اُنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ یہ خبر سن کر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ روانہ کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے وہ دستہ روانہ کر دیا تھا اور بعض میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ روانہ کرنے والے تھے۔ بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ بنی المصطلق کے سردار حارِث بن ضِرار [ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد] اس دوران میں خود ایک وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! ہم نے ولید کو دیکھا تک نہیں کجا کہ زکوٰۃ دینے سے انکار اور اُن کے قتل کے ارادے کا کوئی سوال پیدا ہو۔ ہم ایمان پر قائم ہیں اور ادائے زکوٰۃ سے ہمیں ہرگز انکار نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۱)۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی فرماتے ہیں: ''پیش کردہ شانِ نزول کو دِرایت کی کسوٹی پر جانچیے تو معلوم ہوگا کہ اس کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں۔

[۱] سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں فاسق کی روایت پر اعتماد کرنے سے روکا گیا ہے جب کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق اس واقعے سے پہلے کوئی بات بھی ایسی لوگوں کے سامنے نہیں آئی تھی جس سے معلوم ہوسکتا کہ نعوذ باللہ وہ فاسق ہیں، صرف یہ نہیں کہ ان کے فسق کی کوئی شہادت موجود نہیں تھی بلکہ ان کی وثاقت و عدالت کا یہ مرتبہ تھا کہ خود نبی ﷺ نے ان کو تحصیلِ زکوٰۃ کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ اگر ان کے اندر اس قسم کا کوئی کھوٹ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو اس اہم خدمت کے لیے کس طرح منتخب فرماتے۔

[۲] دوسری بات یہ ہے کہ اس شانِ نزول کو باور کر لیجیے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ سے اتنے ناواقف تھے کہ ایسے لوگوں کو ذمہ دارانہ مناصب پر مامور فرما دیتے تھے جو اپنی دروغ بافی سے حکومت اور رعایا دونوں کو خطرے میں ڈال دیں۔ اس قسم کی بے بصیرتی ایک عام معقول آدمی سے بھی بعید از قیاس ہے چہ جائے کہ اس کا صدور رسول اللہ ﷺ سے

---

(۱) تفہیم القرآن ۵: ۷۳-۷۴

ہو۔

[۳] تیسری بات یہ ہے کہ اگر سیدنا ولید رضی اللہ عنہ استقبال کرنے والی پارٹی کو جنگ جو پارٹی سمجھ کر اس سے ڈر کے واپس آ گئے تھے اور اپنا تأثر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بیان کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ان کی یہ بات سادہ لوحی اور کمزوری تو قرار دی جا سکتی ہے لیکن از روئے شریعت اس کو فسق نہیں کہا جا سکتا۔ پھر تو اس مضمون کی آیت اترنی تھی کہ مسلمانو! تم اپنے ذمہ دارانہ عہدے ایسے سادہ لوحوں کے سپرد نہ کیا کرو جو استقبال کرنے والوں اور لڑنے والوں کے درمیان امتیاز کرنے سے بھی قاصر ہوں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ اتنے سادہ لوح ہوتے تو کیا رسول اللہ ﷺ ان کو ایسی اہم مالی اور سیاسی ذمہ داری سپرد کر دیتے؟ کیا کسی شخص کے اندر سادہ لوحی کوئی ناگہانی طور پر پیدا ہونے والی چیز ہے جو لوگوں سے مخفی رہے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کو اس کا اندازہ نہ ہو سکے۔

[۴] چوتھی بات یہ ہے کہ یہی سیدنا ولید رضی اللہ عنہ ہیں جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کا گورنر بنایا۔ غور کیجئے کہ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ یہ شخص از روئے نص قرآن فاسق قرار پا چکا ہے اور گورنری تو درکنار اسلامی قانون کی رو سے یہ کسی روایت یا شہادت کا بھی اہل نہیں ہے؟ اگر ناواقف تھے تو یہ مانئے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد، جن کو جامع قرآن [علیٰ قراءۃٍ واحدۃٍ] ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، نعوذ باللہ، قرآن کا اتنا علم بھی نہیں رکھتے تھے جتنا علم شانِ نزول کی روایتیں کرنے والے ان راویوں کو تھا۔ میرے نزدیک یہ شان نزول روافض کی ایجادات میں سے ہے جس سے انہوں نے نہ صرف سیدنا ولید رضی اللہ عنہ ہی کو بدنام کرنا نہیں چاہا ہے بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے یہ جانتے بوجھتے کہ یہ شخص فاسق ہے محض از راہ کنبہ پروری اس کو کوفہ کا گورنر بنا دیا (۱)"۔

پھر یہ بھی ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ خوردسالہ بچوں میں تبریک کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے سب کے سروں پر ہاتھ

---

(۱) تدبر قرآن ۷: ۴۹۶-۶۹۷، تفسیر سورۃ الحجرات ۴۹: ۶-۷

پھیر لیا مگر ان کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا کیونکہ ان کے سر میں خلوق [ایک قسم کی خوش بو] لگی تھی جو آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ جو شخص فتح مکہ کے دن بچوں میں شامل ہے وہ چند ماہ بعد اس قابل کس طرح ہو گیا کہ اسے نبی مصطلق میں عامل بن کر بھیج دیا گیا؟ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن الولید ابن عقبة رضی اللہ عنہ قال: لمافتح رسول اللّٰہ ﷺ مکة جعل أهل مكة يأتونه بصبيانهم فيمسح على رؤوسهم ويدعو لهم فجيئ بي إليه وإني مطيَّب بالخَلوق، ولم يمسح على رأسي ولم يمنعه من ذلك إلاأن أمي خلّقني بالخَلوق فلم يمسني من أجل الخلوق (۱)۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا: ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' میں مخاطب عام مومنین ہیں اور فاسق سے مراد عام فاسقین ہیں اور فاسق کا ذکر افادۂ مبالغہ فی الحکم کے لیے ہے، یہ نہیں کہ جس قصہ میں اس کا نزول ہوا ہے اس کو فاسق کہا گیا ہو، پس اس آیت سے نہ ولید رضی اللہ عنہ کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ اس کا شبہ رہا کہ یہ موہوم ہے'' (۲)۔

جن روایتوں میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح اور جرح سے خالی نہیں، وہ سب روایات منقطع ہیں (۳)۔

۵: ہر سورۃ کے شروع میں اُس کے مباحث و مضامین اور اُس کے مشمولات کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں جس کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اس سورۃ کا بنیادی مضمون کیا ہے۔

۶: تفسیر القرآن بالقرآن بھی کرتے ہیں، مثلاً: اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت میں زنا کی جو سزا مقرر کی گئی وہ دراصل ''محض زنا'' کی سزا ہے، زنا بعد احصان [یعنی شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کے ارتکاب] کی سزا نہیں ہے جو اسلامی قانون کی نگاہ میں سخت تر جرم ہے یہ بات خود قرآن ہی کے اشارے سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہاں اُس زنا کی سزا بیان کر رہا ہے جس کے فریقین غیر شادی شدہ ہوں۔ سورۃ النساء میں پہلے ارشاد ہوا کہ:

---

(۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الترجل [۲۷] باب فی الخلوق للرجال [۸] حدیث: ۴۱۸۱، مسند احمد ۴: ۳
(۲) بیان القرآن ۳: ۴۴۱ (۳) العواصم من القواصم: ۹۱، ہامش (۴) سورۃ النور ۲۴: ۲

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ ...... اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ۔(۱)

''تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔''

اس کے بعد تھوڑی دور آگے چل کر فرمایا: وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ...... فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ۔(۲)

''اور تم میں سے جو لوگ اتنی مقدرت نہ رکھتے ہوں کہ مومنوں میں محصنات کے ساتھ نکاح کریں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کر لیں...... پھر اگر وہ [لونڈیاں] محصنہ ہو جانے کے بعد کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو محصنات کو [ایسے جرم پر] دی جائے۔''

ان میں سے پہلی آیت میں توقع دلائی گئی ہے کہ زانیہ عورتیں جن کو سر دست قید کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ بعد میں کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ سورۃ النور کا یہ دوسرا حکم وہی چیز ہے جس کا وعدہ سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا تھا۔ دوسری آیت میں شادی شدہ لونڈی کے ارتکاب زنا کی سزا بیان کی گئی ہے۔ یہاں ایک ہی آیت اور ایک ہی سلسلہ بیان میں دو جگہ محصنات کا لفظ استعمال ہوا ہے اور لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ دونوں جگہ اس کی ایک ہی معنی ہیں۔ اب آغاز کے فقرے کو دیکھیے تو وہاں کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ ''محصنات سے نکاح کرنے کی مقدرت نہ رکھتے ہیں۔'' ظاہر ہے کہ اس سے مراد شادی شدہ عورت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک آزاد خاندان کی بن بیاہی عورت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد اختتام کے فقرے میں فرمایا جاتا ہے کہ لونڈی منکوحہ ہونے کے بعد اگر زنا کرے تو اس کو اُس سزا سے آدھی سزا دی جائے جو محصنات کو اس جرم پر ملنی چاہیے۔ سیاق عبارت صاف بتاتا ہے کہ اس فقرے میں بھی محصنات

---

(۱) سورۃ النساء ۴: ۱۵
(۲) سورۃ النساء ۴: ۲۵

کے معنی وہی ہیں جو پہلے فقرے میں تھے یعنی شادی شدہ عورت نہیں بلکہ آزاد خاندان کی حفاظت میں رہنے والی بن بیاہی عورت۔ اس طرح سورۃ النساء کی یہ دونوں آیتیں مل کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیتی ہیں کہ سورۃ النور کا یہ حکم، جس کا وہاں وعدہ کیا گیا تھا، غیر شادی شدہ کے ارتکاب زنا کی سزا بیان کرتا ہے (۱)۔

۷۔ بعض وضعی عقائد پر خوب تنقید کرتے ہیں، مثلاً آیت کریمہ:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا (۲)

''اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔''

کے تحت لکھتے ہیں: ''نبی ﷺ کو ''گواہ'' بنانے کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے جس میں تین قسم کی شہادتین شامل ہیں: ایک قولی شہادت، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دین جن حقائق اور اصول پر مبنی ہے۔ نبی ﷺ ان کی صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہو اور دنیا سے صاف صاف کہہ دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔ خدا کی ہستی اور اس کی توحید، ملائکہ کا وجود، وحی کا نزول حیات بعد الموت کا وقوع اور جنت و دوزخ کا ظہور خواہ دنیا کو کیسا ہی عجیب معلوم ہو اور دنیا ان باتوں کے پیش کرنے والے کا مذاق اڑائے یا اسے دیوانہ کہے، مگر نبی کسی کی پروا کیے بغیر اٹھے اور ہانک پکار کہہ دے کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اسے نہیں مانتے۔ اسی طرح اخلاق اور تہذیب اور تمدن کے جو تصورات، اَقدار، اصول اور ضابطے خدا نے اس پر منکشف کیے ہیں، انہیں اگر ساری دُنیا غلط کہتی ہو اور ان کے خلاف چل رہی ہو تب بھی نبی کا کام یہ ہے کہ انہی کو علی الاعلان پیش کرے اور اُن تمام خیالات اور طریقوں کو غلط قرار دے جو ان کے خلاف دُنیا میں رائج ہوں۔ اسی طرح جو کچھ خدا کی شریعت میں حلال ہے نبی اس کو حلال ہی کہے خواہ ساری دُنیا اسے حرام سمجھتی ہو، اور جو کچھ خدا کی شریعت میں حرام ہے نبی اس کو حرام ہی کہے خواہ ساری دنیا اسے حلال وطیب قرار دے رہی ہو۔

دوسرے عملی شہادت، یعنی یہ کہ نبی اپنی پوری زندگی میں اُس مسلک کا عملاً مظاہرہ کرے جسے دنیا

(۱) تفہیم القرآن ۳: ۳۲۵-۳۲۶ (۲) سورۃ الفتح ۴۸: ۸

کے سامنے پیش کرنے کے لیے وہ اٹھتا ہے جس چیز کو وہ برائی کہتا ہے اُس کے ہر شائبہ سے اس کی زندگی پاک ہو۔ جس چیز کو وہ بھلائی کہتا ہے اس کی اپنی سیرت میں وہ پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ جس چیز کو وہ فرض کہتا ہے اسے ادا کرنے میں وہ سب سے بڑھ کر ہو جس چیز کو وہ گناہ کہتا ہے اس سے بچنے میں کوئی اس کی برابری ہی نہ کر سکے جس قانون حیات کو وہ خدا کا قانون کہتا ہے اسے نافذ کرنے میں وہ کوئی کسر نہ اٹھارے رکھے اُس کا اپنا اخلاق وکردار اس بات پر گواہ ہو کہ وہ اپنی دعوت میں کس قدر سچا اور کتنا مخلص ہے اور اس کی ذات اس کی تعلیم کا ایسا مجسم نمونہ ہو جسے دیکھ کر ہر شخص معلوم کر لے کہ جس دین کی طرف وہ دُنیا کو بُلا رہا ہے وہ کس معیار کا انسان بنانا چاہتا ہے، کیا کردار اُس میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور کیا نظام زندگی اُس سے برپا کرانا چاہتا ہے۔

تیسرے اُخروی شہادت، یعنی آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہو اس وقت نبی اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم وکاست لوگوں تک پہنچا دیا اور ان کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق واضح کر دینے میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اِسی شہادت پر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ماننے والے کس جزا کے، اور نہ ماننے والے کس سزا کے مستحق ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو شہادت کے مقام پر کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی ذمہ داری آپ پر ڈالی تھی اور وہ کیسی عظیم شخصیت ہونی چاہیے جو اس مقام بلند پر کھڑی ہو سکے۔ ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ سے دین حق کی قولی اور عملی شہادت پیش کرنے میں ذرہ برابر بھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے تب ہی تو آخرت میں آپ یہ شہادت دے سکیں گے کہ میں نے لوگوں پر حق پوری طرح واضح کر دیا تھا اور تب ہی اللہ تعالیٰ کی حجت لوگوں پر قائم ہو گی۔ ورنہ اگر معاذ اللہ آپ ہی سے یہاں شہادت ادا کرنے میں کوئی کسر رہ گئی ہو تو نہ آپ آخرت میں اُن میں گواہ ہو سکتے ہیں اور نہ منکرین حق کے خلاف مقدمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس شہادت کو یہ معنی پہنانے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ آخرت میں لوگوں کے اعمال پر شہادت دیں گے اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں کے اعمال کو دیکھ

رہے ہیں، ورنہ بے دیکھے شہادت کیسے دے سکیں گے لیکن قرآن مجید کی رُو سے یہ تاویل قطعاً غلط ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں کے اعمال پر شہادت قائم کرنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا ہی انتظام فرمایا ہے۔ اس غرض کے لیے اُس کے فرشتے نامہ اعمال تیار کر رہے ہیں ملاحظہ ہو سورۃ ق: آیات ۱۷-۱۸ اور سورۃ الکہف آیت: ۴۹، اور اس کے لیے وہ لوگوں کے اپنے اعضاء سے بھی گواہی لے لے گا۔ [سورۃ یٰس: ۶۵، سورۃ حم السجدۃ: ۲۰-۲۱]

رہے انبیاء علیہم السلام، تو ان کا کام بندوں کے اعمال پر گواہی دینا نہیں بلکہ اس بات پر گواہی دینا ہے کہ بندوں تک حق پہنچا دیا گیا تھا۔ قرآن مجید صاف فرماتا ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۱).

''جس روز اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا گیا تو وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں، تمام غیب کی باتوں کو جاننے والے تو آپ ہی ہیں۔''

اور اسی سلسلے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ جب اُن سے عیسائیوں کی گمراہی کے متعلق سوال ہوگا تو وہ عرض کریں گے:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (۲).

''میں جب تک ان کے درمیان تھا اسی وقت تک اُن پر گواہ تھا جب آپ نے مجھے اُٹھا لیا تو آپ ہی ان پر نگراں تھے۔''

یہ آیات اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اعمال خلق کے گواہ نہیں ہوں گے پھر وہ گواہ کس چیز کے ہوں گے؟ اس کا جواب قرآن اتنی ہی صراحت کے ساتھ یہ دیتا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۳).

اور [اے مسلمانو!] اسی طرح ہم نے تم کو ایک اُمت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ (۴).

---

(۱) سورۃ المائدۃ ۵:۱۰۹ (۲) سورۃ المائدۃ ۵:۱۱۷ (۳) سورۃ البقرۃ ۲:۱۴۳ (۴) سورۃ النحل ۱۶:۸۹

''اور جس روز ہم ہر امت میں ان ہی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے اُن پر گواہی دے گا اور [اے محمد ﷺ] تمہیں ان لوگوں پر گواہ کی حیثیت سے لائیں گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کی شہادت اپنی نوعیت میں اُس شہادت سے مختلف نہ ہوگی جسے ادا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی امت کو اور ہر امت پر گواہی دینے والے شہداء کو بلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ شہادت اعمال کی ہو تو ان کا بھی حاضر و ناظر ہونا لازم آتا ہے اور اگر یہ گواہ صرف اس امر کی شہادت دینے کے لیے بلائے جائیں گے کہ خلق تک اس کے خالق کا پیغام پہنچ گیا تھا تو لامحالہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی غرض کے لیے پیش ہوں گے۔

اسی مضمون کی تائید وہ احادیث بھی کرتی ہیں جن کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، اور امام احمد وغیرہم نے عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابوالدرداء، انس بن مالک اور بہت سے دوسرے صحابہ ؓ سے نقل کیا ہے، جس کا مشترک مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت کے روز اپنے بعض اصحاب (۱) کو دیکھیں گے کہ وہ لائے جا رہے ہیں مگر وہ آپ کی طرف سے آنے کے بجائے دوسرے رُخ پر جا رہے ہوں گے یا دھکیلے جا رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ کر عرض کریں گے کہ خدایا' یہ میرے صحابی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نہیں جاتے کہ

---

(۱) اس کے بعض طرق میں أُصَيحابي کے الفاظ وارد ہیں' جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ امت کے دوسرے افراد ہیں جنہیں رسول اکرم ﷺ وضوء وغیرہ کے آثار سے پہچانیں گے کہ میرے امتی ہیں جب کہ صحابہ کرام ؓ کو رسول اکرم ﷺ نام بنام پہچانتے ہوں گے' چنانچہ حافظ ابن حجر امام فربری کے حوالے سے لکھتے ہیں: هم الذين ارتدوا على عهد أبي بكر ؓ فقاتلهم أبو بكر ؓ يعني :قتلوا و ماتوا على الكفر.

[فتح الباری ۱۱:۳۸۵' بذیل حدیث:۶۵۲۶]

''یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے عہدِ خلافت میں مرتد ہو گئے تھے' جن کے خلاف اُنہوں نے جہاد کیا' اور وہ کفر کی حالت میں قتل کئے گئے۔''

اور امام خطابی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: أُصَيحابي: فيه إشارةٌ إلى قلة عدد مَن وقع لهم ذلك' وإنما وقع لبعض جُفاة العرب ولم يقع مِن أحدٍ من الصحابة المشهورين.

[فتح الباری ۸:۲۸۶' بذیل حدیث:۴۶۲۵' ۱۱:۳۸۵' بذیل حدیث:۶۵۲۶]

''أُصَيحابي'' [اسمِ تصغیر] میں اس طرف اشارہ ہے کہ [عہد صدیقی میں] تھوڑے دیہاتی لوگ فتنہ ارتداد......

تمہارے بعد انہوں نے کیا کرتوت کیے ہیں۔ یہ مضمون اتنے صحابہ سے اتنی کثیر سندوں کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ اس کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں اور اس سے یہ بات صریحاً ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اپنی امت کے ایک ایک شخص اور اس کی ایک ایک حرکت کے شاہد قطعاً نہیں ہیں۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو وہ کسی طرح بھی اس مضمون سے متعارض نہیں ہے اس لیے کہ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کو امت کے حالات سے باخبر رکھتا ہے۔ اس کے یہ معنی کب ہیں کہ آپ ﷺ ہر شخص کے اعمال کا عینی مشاہدہ فرما رہے ہیں (۱)۔''

...... کے شکار ہو گئے اور کوئی مشہور صحابی اس فتنہ میں مبتلا نہیں ہوا۔''

جب کہ امام نووی لکھتے ہیں: أن المرادبه المنافقون والمرتدون فيجوز أن يحشروابالغرة و التحجيل فيناديهم النبي ﷺ للسيماء التي عليهم فيُقال: ليس هؤلاء مماوُعِدتَّ بِهم إنَّ هؤلاء بدلوا بعدك أي: لم يموتوا على ماظهرمِن إسلامهم.

[شرح صحیح مسلم ۳:۱۳۶ بذیل حدیث: ۲۴۷، فتح الباری ۱۱:۳۸۵ بذیل حدیث: ۶۵۲۶]

''اس سے مراد وہ منافقین ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسلام کا اِظہار کیا تھا چونکہ یہ لوگ بھی نمازیں پڑھا کرتے تھے اس لیے ان پر وضوء کے نشانات کا ظاہر ہونا کوئی اَنہونی بات نہیں، ان کے اعضاء پر موجود وضوء کے آثار ونشانات کے باعث رسول اللہ ﷺ انہیں بلائیں گے لیکن اُنہیں جواب میں کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ نہیں جن کی مغفرت کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ آپ کی وفات پا جانے کے بعد انہوں نے اسلام کی ظاہری پیروی بھی چھوڑ دی تھی، جس کے جواب میں آپ اُنہیں بد دعاء دیں گے۔''

اور حافظ ابن عبدالبر کے حوالہ سے لکھا ہے:

كُلُّ مَنْ أحدَثَ في الدِّينِ فهُوَ مِن المطرودين عن الحوض كالخوارج، والروافض وسائر أصحاب الأهواء و كذلك الظلمة المسرفون في الجور وطمس الحق و المعلنون بالكبائر، قال: و كل هؤلاء يخاف عليهم أن يكونوا ممن عنوا بهذاالخبر. [شرح صحیح مسلم ۳:۱۳۷]

''حوضِ کوثر سے ہر وہ شخص محروم رکھا جائے گا جس نے دین کے اندر کسی بدعت کو داخل کیا ہو جیسے خارجی، رافضی اور دیگر سب بدعتی گروہ، اور ظالم، حق کے خلاف برسرِ پیکار اور علانیہ کبیرہ گناہ کرنے والے، یہی سب لوگ اس حدیث کے مصداق ہیں۔''

(۱) تفہیم القرآن ۴:۱۰۵-۱۰۸

-۸: سند کا ذکر اور حدیث کے درجے کا تعین کیے بغیر بعض احادیث سے استدلال کرتے ہیں مثلاً:
وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (۱) کے تحت لکھتے ہیں: ''خود حضرتِ عائشہؓ کا اپنا خیال اس باب میں کیا تھا۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زوائد الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی کتابوں میں مسروق کی روایت نقل کی ہے کہ حضرتِ عائشہؓ جب تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں یہاں تک کہ ان کا اپنا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا کیوں کہ اس پر اُنہیں اپنی وہ غلطی یاد آتی تھی جو اُن سے جنگِ جمل میں ہوئی تھی (۲)''۔

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: أنها إذا قرأتُ هذه الآية بَكَتْ حتى تَبُلَّ خِمارَها (۳).

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کا اپنا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔''

معلوم نہیں کہ ''کیوں کہ اس پر اُنہیں اپنی وہ غلطی یاد آتی تھی جو اُن سے جنگِ جمل میں ہوئی تھی''۔ کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟

طبقات ابن سعد اور سیر أعلام النبلاء کی سند یہ ہے: محمد بن عمر، حدثنا سفيان الثوری عن الأعمش عن عمارة بن عمير قال: حَدَّثَنِي مَن سمع عائشة.

الزہد اور حلیۃ الاولیاء کی سند یہ ہے: سفيان عن الأعمش عن أبي الضُّحى حَدَّثَنَا مَن سمع عائشة. ان دونوں سندوں میں درجِ ذیل خامیاں ہیں:

- پہلی سند میں محمد بن عمر جس ہستی کا نام ہے وہ ''واقدی'' کے نام سے مشہور ہیں جن کے بارے

---

(۱) سورۃ النور ۲۴:۳۳ (۲) تفہیم القرآن ۴:۹۰-۹۱

(۳) الزہد: ۲۰۵، طبقات ابن سعد ۸:۸۱، حلیۃ الاولیاء ۲:۴۸، سیر أعلام النبلاء ۲:۱۷۷

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: وماذاك إلَّا لأنَّ قراء تها تُذَكِّرُها الواقعة التي قُتِلَ فيها كثير من المسلمين ......وليس بكائها عند قراءة الآية لعلمها بأنها أخطأت في فهم معناها أو أنها نسيتها يوم خرجت كما تُوُهِّمَ. [روح المعاني ۲۲:۲۶۰]

''مذکورہ آیت پڑھنے پر رونا اس لیے نہ تھا کہ قرار فی البیت کی خلاف ورزی اُن کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آیا اُس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔''

میں امام شافعی فرماتے ہیں: واقدی کی سب کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں: احادیث وضع کرتا تھا اور متروک الحدیث تھا (۱)۔

امام احمد فرماتے ہیں: بڑا جھوٹا تھا اور احادیث میں ہیر پھیر کرتا تھا (۲)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: الواقدي أجمعت الحفاظ على تركه (۳).

''واقدی کے جھوٹا ہونے پر حفاظِ حدیث کا اِجماع ہے۔''

یہ بھی فرماتے ہیں: ''واقدی کی لغو بیانی مسلم ہے (۴)۔''

اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''وسیع علم رکھنے کے باوجود متروک تھا (۵)۔''

کسی جھوٹے اور متروک راوی کی روایت ''موضوع'' اور نا قابل استدلال ہوتی ہے۔

– ان دونوں سندوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسے نقل کرنے والے کا نام ہی مذکور نہیں اس لیے بھی یہ روایت نا قبل استدلال ہے کیوں کہ مجہول راوی کی روایت حجت نہیں ہوتی۔

–ان دونوں سندوں میں سفیان بن سعید ثوری ہیں جو ''سفیان ثوری'' کے نام سے مشہور ہیں اس میں وہ ''عَنْ'' کہہ کر روایت نقل کرتے ہیں۔ اصول حدیث میں ایسی روایت ''مُعَنْعَنْ'' کہلاتی ہے۔ سفیان ثوری ثقہ ہونے کے باوجود بکثرت تدلیس کرنے والے ہیں (۶) اس لیے یہ روایت نا قابل استدلال اور مردود ہے۔

–ان دونوں سندوں میں اعمش بھی ہیں جن کا نام ''سلیمان بن مہران'' ہے جو مدلس ہیں (۷)۔

---

(۱) الجرح والتعدیل ۸: ۲۱ (۲) الجرح والتعدیل ۸: ۲۱ (۳) سیر اعلام النبلاء ۹: ۴۷۱-۴۷۲

(۴) میزان الاعتدال ۳: ۶۶۳ (۵) تقریب التہذیب: ۴۹۹' ترجمہ: ۶۱۷۵

(۶) حافظ ذہبی فرماتے ہیں: کثرت سے تدلیس کیا کرتے تھے اس لیے اُن کی معنعن روایت مقبول نہیں۔

[میزان الاعتدال ۱: ۴۲۷]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: مشہور امام' فقیہ' عابد اور حافظِ کبیر تھے۔ امام نسائی وغیرہ نے اُنہیں مدلس کہا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں: بکثرت تدلیس کیا کرتے تھے۔

[تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس: ۶۴' ترجمہ: ۵۱-[۱۸]

(۷) تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس: ۶۷' ترجمہ: ۵۵-[۱۸]

-9: حدیث کو حجت ماننے کے باوجود محض قرآن وحدیث کے ظاہری باہمی تعارض کو بنیاد بنا کر ایک مقام پر صحیح حدیث کی تردید کردی ہے۔قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (۱).

''اور [اِس] کتاب میں ابراہیم [علیہ السلام] کا ذکر کرو وہ بڑا راستی والا تھا۔ نبی تھا۔''

جب کہ ایک حدیث میں ہے: لم يكذب إبراهيمُ عليه السلام إلّا ثلاث كذبات: ثنتين منهن في ذات الله عزوجل قوله: اِنِّي سَقِيمٌ، وقوله: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا، و قال: بيناهو ذاتَ يومٍ و سارةُ إذ أتى على جبّارٍ من الجبابرة، فقيل له: إن هاهنا رجلًا معه امرأةٌ من أحسن الناس، فأرسل إليه فسأله عنها فقال: مَن هذه؟ قال: أختي...... (۲).

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین موقعوں میں تعریض (۳) سے کام لیا، جن میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور ایک کا تعلق اُن سے ہے، ایک یہ کہ جب اُن کی قوم کے بعض اَفراد نے اُن سے اُن کے میلہ میں شرکت کرنے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرا یہ

---

(۱) سورۃ مریم ۱۹:۴۱

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب قول اللہ: واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً [۸] حدیث: ۳۳۵۸، کتاب النکاح [۶۷] باب اتخاذ السراری [۱۳] حدیث: ۵۰۸۴، صحیح مسلم، کتاب الفضائل [۴۳] باب من فضائل ابراہیم الخلیل علیہ السلام [۴۱] حدیث: ۲۳۷۱

(۳) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: التَّعريضُ كلامٌ له وجهان من صدق و كَذِبٍ أو ظاهرٍ وباطنٍ. قال: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ. قيل: هو أن يقولَ لها: أنتِ جَمِيلَةٌ و مرغُوبٌ فِيكِ. [المفردات: ۳۳۱]

''تعریض: پہلودار بات کرنا جو سچ جھوٹ اور ظاہر وباطن دونوں معنی پر محمول ہوسکتی ہو اور آیت کریمہ:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ. [سورۃ البقرۃ ۲:۲۳۵]

''اور اس بات میں کوئی گناہ نہیں جو تم ان عورتوں سے پیغامِ نکاح کے قسم کی بطریقِ تعریض واشارہ کہو یا اپنے دلوں میں رکھو۔''

میں بعض نے کہا ہے کہ نکاح کے پیغام میں تعریض کی صورت یہ ہے کہ عورت سے مثلاً کہا جائے: تم بہت خوب صورت ہو۔ پسندیدہ نظر ہو وغیرہ۔''

کہ جب بتوں کی شکست وریخت کے سلسلہ میں اُن سے دریافت کیا گیا تو اُن کا جواب اِس طرح منقول ہے کہ: اسے کیا ہے [جس نے بھی کیا ہے] ان میں سے یہ ایک [اُن کا] بڑا ہے' ان ہی سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہوں اور تیسری بات یہ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جب مصر سے گذر ہوا تو اُنہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ یہاں کا بادشاہ جابر اور ظالم ہے۔ اگر کسی حَسین و جمیل عورت کو دیکھتا ہے تو اُس کو زبردستی چھین لیتا ہے اور اُس کے ساتھی مرد کو اگر وہ اُس عورت کا شوہر ہے تو قتل کر ڈالتا ہے اور اگر کوئی دوسرا عزیز ہے تو اُس سے کوئی تعرض نہیں کرتا' تم چونکہ میری دینی بہن ہو اور اِس سرزمین میں میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان نہیں ہے اس لیے تم اُس سے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب شب میں اُس نے ارادۂ بد کیا تو اُس کا ہاتھ شَل ہو کر رہ گیا اور وہ کسی طرح سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ یہ دیکھ کر اُس نے سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے رب سے دعاء کرو کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے تو میں تجھ کو رہا کر دوں گا۔ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے دعاء کی' مگر اُس نے پھر ارادۂ بد کیا۔ دوبارہ اُس کا ہاتھ شَل ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی تمام قصہ پیش آیا تب اُس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنّ ہے۔ انسان نہیں ہے' اس کو میرے پاس سے جلدی لے جاؤ اور ساتھ ہی سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو حوالہ کر کے کہا کہ اِس کو اپنے ساتھ لے جا' میں نے تیرے حوالہ کیا......"

یہ حدیث بظاہر قرآن کریم سے متصادم نظر آتی ہے اس لیے کئی لوگوں نے بڑی شدومد سے اس کی صحت سے انکار کر دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی کی رائے

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں کئی جگہ اس کے خلاف لکھا' وہ لکھتے ہیں:

واعلم أن بعض الحشوية روى عن النبي ﷺ أنه قال: ما كذب ابراهيم عليه السلام إلا ثلاث كذبات' فقلتُ: الأولى أن لا يقبل مثل هذه الأخبار' فقال على طريق الإستنكار فإن لم نقبله لزمنا تكذيب الرواة' فقلتُ له: يا مسكين إن قبلناهُ لزمنا الحكم بتكذيب إبراهيم

عليه السلام وإن رددناه لزمنا الحكم بتكذيب الرواة، ولاشك أن صون إبراهيم عليه السلام عن الكذب أولى من صون طائفةٍ من المجاهيل عن الكذب (۱).

''اچھی طرح جاننا چاہئے کہ بعض حشویہ نے ''کذبات ابراہیم'' والی روایت نقل کی تو میں نے اُسے کہہ دیا کہ بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی روایت قبول نہ کی جائے، اس پر وہ کہنے لگا: پھر تو اس کے راویوں کو جھوٹا ماننا پڑے گا؟ میں نے اُسے کہا: اے مسکین! اگر ہم اس روایت کو قبول کریں گے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا مانیں گے اور اگر اس کو رد کریں گے تو حدیث کے راویوں کی تکذیب ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ مجہول راویوں کی بنسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹ بولنے سے مبرا قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔''

آپ یہ بھی لکھتے ہیں: أما الخبر وهو الذي رووه، فلأن يُضاف الكذب إلى رواته أولى مِن أن يضاف إلى الأنبياء عليهم السلام......ثم إن ذلك الخبر إن صَحَّ فهو محمولٌ على المعاريض على ما قال عليه السلام: إن في المعاريض لمندوحةٌ عن الكذب (۲).

''اس باب میں جو یہ روایت ان لوگوں نے پیش کی ہے، سو انبیاء کی طرف کذب کو منسوب کرنے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ اس روایت کے راویوں کی طرف اسے منسوب کیا جائے، پھر اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اسے ''معاریض'' پر محمول کیا جائے گا۔''

آپ یہ بھی فرماتے ہیں: قال بعضهم ذلك القول عن إبراهيم عليه السلام كذبة، ورووا فيه حديثا عن النبي ﷺ أنه قال: ما كذب إبراهيم إلّا ثلاث كذبات، قلت لبعضهم: هذا الحديث لاينبغي أن يقبل، لأن نسبة الكذب إلى ابراهيم عليه السلام لا تجوز، فقال ذلك الرجل: فكيف يُحكم بكذب الرواة العدول؟ فقلت: لما وقع التعارض بين نسبة الكذب إلى الراوي وبين نسبته إلى الخليل كان من المعلوم بالضرورة أن نسبته إلى الراوي أولى (۳).

---

(۱) التفسير الكبير ۶: ۴۴۳، بذیل تفسیر سورۃ یوسف ۱۲: ۲۴

(۲) التفسير الكبير ۸: ۱۵۶، بذیل تفسیر سورۃ الانبیاء ۲۱: ۶۳

(۳) التفسير الكبير ۹: ۳۴۲، بذیل تفسیر سورۃ الصافات ۳۷: ۸۳-۹۴

''ان میں سے بعض نے ''کذب'' کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے اور اس بارے میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے' میں نے اس باب میں ایک شخص سے کہا کہ کذب کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف نامناسب ہے' اس پر وہ شخص بولنے لگا: ثقہ اور عادل راویوں کی طرف کذب کی نسبت کیوں کر کی جا سکتی ہے؟ تو میں نے اُسے کہا: جب نبی اور راوی میں سے کسی ایک کی طرف ''کذب'' کو منسوب کرنا پڑ جائے تو ضروری ہے کہ اُسے نبی کے بجائے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔''

عبدالوہاب نجار مصری کی رائے

مشہور مصری مصنف علامہ عبدالوہاب النجار بھی اِس باب میں امام رازی کے خوشہ چین ہیں اور انہوں نے بھی اس روایت پر اپنے تحفظات کو ذِکر کیا ہے۔ اُن کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ ''جس وقت شاہ مصر کا سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو چھیڑنے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۷۵ سال اور سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ سال تھی' چنانچہ اس عمر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ خوف لاحق ہونا بجائے خود ایسا مہمل افسانہ ہے کہ ہر شخص اس کو سن کر ماننے سے انکار کر دے گا(۱)۔''

سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی رائے

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں: ''بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آ گئی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں ان میں سے ایک ''جھوٹ'' تو یہ [بتوں کو توڑنے کے واقعہ میں: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہنا] ہے اور دوسرا جھوٹ سورۃ الصافات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول: اِنِّیْ سَقِيْمٌ ہے اور تیسرا جھوٹ اُن کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذِکر قرآن میں نہیں بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُسے بخاری اور مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا اِلزام عائد ہوتا ہے(۲)۔''

---

(۱) قصص الانبیاء: ۱۰۸-۱۲۵ مع الهوامش (۲) تفہیم القرآن ۳: ۱۶۷' بذیل سورۃ الانبیاء ۲۱: ۶۳' حاشیہ: ۶۰

مزید لکھتے ہیں کہ: ''لیکن ہمارے لیے ان راویوں کو جھوٹا ماننا جس قدر مشکل ہے اس سے بدرجہا زیادہ مشکل یہ باور کرنا ہے کہ ایک نبی نے جھوٹ بولا ہوگا' یا نبی ﷺ نے معاذ اللہ' ایک نبی پر دروغ گوئی کا جھوٹا الزام لگایا ہوگا' اس لیے لامحالہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اس معاملہ میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنا پر نبی کا ﷺ ارشاد صحیح طور پر نقل نہیں ہوا...... رہا تیسرا جھوٹ تو وہ دراصل اُن مہمل افسانوں میں سے ایک ہے جو کہ بائبل میں انبیاء کے نام پر گھڑے گئے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش میں یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ بیان کیا گیا ہے (۱)۔''

اس صحیح حدیث سے ان لوگوں کے انکار کی بنیادی وجوہ یہ ہیں:

[ا] بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آ گئی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کذبات کا ذکر ایک روایت میں مذکور نہیں' بلکہ صرف صحیح بخاری میں ان ہی کذبات ثلاثہ کا تذکرہ پانچ مقامات پر ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو' احادیث: ۲۲۱۷' ۲۶۳۵' ۳۳۵۸' ۵۰۸۴' ۶۹۵۰۔ کہیں پورا متن ہے' کہیں مختصر' کہیں تعلیقاً اور کہیں مرفوعاً البتہ کتاب احادیث الانبیاء [حدیث: ۳۳۵۸] میں یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نیز یہ حدیث صحیح مسلم [حدیث: ۲۳۷۱] سنن ترمذی [حدیث: ۳۱۶۶] سنن ابی داؤد [حدیث: ۲۲۱۲] اور مسند احمد [۲: ۴۰۳] میں بھی موجود ہے۔

اس کے علاوہ احادیث شفاعت میں بھی اِن کذبات کا ذِکر ہے' چنانچہ مروی ہے کہ قیامت کے دن جب میدانِ حشر میں لوگ پریشان ہو کر مختلف وجوہ بیان کریں گے' اس موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اِن تینوں کذبات کا یوں ذِکر کرتے ہوئے معذرت فرمائیں گے:

اِنِّي قَدْ كَذَبْتُ ثَلاثَ كَذِبَاتٍ (۲).

''میں نے تین کذبات [معاریض] کہے ہیں۔''

---

(۱) رسائل و مسائل ۲: ۳۵-۳۶' چودھویں اشاعت: اکتوبر ۱۹۸۲

(۲) صحیح بخاری' کتاب تفسیر القرآن [۶۵] باب ذریۃ من حملنا مع نوح [۵] حدیث: ۴۷۱۲

[۲] دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قرآن میں مذکورہ اَقوال پر لفظِ جھوٹ کا اِطلاق نہیں ہوتا؟

حدیث میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اقوال: اِنِّیْ سَقِیْمٌ اور بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا پر کذب کا جو اِطلاق کیا گیا ہے وہ لغۃً ہے' اصلاً وہ کذب شرع میں حرام نہیں۔

خود مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ اس جملہ میں: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بت شکنی کے اِس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اِس سے اُن کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے(۱)۔''

[۳] تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ روایت ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔

جان لینا چاہئے کہ عربی زبان میں کذب کے معنی صرف جھوٹ ہی کے نہیں ہوتے' جسے شریعت میں حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ اس روایت میں کیڑے نکالنے والوں نے حدیث میں وارِد لفظِ کذب کو شرع میں حرام جھوٹ پر محمول کرلیا ہے' حالانکہ عربی لغت اور احادیث میں یہ لفظ کئی معانی کے لیے مستعمل ہے' مثلاً:

-۱: وجوب اور لزوم: اہلِ لغت ''کَذَبَ عَلَیْکُمُ الحجَّ'' کے معنی یہ بتاتے ہیں: تم پر حج لازم ہو گیا(۲)۔

-۲: غلطی اور خطاً: فتح مکہ کے دن سید الانصار سیدنا سعد بن عُبادۃ رضی اللہ عنہ(۳) نے فرمایا:

یأباسفیانُ الیومُ یومُ المَلحَمَةِ' الیومَ تُستَحَلُّ الکعبة(۴).

''ابوسفیان! آج تو خوب قتل وقتال کا دن ہے' آج کعبہ میں سب کچھ جائز ہوگا۔''

---

(۱) تفہیم القرآن ۳: ۱۶۷

(۲) معجم مقاییس اللغۃ: ۸۸۸' الصحاح ۱: ۲۱۱' تہذیب اللغۃ ۱۰: ۱۰۰' النہایۃ ۴: ۱۳۷

(۳) سعد بن عُبادۃ بن دلیم بن حارثہ خزرجی ابوثابت رضی اللہ عنہ' صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ سے تعلق تھا۔ بنوخزرج کے سردار وامیر تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں میں خط وکتابت' تیراندازی اور تیرنے میں مہارت تامہ رکھنے کی وجہ سے ''کامل'' کہلاتے تھے۔ ۱۴ھ = ۶۳۵ء کو حوران میں وفات پائی۔ [الاصابۃ ۲: ۳۰' الاعلام ۳: ۸۵]

(۴) صحیح بخاری' کتاب المغازی [۶۴] باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح [۴۹] حدیث: ۴۲۸۰

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ (۱) نے رسول اکرم ﷺ سے اس کی شکایت کی، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: كَذَبَ سعدٌ، ولكن هٰذا يومٌ يُعظِّمُ اللّٰهُ فيه الكعبة (۲).

"سعد [رضی اللہ عنہ] نے غلطی کی ہے، آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کو تعظیم و تکریم دیں گے۔"

کسی نے سیدنا عُبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ (۳) کے سامنے تذکرہ کیا کہ:

زعم أبو محمد رضی اللہ عنہ أنَّ الوتر واجبٌ، فقال عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ: كذب أبو محمد، أشهدُ أني سمعتُ رسول اللّٰه ﷺ يقول: خمس صلوات افترضهن اللّٰه تعالىٰ، مَن أحسنَ وضوءَ هن وصلاّهنَّ لوقتهن وأتمَّ ركوعهن وخشوعهن كان له على اللّٰه عهد أن يغفرله، ومَن لم يفعل فليس له على اللّٰه عهدٌ، اِن شاءَ غفر له وإن شاءَ عذَّبَهُ (۴).

"ابومحمد رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے؟ اس پر عُبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ خطأ اور غلطی کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے [شب و روز میں] پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس جو کوئی اچھے طریقہ سے وضوء

---

(۱) ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی اور رسول اکرم ﷺ کے سسر ہیں۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد محترم ہیں۔ ۵۷ قبل ہجری = ۵۶۷ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اسلام کے شدید مخالف تھے۔ فتح مکہ کے دن ۸ھ کو اسلام قبول کیا اور استقامت اختیار کی۔ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شرکت کی۔ غزوۂ طائف میں اُن کی آنکھ ضائع ہوئی۔ غزوۂ یرموک میں اُن کی دوسری آنکھ بھی کام آئی۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت آپ نجران میں اُن کے عامل کی حیثیت سے مقرر تھے، پھر شام تشریف لے گئے۔ ۳۱ھ = ۶۵۲ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ایک قول شام کا بھی ہے۔

[اسد الغابۃ ۵:۱۱۵-۱۱۶، ترجمہ: ۵۹۷۰، الاعلام ۳:۲۰۱]

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح [۴۹] حدیث: ۴۲۸۰

(۳) عبادۃ بن الصامت بن قیس انصاری خزرجی ابوالولید رضی اللہ عنہ، صحابی ہیں۔ ۳۸ قبل ہجری = ۵۸۶ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بیعت عقبہ، غزوۂ بدر اور سارے مشاہد میں حاضر تھے۔ فلسطین کے اولین قاضی رہے ہیں۔ آپ سے ۱۸۱ اَحادیث مروی ہیں۔ ۳۴ھ = ۶۵۴ء کو رملۃ یا بیت المقدس میں وفات پائی۔ سادات صحابہ میں سے تھے۔ [اسد الغابۃ ۲:۵۲۶، ترجمہ: ۲۷۹۲، الاعلام ۳:۲۵۸]

(۴) سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ [۲] باب المحافظۃ علی وقت الصلوات [۹] حدیث: ۴۲۵

کرے اور اپنے مقررہ اوقات میں خشوع اور خضوع اور رکوع کے اِتمام کے ساتھ اِن نمازوں کو ادا کریں تو ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس کی مغفرت کرے گا' اور جو کوئی ایسا نہ کرے' اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں' اگر وہ چاہیں' تو معاف کر دے اور چاہیں تو عذاب دے۔''

اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام خطابی (۱) لکھتے ہیں:

قلتُ: كذب أبو محمد' يريدُ: أخطأ أبو محمد' لم يرد به تعمد الكذب' الذي هو ضد الصدق' لأنّ الكذب إنما يجري في الإخبار' و أبو محمد هذا إنما أفتى فُتيا' ورأى رأياً فأخطأ فيما أفتى به' وهو رجلٌ من الأنصار' له صحبةٌ' و الكذب عليه في الإخبار غير جائز' والعرب تضع الكذب موضع الخطإ في كلامِها' فتقول: كذب سمعي' و كذب بصري أي: زلّ' ولم يدر ما رأى و ما سمع' ولم يحط به...... ومن هذا قول النبي ﷺ للرجل الذي وصف له العسل: صدق الله و كذب بطن أخيك' وإنما أنكر عُبادة رضی اللہ عنہ أن يكون الوتر واجباً وجوبَ فرضٍ كالصلوات الخمس دون أن يكون واجباً في السنة' ولذلك استشهد بالصلوات الخمس المفروضات في اليوم و الليلة (۲).

''میں [امام خطّابی] کہتا ہوں' کہ سیدنا ابو محمد رضی اللہ عنہ (۳) کی طرف کذب کی نسبت کا مقصد یہ ہے کہ وہ خطا کا شکار ہو گئے ہیں' اور یہاں کذب سے مراد صدق کا ضد نہیں ہے' اس لیے کہ زیر بحث روایت میں اُنہوں نے اپنے اجتہاد کے بناء پر ایک فتویٰ دیا ہے' نہ کہ کوئی جھوٹی بات کہی ہے۔ یہ بھی ہے

---

(۱) حَمد بن محمد بن ابراہیم بن خطّاب 'بُستی' 'ابو سفیان' کابل کے علاقہ بُست سے تعلق رکھتے تھے۔ ۳۱۹ھ = ۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ زید بن خطّاب برادرِ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔ علم حدیث سے متعلق کئی مفید تصانیف لکھیں۔ بُست ہی میں ۳۸۸ھ = ۹۹۸ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۱۹' الاعلام ۲: ۲۷۳]

(۲) معالم السنن ۱: ۲۹۵-۲۹۶' بذیل حدیث: ۴۲۵

(۳) ابو محمد انصاری مُخدَجی رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے' اُن کا نام مسعود بن زید بن سُبَیع لیا گیا ہے۔ اور قیس بن عَبایۃ بن حارث خولانی' جو بنو حارثہ بن حارث اوسی کے حلیف تھے۔ شام یا داریا میں رہائش تھی۔ غزوہ بدر میں شریک رہے ہیں۔ مغرب میں وفات پائی۔ [تہذیب الکمال ۳۴: ۲۶۰]

24

کہ یہ ابو محمد رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں' اور یہ معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ عرب اپنی زبان میں کبھی کبھار کذب کو خطاٴ کی جگہ استعمال کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ: كَذَبَ سَمعِي و كذبَ بَصَرِي جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میری آنکھوں اور کان کو دھوکہ لگا ہے اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اور سنا اُسے محفوظ نہ رکھا اور اسی معنیٰ میں رسول اکرم ﷺ کی وہ روایت وارد ہے جس میں مذکور ہے کہ: صدق الله و كذب بطن أخيك (۱).

''اللہ نے درست فرمایا ہے [کہ شہد میں شفاء ہے مگر] تمہارے بھائی کا پیٹ خراب ہے [اس لیے ایک دو بار شہد پلانے سے پورا فائدہ نہیں ہوا] اور سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وتر فرض نمازوں کی طرح لازمی نماز نہیں ہے' اس لیے پانچ فرض نمازوں کا تذکرہ فرمایا۔''

اس قسم کے توریہ اور تعریض کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً سفر ہجرت میں جب کسی شخص نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ آپ کے رفیق کون ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا تھا: هذا الرجل يهديني السبيل (۲).

''یہ وہ شخص ہیں جو میری رہنمائی کرتے ہیں۔''

لوگ اُن کے جواب سے دنیوی رہبر مراد لیتے' حالانکہ اُن کی مراد آخرت کی رہنمائی تھی۔ کیا اس صحیح حدیث سے انہیں ''کاذب'' کہنے کی جسارت کی جائے گی۔ ہمارا جواب تو نفی میں ہے' اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ صدیق تھے اور اُن کی یہ بات تعریض پر محمول ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں ''کذب'' کو تعریض پر اس طرح محمول کریں گے کہ سَقِيمٌ کے دو معنی ہیں: جسمانی مریض اور روحانی مریض' اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔

فَعَلَهٗ كَبِيرُهُمْ کے بھی دو معنی ہیں: بڑے بت نے یہ کام کیا' یا بلکہ جس نے بھی کیا ہے [اچھا کیا ہے] ان کا بڑا بت یہ ہے' ان سے پوچھ لو اگر یہ بات کر سکتے ہیں تو جواب دیں گے۔ یہاں بھی دوسرا ہی

---

(۱) صحیح بخاری' کتاب الطب [۷۶] باب الدواء بالعسل [۴] حدیث: ۵۶۸۴' باب دواء المبطون [۲۴] حدیث: ۵۷۱۶' صحیح مسلم' کتاب السلام [۳۹] باب التداوی بسقی العسل [۳۱] حدیث: ۲۲۱۷

(۲) صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار [۶۳] باب ہجرة النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ [۴۵] حدیث: ۳۹۱۱

معنی مراد ہے۔

اُختِی کے بھی دو معنی ہیں: نسبتی اور دینی بہن، جب کہ یہاں بھی دوسرا معنی مراد ہے۔

[۴] سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف کذب کی نسبت نامناسب ہے، بلکہ راوی کو جھٹلایا جائے گا۔

امام رازی سمیت دوسرے منکرین نے قطعاً اس باب میں غور نہیں کیا کہ جن راویوں سے یہ روایت منقول ہے اُنہی راویوں سے اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں، جس عیب [کذب] کی بناء پر زیر بحث روایت کو ردّ کیا جائے گا، لامحالہ اس کا اثر اُن کی باقی تمام احادیث پر بھی پڑے گا، اس لیے یہ انکار نتائج کے اعتبار سے آسان نہیں بلکہ نہایت خطرناک بھی ہے۔

نیز امام رازی کسی حجت و برہان کے بغیر اس کے رُواۃ کو مجہول کہہ رہے ہیں، جب کہ کسی راوی کا مجہول ہونا محتاجِ دلیل ہوتا ہے۔ محض کسی کو مجہول کہنے سے کوئی مجہول نہیں بنتا۔

قاضی عیاض[(۱)] لکھتے ہیں: فاعلم أكرمك الله أن هذه كلها خارجة عن الكذب، لا في القصد ولا في غيره، وهي داخلة في باب المعاريض[(۲)].

''خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ ساری باتیں قطعاً کذب نہیں ہیں، بلکہ ان کا تعلق معاریض سے ہے۔''

اُنہوں نے بھی فرمایا ہے: فهذا النبي ﷺ قد سماها كذبات، وقال: لم يكذب إبراهيم عليه السلام إلّا ثلاث كذبات، وقال في حديث الشفاعة: ويذكر كذباته، فمعناه: أنه لم يتكلم بكلام صورته صورة الكذب وإن كان حقًّا في الباطن إلّا هذه الكلمات، ولما كان مفهوم ظاهرها خلاف باطنها أشفق إبراهيم عليه السلام بمؤاخذته بها[(۳)].

''رسول اللہ ﷺ نے اِن اشیاء پر کذبات کا اطلاق فرمایا ہے اور حدیث شفاعت میں بھی اُن کی

(۱) عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو، یحصبی، سبتی، ابوالفضل، سبتہ [مغرب] میں ۴۷۶ھ=۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ سبتہ کے قاضی [judge] رہے ہیں۔ ۵۴۴ھ= ۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیئے گئے۔ [وفیات الاعیان ۳:۴۸۳، الاعلام ۵:۹۹]

(۲) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲:۱۲۲

(۳) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲:۱۲۳

زبانی اِن کے لیے کذبات کالفظ استعمال کیا ہے' سواس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کا ظاہری مفہوم مرادنہیں تھا اس لیے اِن پر کذب کا اطلاق کیا۔''

علامہ قسطلانی (۱) لکھتے ہیں: وجواب الإمام له بأنه لماوقع التعارض بين نسبة الكذب إلى الخليل عليه السلام كان من المعلوم بالضرورةأن نسبة الكذب إلى الراوي أولى ' فليس بشيء 'إذِ الحديث صحيحٌ ثابتٌ ' وليس فيه نسبة محض الكذب إلى الخليل عليه السلام و كيف السبيلُ إلى تخطئة الراوي مع قوله:اِنِّیْ سَقِیْمٌ'وبَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا'وعن سارة أختي 'إذظاهر هذه الثلاثة بلاريب غير مراد (۲).

''اورامام رازی کا یہ اِرشاد کہ کسی نبی کو جھوٹ کی نسبت کرنے کی بجائے بہتر بات یہ ہے کہ حدیث کے راوی کو جھوٹا قرار دیا جائے' سواُن کی یہ بات بالکل نا قابل اِلتفات ہے'اس لیے کہ یہ حدیث صحیح ہے' پھراس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف محض کذب کی نسبت نہیں کی گئی ہے'اور حدیث کے راوی کو کس بِناء پر جھوٹا کہا جاتا ہے' جب کہ اُن کے اِرشادات میں: ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ ' بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور سارةُ أختي ''موجود ہے'ہمارے نزدیک اِن کے ظاہری معنی ہرگز مرادنہیں ہیں بلکہ ہم اِنہیں توریہ اورمعاریض کے مد میں داخل مانتے ہیں۔''

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: الكلامُ له نسبتان:نسبةٌ إلى المتكلم وقصدِه وإرادتِه ونسبة إلى السامع وإفهام المتكلم إياه مضمونه'فإذاأخبر المتكلم بخبرمطابق للواقع وقصدإفهام المخاطَب فهو صدق من الجهتين . و إن قصد خلاف الواقع وقصد مع ذلك إفهام المخاطَب خلاف ما قصد بل معنى ثالثاً ' لا هو الواقع ولا هو المراد ' فهو كذبٌ من الجهتين بالنسبتين معاً ' و إن قصدمعنى مطابقاًصحيحاً وقصد مع ذلك التعمية على

(۱) احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک 'قسطلانی 'قتیبی 'مصری۔۸۵۸ھ=۱۴۴۸ءکو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث'سِیر اور تجوید وقراءت میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ علمِ حدیث کے چوٹی کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں قاہرہ ہی میں ۹۲۳ھ=۱۵۱۷ءکو وفات پائی۔[البدر الطالع ۱:۱۰۲'الاعلام ۱:۲۳۲]

(۲) ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ۵:۳۴۸

المخاطَبِ و إفهامه خلاف ماقصده فهو صدقٌ بالنسبة إلى قصده كذبٌ بالنسبة إلى إفهامه، ومن هذاالباب: التورية والمعاريض، وبهذاأطلق عليها إبراهيم الخليل عليه السلام اسم الكذب مع أنه الصادق في خبره، ولم يخبرإلّا صدقاً، فتأمّل هذاالموضع الذي أشكل على الناس، وقد ظهر بهذاأن الكذب لايكون قطُّ إلّا قبيحاً، وأن الذي يحسن ويجب إنماهو التورية وهي صدقٌ وقديُطلقُ عليهاالكذب بالنسبة إلى الإفهام، لاإلى العناية (۱).

''کلام وگفتگو کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں: **ایک** متکلم کے قصد اور ارادے کے لحاظ سے **اور دوسری** سامع کے اعتبار سے، یعنی متکلم سامع کے ذہن میں کیا اُتارنا چاہتا ہے۔ ان دونوں نسبتوں کے لحاظ سے کلام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

-۱: متکلم اصل واقعہ کے مطابق خبر دے اور اس کی نیت بھی یہی ہو کہ صحیح صورتِ حال سے مخاطَب آگاہ ہوجائے۔ یہ صورت مذکورہ بالا دونوں نسبتوں [واقعہ اور ارادہ] کے لحاظ سے سچ پر مشتمل ہوگی۔

-۲: دوسری صورت یہ ہے کہ خلافِ واقعہ خبر دی جائے اور جو متکلم کا مقصود ہے وہ بھی مخاطَب پر ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ کوئی تیسرا مفہوم مخاطَب کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جائے جو نہ واقع کے مطابق ہو اور نہ متکلم کا مطمعِ نظر ہو۔ اس صورت کو دونوں نسبتوں کے لحاظ سے کذب [یعنی: جھوٹ] مانا جائے گا۔

-۳: تیسری شکل یہ ہے کہ متکلم کے پیش نظر واقعہ کے مطابق صحیح خبر دینا ہی مقصود ہوتا ہے لیکن وہ گفتگو کا ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے کہ مخاطَب کا ذہن متکلم کے اصل مقصد کو سمجھنے کی بجائے ایسے امر کی طرف منتقل ہوجائے جو متکلم کا منشا نہیں ہے۔ یہ صورت اصلِ واقعہ کے لحاظ سے صدق ہے لیکن مخاطَب کے فہم کے اعتبار سے اس پر کذب کا اِطلاق ہوسکتا ہے۔ اس قسم کے اسلوبِ کلام کو توریہ اور تعریض کہا جاتا ہے، اس پہلو کے پیش نظر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کلام پر کذب کا اِطلاق کیا گیا ورنہ اصل واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس گفتگو میں سچے ہیں (۲)''۔

---

(۱) مفتاح دار السعادۃ: ۴۲۵

(۲) متونِ حدیث پر جدید ذہن کے اِشکالات: ۲۹۹-۳۰۰

۱۰۔ بعض جگہ ایسی تفسیر کر لیتے ہیں جس سے اتفاق کرنا ممکن نہیں ہوتا، مثلاً: سیدنا نوح علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جانِ جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں مُتنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضیٰ ہے (۱)۔''

اس عبارت میں مولانا صاحب نے تصریح کر دی کہ:

[۱] سیدنا نوح علیہ السلام بشری کمزوری سے مغلوب ہو گئے تھے۔

[۲] اور سیدنا نوح علیہ السلام نے جاہلیت کے جذبہ کے تحت اپنے بیٹے کے لیے دعاء کی تھی۔

اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (۲) سے یہ استدلال ہی غلط ہے۔ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ: فالمراد النهي عن وُقوع السؤال في المستقبل بعد أن أعلمه سبحانه باطن أمره و أنه إنْ وقع في المستقبل في السؤال كان من الجاهلين، والغرض من ذلك تقديم ما يبقيه عليه السلام على سمت العصمة، والموعظة لاتستدعي وقوع ذنب، بل المقصد منها أن لا يقع الذنب في الإستقبال، ولذلك امتثل عليه السلام ذلك و استعاذ بالله سبحانه أن يقع منه ما نهى عنه (۳).

''اس سے مراد مستقبل میں اس قسم کا سوال کرنے کی ممانعت ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اُنھیں اُن کے بیٹے کی باطنی حالت بتا دی کہ وہ کافر ہے، اب اس علم کے باوجود اگر مستقبل میں اس قسم کی دعاء کی جائے گی تب آپ جاہلوں میں سے ہو جائیں گے، اس سے غرض آپ کی عصمۃ کی

---

(۱) تفہیم القرآن ۲: ۳۴۳-۳۴۴ طبع سوم ۱۹۶۳ء و ما بعد
(۲) سورۃ ھود ۱۱: ۴۶
(۳) روح المعانی ۱۱-۱۲: ۳۷۴

حفاظت ہی ہے، اور کسی بات سے منع، ہنے کی نصیحت اس کو مستلزم نہیں کہ کسی سے گناہ کا صدور ہوا ہو بلکہ کبھی کبھی اس سے مراد یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ مستقبل میں غلطی سرزد نہ ہو جائے۔''

انبیاء علیہم السلام بشر تو ضرور ہیں لیکن ان کو بشری کمزوری سے مغلوب سمجھنا اعتقادی کمزوری ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب ان کا بیٹا کنعان کافر تھا تو اسے بلایا کیوں؟ اس کا جواب امام رازی سے سنیے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: فالزّلّة الصادرة عن نوح عليه السلام هو أنه لم يستقص في تعريف ما يدل على نفاقه و كفره بل اجتهد في ذلك، و كان يظن أنه مؤمن، مع أنه أخطأ فی ذلك الإجتهاد، لأنه كان كافراً، فلم یصدر عنه إلا الخطأ فی ذلك الإجتهاد (۱).

''سیدنا نوح علیہ السلام سے یہ زلّت اس وجہ سے سرزد ہوئی کہ بیٹے کے نفاق کی وجہ سے آپ کو اس کے کفر کا علم نہ ہو سکا اس لیے آپ نے اس کے بارے میں اجتہاد کیا کہ یہ مؤمن ہے مگر آپ اجتہاد میں خطا کر گئے، کیوں کہ درحقیقت وہ کافر تھا، پس آپ سے اجتہادی لغزش کے سوا کوئی گناہ [کبیرہ یا صغیرہ] سرزد نہیں ہوا۔''

اور مفسر سید محمود آلوسی بغدادی حنفی لکھتے ہیں کہ: ولم يكن عالماً بكفره إذ ذاك، لأنه لم يكن مجاهراً به، وإلّا لم يَدْعُ له، بل لم يَدْعُهُ أيضاً (۲).

''آپ اپنے بیٹے کے کافر ہو جانے سے ناواقف تھے کیونکہ وہ کھلا کافر نہ تھا [بلکہ منافق تھا] اگر آپ کو اس کے کافر ہونے کا یقینی علم ہوتا تو آپ نہ تو اس کے لیے دعا کرتے اور نہ اسے کشتی میں پناہ لینے کے لیے بلاتے۔''

-اور سیدنا داود علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''یہ وہ تنبیہ ہے جو اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندیِ درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داوٗد علیہ السلام کو فرمائی، اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق

(۱) التفسیر الکبیر ۶:۳۵۹، تفسیر سورۃ ہود ۱۱:۴۶

(۲) روح المعانی ۱۱-۱۲:۳۷۳

کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمان روا کو زیب نہیں دیتا (۱)۔''

ان ہی کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں: ''حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر ''اوریاہ'' سے طلاق کی درخواست کی تھی (۲)۔''

اس عبارت میں سیدنا داوٗد علیہ السلام کی تنقیص پائی جاتی ہے' اس لیے کہ پیغمبر کسی غلط سوسائٹی سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ دوسروں پر اثر انداز ہوتے اور سوسائٹیاں بدلنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب نے سیدنا داوٗد علیہ السلام کے متعلق ایسے الفاظ لکھ دیے جو ایک جلیل القدر پیغمبر کے شان سے بہت دور ہیں۔ آخر اس الزام کا کیا ثبوت ہے کہ سیدنا داوٗد علیہ السلام نے وہ فعل خواہش نفس کی بناء پر کیا تھا؟ ان کو نیت کا حال کیسے معلوم ہوا؟ اگر لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى کے الفاظِ قرآنی سے یہ استدلال اور استنباط کر رہے ہیں تو یہ استنباط قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ:

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (۳)

''پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔''

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ' امام الانبیا ﷺ کو وحی خداوندی میں کوئی شک لاحق ہو گیا تھا؟

ان آیات کا صحیح مفہوم وہی ہے جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ: ''اے داوٗد! ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے' سو جس طرح اب تک کرتے رہے ہو' اسی طرح آئندہ بھی لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے رہنا اور جس طرح اب تک کبھی نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کی اسی طرح آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا اگر ایسا کرو گے تو وہ اللہ کے راستہ سے تم کو بھٹکا دے گی (۴)۔''

---

(۱) تفہیم القرآن ۴:۳۲۷

(۲) تفہیمات ۲:۴۲ طبع دوم' ۲:۵۶ طبع سوم

(۳) سورۃ البقرۃ ۲:۱۴۷' سورۃ الانعام ۶:۱۱۴' سورۃ یونس ۱۰:۹۴

(۴) تفسیر بیان القرآن ۳:۲۷۷

تدبر قرآن

[مولانا امین احسن اصلاحی]

مولانا امین احسن اصلاحی کی برادری اعظم گڑھ [ہند] کی مشہور "پچمیل" برادری ہے جس میں غالب عنصر نو مسلم راجپوتوں کا تھا[۱]۔ اُن کا خاندان متوسط درجے کا زمیندار خاندان تھا[۲]۔ مولانا کے والد حافظ محمد مرتضیٰ ولد وزیر علی ایک دین دار نیک سیرت اور معزز آدمی تھے[۳]۔ ۱۹۰۴ء کو ہند کے اعظم گڑھ [U.P] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے فاضل ہیں۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں فوت ہوئے[۴]۔

تفسیر کا منہج[۵]

ان کی تفسیر "تدبر قرآن" نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کے تفسیری منہج کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"میں نے اس [تفسیر] میں فہم قرآن کے ان وسائل و ذرائع کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر ہیں مثلاً قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کے نظائر و شواہد' دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر کے ہیں مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور تفسیر کی کتابیں۔ اگرچہ اپنے اِمکان کی حد تک میں نے اُن سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے لیکن اُن کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے اِستفادہ کیا ہے"[۶]۔

---

(۱) مولانا اصلاحی کی کہانی، اُن کی اپنی زبانی' شہزاد سلیم' ماہنامہ اِشراق لاہور اصلاحی نمبر ۱۰/۱-۲ جنوری-فروری ۱۹۹۸ء' ص: ۱۰۹

(۲) مولانا اصلاحی سے ایک یادگار انٹرویو' منظور الحسن' اِشراق، اصلاحی نمبر' ایضاً' ص: ۱۱۳

(۳) علم و عرفان کے ماہِ کامل کا غروب' خالد مسعود' سہ ماہی تدبر، لاہور، شمارہ: ۵۹' جنوری ۱۹۹۸ء' ص: ۳

(۴) انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا: ۲۵۳

(۵) اس مضمون کی تیاری میں ڈاکٹر اختر حسین صاحب عزمی کی قابل قدر اور نہایت مفید کتاب "مولانا امین احسن اصلاحی، حیات و افکار" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۶) تدبر قرآن ۱: ۱۳

فہم قرآن کے خارجی وسائل

لکھتے ہیں: فہم قرآن کے خارجی مسائل میں سے جن جن چیزوں سے، میں نے اس تفسیر میں فائدہ اٹھایا ہے اب میں مختصر طور پر ان کا تذکرہ کروں گا (۱)۔

سنت متواترہ و مشہورہ

مولانا نے اصطلاحاتِ قرآنی مثلاً صوم وصلوٰۃ، زکوٰۃ وحج اور عمرہ وقربانی وغیرہ کی تفسیر سنتِ متواترہ کی روشنی میں کی ہے اس لیے کہ اس قسم کی ساری اصطلاحات کا حقیقی مفہوم عملی شکل میں سنتِ متواترہ کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے ان کے نزدیک سنتِ متواترہ تفسیر کے قطعی ذرائع میں شمار ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''اور یہ سنتِ متواترہ بعینہٖ ان ہی قطعی ذرائع سے ثابت ہے جن سے قرآن مجید ثابت ہے۔ امت کے جس تواتر نے قرآن کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ ایک قولی تواتر سے منتقل ہوئی، دوسری عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآن مجید کو ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور اسی قطعیت کے ساتھ جانتے اور مانتے ہیں جس قطعیت کے ساتھ قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں۔ رہا بعض جزوی امور میں کوئی فرق تو یہ فرق کوئی اہمیت رکھنے والی شے نہیں ہے۔ اسی طرح کے معاملات میں دلائل کی روشنی میں جس پہلو پر بھی جس کا اطمینان ہو اُس کو اختیار کیا جا سکتا ہے (۲)۔''

اس سلسلے میں وہ منکرین حدیث کی روش پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے اُن کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے، اس میں اپنی

(۱) تدبر قرآن ۱:۲۸

(۲) تدبر قرآن ۱:۲۹

ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتفسیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے اس لیے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو ہم تک منتقل کیا ہے[۱]۔"

محض لغت کی مدد سے ان اصطلاحات کی توضیح مولانا اِصلاحی کے نزدیک نا قابل اعتماد ہے۔ لکھتے ہیں: "اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک غلط چیز ہے۔ صوم وصلوٰۃ کا لغت میں جو مفہوم بھی ہو لیکن دین میں ان کا وہی مفہوم معتبر ہوگا جو شارع نے واضح فرمادیا[۲]۔"

احادیث وآثار صحابہ

احادیث وآثار صحابہ کو مولانا نے قرآن مجید کے ظنی مآخذ میں شمار کیا ہے اس بارے میں لکھتے ہیں:

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سے سب سے اشرف اور سب سے پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث وآثار ہیں۔ اگر ان کی صحت کی طرف پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ان سے اس حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے[۳]۔"

مولانا تفسیر قرآن میں احادیث سے استفادے میں اِفراط وتفریط کی رَوِش مناسب نہیں سمجھتے۔

"جو لوگ احادیث وآثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر حاکم بنا دیتے ہیں وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں نہ حدیث کا۔ برعکس اس کے جو لوگ احادیث وآثار کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے وہ اپنے آپ کو اس روشنی ہی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ قیمتی روشنی ہے۔ میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ ومستنبط سمجھتا ہوں اس وجہ سے میں نے صرف ان ہی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارِد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے اِمکان کی حد تک فائدہ

(۱-۲) تدبر قرآن ۱:۲۹ (۳) تدبر قرآن ۱:۲۰

اٹھایا ہے۔خاص طور پر حکمتِ قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی (۱)''۔

قرآنی مفہوم سے متعارضِ احادیث کے بارے میں وہ اپنے طریقہ کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

''اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو میں نے اس پر ایک عرصے تک توقف کیا ہے اور اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے، جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے اس کی نوبت بہت کم آتی ہے کہ اُن کی موافقت قرآن سے ہو ہی نہ سکے لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آئی ہے تو وہاں میں نے بہر حال قرآن مجید کو ترجیح دی ہے اور اپنے وجوہ ترجیح تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں (۲)''۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث وآثارِ صحابہ ہیں۔...... جو لوگ احادیث کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں وہ اس روشنی ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جو قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کے کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے۔اعتدال کی راہ اس معاملہ میں یہ ہے کہ قرآن مجید کے اجمالات جس حد تک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہوں اُس حد تک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے بالمقابل ہرگز کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دی جائے (۳)''۔

احادیث کی اس اہمیت وافادیت کے اعتراف کے باوجود عملی لحاظ سے تدبر قرآن میں احادیث سے کس حد تک استفادہ کیا گیا۔اس کا اندازہ ذیل کے جائزے سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱- تدبر قرآن جلد اول ۶۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں کل سترہ [۱۷] احادیث لکھی ہیں۔ان میں صرف ایک جگہ صحیحین (۴) ایک جگہ مسلم (۵) اور صرف ایک مقام پر ترمذی (۶) کا نام آیا ہے باقی احادیث کے حوالے کی شاید ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

(۱-۲) تدبر قرآن ۱:۳۰ (۳) مبادی تدبر قرآن: ۲۱۸-۲۱۹ (۴-۵) تدبر قرآن ۱:۶۷

(۶) تدبر قرآن ۱:۱۱۳

-۲: جلد دوم ٦١٠ صفحات پر مشتمل ہے اس میں کل دس [۱۰] احادیث ہیں۔ صرف ایک جگہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ کا نام ہے (۱) باقی نو اَحادیث کتاب کے نام کے بغیر درج کی ہیں۔

-۳: جلد سوم ٦٦٨ صفحات پر مشتمل ہے جس میں کل چار مقامات پر اَحادیث بغیر حوالہ کے درج ہیں۔ ایک حدیث مکرر لکھی گئی ہے۔ گویا کل تین اَحادیث جلد سوم میں ہیں (۲)۔

-۴: جلد چہارم کے ٦٩٠ صفحات میں صرف دو جگہ ایک ہی حدیث مکرر نقل کی گئی ہے (۳)۔ اور دونوں جگہ حوالے کے بغیر ہے۔

-۵: جلد پنجم ۷۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل آٹھ اَحادیث بیان ہوئی ہیں، جن میں سے چار سنن ابی داود و ترمذی اور دو صحیح مسلم کے حوالے کے ساتھ اور دو بغیر حوالے کے درج ہیں (۴)۔

-٦: جلد ششم کے ٦١٦ صفحات میں صرف سات اَحادیث نقل کی ہیں۔ صحیح بخاری کا نام دو جگہ پر اور ایک جگہ ترمذی کا حوالہ ہے (۵)۔ باقی اَحادیث کا حوالہ نہیں دیا گیا (٦)۔

-۷: جلد ہفتم کے ٦٣٤ صفحات میں کل سات احادیث لکھی ہیں (۷)۔

-۸: جلد ہشتم کے ٦٢٨ صفحات کل چودہ [۱۴] احادیث رقم ہیں جن میں صرف ایک حدیث بحوالہ بخاری ذکر ہوئی ہے (۸) اور باقی تمام روایات کے ذکر میں کسی حوالے کی ضرورت تک محسوس نہیں کی گئی (۹) اور ان میں صرف تین احادیث کا عربی متن درج ہے۔

-۹: جلد نہم کے ٦٧٨ صفحات میں کل تیرہ [۱۳] اَحادیث رقم ہیں جن میں صرف ایک حدیث بخاری و مسلم اور ابن ماجہ کے متفقہ حوالے سے درج ہے (۱۰) جب کی باقی تمام روایات بغیر کسی

---

(۱) تدبر قرآن ۲:۴۰۷
(۲) تدبر قرآن ۳:۴۵۹، ۵۳۹، ۵٦۳، ۵۷۲
(۳) تدبر قرآن ۴:۱۸۵، ۲۵۱
(۴) تدبر قرآن ۵:۲۷۰، ۳۷۳، ۳۸۲
(۵) تدبر قرآن ٦:۲۴۵، ۲۴٦
(٦) تدبر قرآن ٦:۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲٦۴
(۷) تدبر قرآن ۷:۱۴۳، ۲۷۳، ۳٦۲، ۴٦۹، ۵۰۹، ۵۱۴، ۵۱٦
(۸) تدبر قرآن ۸:۲۸۳
(۹) تدبر قرآن ۸:۲۴۷، ۳۰۱، ۳۳٦، ۳۴۰، ۳۸۵، ۳۸۷، ۴۰۳، ۴۲۳، ۴۵۷، ۴٦٦، ۴٦۹، ۵۷۲، ۵۹۷
(۱۰) تدبر قرآن ۹:٦٦٦

حوالہ کے بیان ہوئی ہیں [۱] ۔ان میں صرف چار اَحادیث عربی متن کے ساتھ درج ہیں۔
اس طرح کل ۵۸۴۴صفحات پر مشتمل تفسیر میں صرف اَسّی [۸۰] اَحادیث جگہ پاسکی ہیں اوران ذکرکردہ اَحادیث میں بھی تقریباً ایک چوتھائی تعدادایسی روایات کی ہے جوبطورِاستدلال بیان نہیں ہوئیں بلکہ مولانا نے ان کاذکرمحض اُن کی تردید کے لیے کیا ہے۔
اس کے مقابلے میں تفسیر کے اکثرصفحات میں جاہلی ادب اورلغت کی طرف رجحان جھلکتا نظر آتا ہے۔اس کے علاوہ قدیم کتب سماوی کے طویل اقتباسات بھی جابجانظر آتے ہیں۔یہ بات اُن کے مذکورہ بالاقول کی عملی تردید محسوس ہوتی ہے کہ:''قرآن مجید کے اجمالات جس حدتک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہوں اُس حدتک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورافائدہ اٹھایا جائے اوران کے بالمقابل ہرگزکسی دوسری چیزکوترجیح نہ دی جائے [۲] ''۔

شان نزول

مولانا کے نزدیک شان نزول سے مرادلوگوں کی وہ حالت اورکیفیت ہوتی ہے جس پروہ کلام برسرموقع حاوی ہوتا ہے۔نظم قرآن کواوّلیت دینے کی وجہ سے مولاناشان نزول کی احادیث سے اکثراجتناب کرتے ہیں۔وہ ان سے کس قدراستفادہ کرتے ہیں اس بارے میں لکھتے ہیں:

''واقعات[شان نزول]کوصرف ان ہی آیات کی تفسیر میں اہمیت دی ہے جن میں کسی واقعہ کی تصریح یاتلمیح ہے اوران کوبھی ان تمام غیرضروری تفصیلات سے الگ کرکے لیا ہے جن کی تائید قرآن کے الفاظ یااشارات سے نہیں ہوتی [۳] ''۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:''شان نزول کازیادہ اہتمام صرف اُن مقامات میں کرنا چاہیے جہاں قرآن نے کسی متعین واقعہ کی طرف اشارہ کیاہومثلاً سورۃ التحریم یاسورۃ الاحزاب میں قرآن نے بعض واقعات کی طرف اجمالی طورپراشارہ کیاہے اس طرح کے واقعات کی وہ تفصیلات احادیث

---

(۱) تدبرقرآن ۹:۲۲،۲۶،۳۰،۹۳،۱۹۶،۲۵۵،۴۳۷،۵۹۴،۶۱۷،۶۲۱،۶۳۸

(۲) تدبرقرآن ۱:۳۰ (۳) تدبرقرآن ۱:۳۳

سے لینی چاہئیں جو قرآن کے موافق پڑتی ہوں اور ان باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے جن کے تسلیم کرنے سے قرآن مجید اِبا[انکار] کرتا ہے یا ان کے ماننے سے ان لوگوں کی زندگیوں پر حرف آتا ہو جن کی زندگیوں کے لیے بالکل پاکیزہ اور معصوم ہونے کی خود قرآن نے گواہی دی ہے (۱)۔''

قدیم آسمانی صحیفے

قدیم آسمانی صحیفوں سے مولانا اصلاحی صاحب نے استفادہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں کئی جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتیں ہیں۔ بعض جگہ یہود و نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع میں میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے نہ تو اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات و انجیل پر رکھی ہے۔......اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کر دی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لیے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے۔ لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی ان کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کو سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے۔ خاص طور پر زبور، اَمثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر ایمان کو وہ غذاء ملتی ہے جو قرآن و حدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ حیرت ہوتی ہے کی جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود تھے وہ قرآن اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی تعلیمات سے کیوں محروم رہیں (۲)۔''

---

(۱) مبادی تدبر قرآن: ۲۲۰

(۲) تدبر قرآن ۱: ۳۳

مولانا اِصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر میں عربی لغت کے بعد جس چیز پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے وہ صحف سماویہ ہیں حالانکہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر واضح طور پر ان کتب میں تحریف کا ذکر کیا ہے۔ان کتابوں کی تاریخی حیثیت بالکل مخدوش ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں۔دلچسپ امر یہ ہے کہ مولانا نے اپنے موقف کے اِثبات کے لیے متعدد مقامات پر تورات وانجیل کے حوالے دیے ہیں لیکن رجم کے مسئلہ میں اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا حالانکہ رجم کا حکم ان کتب میں تحریف کے باوجود آج بھی موجود ہے۔

جاہلی شاعری سے استشہاد

مولانا اصلاحی نے تدبر قرآن میں غرائب القرآن کی تحقیق،اشارات وکنایات کی وضاحت، اسالیب وتعبیرات کی تفہیم اور نحوی مشکلات کے حل کے مختلف پہلوؤں سے بڑا کام کیا۔

تشریح مفردات القرآن

تدبر قرآن میں مفردات قرآنی کی لغوی تشریح کا ایک حصہ تو وہ ہے جس میں دیگر مفسرین کے بیان کردہ معانی کے ساتھ مولانا کی موافقت ہے لیکن مفہوم کی یکسانیت کے باوجود "تدبر" میں اشعار کے ذریعے قاری کے سامنے الفاظ کے معانی مزید مبرہن ہوکر سامنے آجاتے ہیں۔دوسرا حصہ وہ ہے جس میں دیگر مفسرین کے بیان کردہ معانی سے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔اس حصہ میں ہی درحقیقت مولانا کا کلامِ جاہلیت میں رسوخ نمایاں ہوتا ہے۔ان کے بیان کردہ معانی،زبان کی لطافتوں اور نزاکتوں سے ان کی آگہی کی دلیل ہیں۔ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

-الف:اردو دان مفسرین نے اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ میں لفظ اَمَرَ(۱) کا معنیٰ "حکم دینا" کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

"وہ [شیطان] تو تمھیں بس برائی اور بے حیائی کی راہ سوجھائے گا(۲)۔"

اور تشریح میں لکھا ہے:"امرَ کے معنی جس طرح کسی بات کا حکم دینے کے ہیں اسی طرح کوئی بات

---

(۱) سورة البقرة ۲:۱۶۹

(۲) تدبر قرآن ۱:۳۹۳

بات سُجھانے یا اس کا مشورہ دینے کے بھی آتے ہیں؛ مثلاً:

أمرتُهم أمري بمنعرج اللوى فلم يستبينو الرُّشدَ إلّاضُحى الغد (۱)

''میں نے ان کو اپنے مشورہ سے مُنعَرِج اللّوی ہی میں آگاہ کر دیا تھا لیکن میری بات ان کو سمجھ میں دوسرے دن کی صبح سے پہلے نہ آسکی۔''

یا: أطعت الآمريك بصرم حَبلي (۲) ''تو نے بالآخر انہی لوگوں کی بات سنی جو تجھے مجھ سے قطع تعلقی کا مشورہ دینے والے تھے (۳)۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہاں مولانا اصلاحی صاحب کا ترجمہ ہی مناسب ہے اس لیے کہ یہاں شیطان کا حکم دینا اتنا نہیں جچتا جتنا اس کی طرف سے ''سوجھانا' مناسب معلوم ہوتا ہے بالخصوص اس صورت میں کہ جب کلام عرب بھی اس کی تائید کرتا ہو۔

-ب: [سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳]: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا (۴) میں لفظ حبل کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''حبل کے معنی رسی کے ہیں۔اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط اور تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے:

وَ لٰكِنّي وَصَلْتُ الحَبلَ مِنهُ مُوَاصَلةً بِحَبلِ أَبِي بَيَانِي (۵)

''لیکن میں نے اسے اپنا تعلق جوڑے رکھا ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بناپر۔''

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا۔اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ

---

(۱) یہ شعر جاہلی شاعر درید بن الصمہ کا ہے۔دیکھئے: دیوان الحماسہ' باب الادب' ص:۲۱۲

(۲) صاحب الاغانی نے اس شعر کو اس طرح لکھا ہے:

أطعتِ الآمِرِيكِ بِصَرمِ حَبلِي مُرِيهِم فِي أَحِبَّتِهِم بِذَاكِ
فَإِنْ هُم طَاوَعُوكِ فَطَاوِعِيهِم وإنْ عَاصَوكِ فَاعْصِي مَنْ عَصَاكِ
[الاغانی ۱۷:۱۱۱]

(۳) تدبر قرآن ۱:۴۱۰ (۴) سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳

(۵) یہ شعر ربیعہ بن مقروم مضری کا ہے۔دیکھئے: دیوان الحماسہ' باب الادب' ص:۳۰۳

مِّنَ النَّاسِ آیت زیر بحث میں حبل سے مراد قرآن ہے اس لیے کہ یہی ہمارے رب اور ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے[۱]۔''

-ج: حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ[۲] میں لفظ زُرْتُمْ کی تشریح میں مولانا نے لکھا:

''لفظ زُرْتُمْ عربی میں بالکل سادہ معنوں میں آتا ہے۔ اردو کے لفظ زیارت کی طرح اس کے اندر کسی شرف و تقدس کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کے معنی بس یہ ہوں گے کہ تم نے قبروں کو دیکھا یعنی اُن کے حوالے ہوئے۔ کسی حماسی کا شعر ہے:

زُرْتُ أرضاً بَعْدَ طُولِ اجْتِنَابِها فَقَدْتُّ صِدِّيقِي وَالبِلادُ كَمَاهِيَا[۳]

''جب میں کسی سرزمین کو، عرصہ اس سے جدا رہنے کے بعد دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ احباب تو میں نے سارے کھو دیے لیکن زمین اسی طرح ہے جس طرح تھی[۴]۔''

تحقیق اَعلام القرآن

بعض مقامات پر اَعلام القرآن کی تحقیق میں بھی مولانا اصلاحی نے کلام عرب سے مدد لی ہے، مثلاً

-الف: وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ[۵] میں رس ایک وادی کا نام ہے۔ مولانا نے لکھا:

''شعرائے جاہلیت میں زہیر نے وادیٔ رس کا ذکر کیا ہے: وَهُنَّ وَوَادِي الرَّسِّ كَالْيَدِ لِلْفَمِ[۶]

''اور وہ اور وادیٔ رس اسی طرح تھے جس طرح منہ کو ہاتھ[۷]۔''

-وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی[۸] میں لفظ شِعْرٰی کے بارے میں مولانا کی تحقیق یہ ہے:

''شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جو موسم بہار میں طلوع ہوتا ہے۔ مشرکین عرب اس کو بہت

---

(۱) تدبر قرآن ۲:۱۵۳ (۲) سورۃ التکاثر ۱۰۲:۲

(۳) یہ شعر ایاس بن القائف کا ہے۔ دیکھیے: دیوان الحماسہ، باب الادب، ص: ۳۰۸

(۴) تدبر قرآن ۹:۵۲۲-۵۲۳ (۵) سورۃ الفرقان ۲۵:۳۸

(۶) امام قرطبی نے اس شعر کو اس طرح نقل کیا ہے:

بَكَرْنَ بُكُوراً وَاسْتَحَرْنَ بِسُحْرَةٍ فَهُنَّ لِوَادِي الرَّسِّ كَالْيَدِ لِلْفَمِ

[تفسیر القرطبی ۱۳:۳۴، بذیل تفسیر سورۃ الفرقان ۲۵:۳۸]

(۷) تدبر قرآن ۵:۴۶۸ (۸) سورۃ النجم ۵۳:۴۹

مبارک سمجھتے تھے اور بہار کی تمام شادابیاں اور تجارتی سرگرمیاں اسی سے منسوب کرتے تھے۔
ایک جاہلی شاعر اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے:

شَامِسٌ فِي الْقُرِّ إِذَا مَا ذَكَتِ الشِّعْرَىٰ فَبَرْدٌ وَظِلٌّ

''وہ سردیوں کی ٹھنڈ میں لوگوں کو گرمی پہچانے والا ہے اور جب شعریٰ [موسم بہار] طلوع ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے ٹھنڈک اور سایہ بن جاتا ہے۔''(۱)

اسالیب القرآن کی تفہیم

قرآن میں جہاں جہاں لطیف تعبیرات اور معنی خیز استعارات استعمال ہوئے ہیں، ان کی صحیح توجیہ و تفہیم کے لیے مولانا نے کلام عرب سے مدد لی ہے۔

ا: مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ(۲) میں مولانا اصلاحی نے فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ کو کلام عرب کے شواہد کی روشنی میں استعارہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ' آسمان میں رسی تاننا آخری اور انتہائی تدبیر کر دیکھنے کے لیے اسی طرح کا ایک استعارہ ہے جس طرح ہماری زبان میں تھگلی لگانے کا استعارہ ہے۔.....زہیر اور اعشیٰ نے بھی انتہائی اور آخری جدوجہد کے مفہوم کے لیے یہ محارہ استعمال کیا ہے۔زہیر کا مصرع ہے: وَلَوْ نَالَ أَسْبَابَ السَّمَآءِ بِسُلَّمِ(۳) اسی طرح اعشیٰ کہتا ہے: وَرَقِيْتُ أَسْبَابَ السَّمَآءِ بِسُلَّمِ(۴)(۵)''

ب: وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(۶) میں اکثر مترجمین نے ''ظالم'' کے معنی میں لیا ہے اور اس بات

---

(۱) تدبر قرآن ۸:۸۰ (۲) سورۃ الحج ۲۲:۱۵

(۳) پورا شعر یہ ہے: وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ وَلَوْ نَالَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ
[شرح نہج البلاغۃ، ابن ابی الحدید: ۵۸۵۵]

(۴) پورا شعر یہ ہے: لَئِنْ كُنْتَ فِي جُبٍّ ثَمَانِيْنَ قَامَةً وَرُقِّيْتَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ
[المحکم والمحیط الاعظم، ابن سیدہ ۶:۵۰۰]

(۵) تدبر قرآن ۵:۲۲۵-۲۲۶ (۶) سورہ ق ۵۰:۵۰

کو کوئی مناسب توجیہ نہیں کی کہ یہاں مبالغہ کا صیغہ کیوں استعمال ہوا ہے؟ مولانا نے اس کی دل لگتی توجیہ کی ہے، لکھتے ہیں: ''جب مبالغہ پر نفی آتی ہے تو اس سے مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے معنی ہوں گے کہ میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔...... کلام عرب میں اس اسلوب کی مثالیں موجود ہیں۔ شعرائے جاہلیت میں اسے امراء القیس نے اپنے اشعار میں اَلْـمَـرْءُ لَیْسَ بِقَتَّالٍ (۱) اور اَلْـمَـرْءُ لَیْسَ بِفَعَّالٍ (۲) کی ترکیبیں استعمال کی ہیں۔ اس کے حریف نے اس کو جنگ اور قتل کی دھمکی دی تھی تو اس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے حالانکہ اس بزدل میں قتل وقتال کا ذرا بھی داعیہ نہیں ہے: لَیْسَ بِفَعَّالٍ اس کے اندر کچھ بھی کر سکنے کا حوصلہ نہیں ہے (۳)۔''

معتقدات جاہلیہ پر استدلال

قرآن مجید نے اہل عرب کے گمراہانہ اعتقادات اور تصورات پر کہیں تو ان کا تذکرہ کر کے تنقید کی اور کہیں ذکر کیے بغیر ان تصورات کی اصلاح کی۔ مولانا نے بعض تفسیری مقامات پر عربوں کے عقائد و تصورات کے سلسلے میں کلام عرب سے استدلال کیا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يُنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا (۴) کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

''وہ [اہل عرب] اس مغالطہ میں مبتلا تھے کہ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی دن روئے زمین سے تمام پہاڑ غائب ہو جائیں۔ عوام تو درکنار ان کے بہت سے دانش وروں تک کا خیال یہ تھا کہ پہاڑ غیر فانی ہیں۔ زہیر - جو عرب کے حکیم شعراء میں سے ہے - کہتا ہے کہ:

ألا أرى على الحوادث باقياً ولا خالداً إلّا الجبال الرواسيا (۵)

---

(۱) جیسے اس شعر میں يَغِطُّ غَطِيطَ الْبُكْرِ شُدَّ خَنَاقه لِيَقْتُلَنِي وَ الْمَرْءُ لَيْسَ بِقَتَّالٍ [معاهد التنصيص على شواهد التلخيص ۲:۸]

(۲) جیسے اس شعر میں رَثّى لِبَعِيرٍ قال: أزمع مالكي لِيَقْتُلَنِي وَالْمَرْءُ لَيْسَ بِفَعَّالٍ [نفح الطيب ۵:۵۱۹]

(۳) تدبر قرآن ۷:۵۵۵ (۴) سورۃ طٰہٰ ۲۰:۱۰۵

(۵) دیوان زہیر: ۴۸، الزاہر فی معانی کلمات الناس ۱:۷، ۱۳۷ ۲:۳۲۹

''میں حوادث روزگار کے مقابلے میں ان مستحکم پہاڑوں کے سوا کسی چیز کو بھی قائم ودائم رہنے والی خیال نہیں کرتا[۱]۔''

اشکالات نحو کا حل

کبھی آیت میں کسی لفظ کی نحوی ترکیب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے آیت کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں ہو پاتی۔ مولانا نے کلام عرب سے استشہاد کر کے بہت سی نحوی مشکلات کو حل کیا جس سے کلام الٰہی کی معنویت کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً:

-۱: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً[۲] میں تُقٰۃً کی نحوی حیثیت سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے مفسرین نے تقیہ کی بحث چھیڑ دی ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں:

''دفع ضرر کے لیے بقدرِ ضرورت ظاہری تعلقات دوستانہ کی اجازت ہے۔...... آیت میں ایک طرف رد ہے فرقہ شیعہ کا جس نے تقیہ کی حدود بہت وسیع کر کے اسے اپنے مذہب کا جزو بنالیا ہے اور دوسری طرف فرقہ خوارج کا جس نے جواز تقیہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے[۳]۔''

حالانکہ یہاں تقیہ کی قباحت یا جواز کا ذکر ہی نہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس کی تشریح یوں کی ہے:

''اللہ اور اعداء اللہ دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی قائم نہیں رکھی جا سکتی۔ اللہ سے دوستی کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں سے اپنا دامن بچائے رکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے دین اور اس کے وفادار بندوں کے دُشمن ہیں۔ یہ جملہ گویا فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ سے استثناء ہے یعنی اس نفی سے مستثنیٰ صرف وہی ہے جو ان کفار کی مخالف اسلام موالات سے اس طرح بچیں جس طرح اس بچنے کا حق ہے[۴]۔''

تُقٰۃً مفعول مطلق ہے اور حَقَّ تُقٰتِہٖ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مولانا اصلاحی اس نحوی تحقیق کی روشنی میں آیت کا مفہوم بیان کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ اس آیت سے جن لوگوں نے تقیہ کا

---

(۱) تدبر قرآن ۹۲:۵
(۲) سورۃ آل عمران ۲۸:۳
(۳) تفسیر مولانا عبدالماجد دریابادی: ۱۲۹، حاشیہ: ۷۰
(۴) تدبر قرآن ۶۸:۲

جواز نکالا ہے انہوں نے لغت ونظائر قرآن اور سیاق وسباق ہر چیز کو نظر انداز کر دیا ہے[1]۔"

۲۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا[2] کی تشریح میں مولانا اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

"ھَلْ کے معنی مفسرین نے استفہام کے بجائے عام طور پر قَدْ کے لیے ہیں لیکن کلام عرب میں اس معنیٰ کے لیے مجھے کوئی نظیر نہیں ملی۔ بعض مثالیں جو اس معنی کی شہادت کے طور پر پیش کی گئی ہیں، ان پر میں نے غور کیا ہے۔ میرے نزدیک ان میں بھی ھَلْ استفہام ہی کے لیے آیا ہے۔ آیت میں جو ھَلْ ہے اس کے اندر بہت سے معانی مضمر ہیں جو اس کے مضمون کے تدریجی ارتقاء سے کھلیں گے۔ معلقات کے ایک قصیدے کا مطلع ہے:

هَلُ غادَرَ الشُّعراءُ مِن مُّتَرَدَّمِ ۔۔۔ أم هَلُ عرفتَ الدَّار بعد توَهُّم[3]

"کیا شاعروں نے شاعری میں کوئی خلا چھوڑ دیا ہے یا تجسس کے بعد تم نے منزل جاناں کا سراغ پالیا ہے۔"

یہ ایک بہترین مطلع ہے اور اس کا سارا حسن اس کے خاص قسم کے استفہامیہ اسلوب میں مضمر ہے اگر اس ھَلْ کو قَدْ سے بدل دیجیے تو یہ حسن بالکل غائب ہو جائے گا[4]۔"

زبان کی نفسیات کا لحاظ

تفسیر میں اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ مولانا عربی زبان اور اس کے لہجے کی نفسیات کے بھی رمز شناس تھے۔ زبان کی نفسیات سے مراد متکلم، مخاطب، الفاظ اور جملوں کی نفسیات ہے جن کے بیچوں بیچ ایک کلام وجود میں آتا ہے' مثلاً یہ کہ متکلم کلام کرتے وقت کس موڈ میں تھا۔ وہ غصے' نفرت' محبت اور شفقت کے جذبات میں سے کس جذبے کے ساتھ بات کر رہا ہے' اس نے مخاطب سے بات کرتے وقت اس کے جن جذبات واحساسات کا خیال رکھا ہے۔ اسی طرح الفاظ اور جملوں

---

(۱) تدبر قرآن ۲: ۶۸ ۔۔۔ (۲) سورۃ الدہر ۷۶: ۱

(۳) یہ عنترہ کا شعر ہے۔ دیکھیے: شرح المعلقات السبع: ۲۴۲

(۴) تدبر قرآن ۸: ۱۰۵

کی نفسیات سے مراد یہ ہے کہ جملوں کا دروبست کیا کہتا ہے۔اس میں جملوں اور لفظوں کے معنی کس رخ پر جارہے ہیں۔مثلاً متکلم نے سوال کیا تو آیا وہ محض سوال ہے یا تنبیہ ہے؟استہزاء ہے یا مخاطب کو نصیحت کرنا پیش نظر ہے۔اس نے اسم استعمال کیا ہے تب،اور فعل استعمال کیا ہے تو پھر کیا مراد ہے؟اس نے متکلم کے صیغے میں بات کی تو اس کے پیش نظر کیا ہے؟اور غائب ومخاطب کا صیغہ استعمال کیا ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟

مولانا اصلاحی کو زبان کے محاورات،ضرب الامثال،صرف ونحو،اس کے روزمرہ اور اسالیب پر بھی کمال حاصل تھا۔الہامی صحیفوں پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔اس لیے وہ کلام الٰہی کے رموز سے بھی آگاہ تھے۔اسالیب کلام کی مشکلات کے حل میں جو کمال مولانا نے دکھایا ہے وہ دوسرے مفسرین کے یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔یہاں اس کی صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے' مثلاً:

۱۔ کسی زبان میں استعمال ہونے والے مترادفات کئی پہلوؤں سے اپنے مترادف سے مختلف ہوتے ہیں لیکن اکثر تراجم وتفاسیر میں ان کو محض مترادف کے معنی میں ہی تصور کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے جب کہ مولانا ہمیشہ ان کے فرق کو ملحوظ رکھنے کا التزام کرتے ہیں۔آیت بِسْمِ اللّٰهِ کی تفسیر میں الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو بعض مفسرین نے مترادف تصور کرتے ہوئے صرف نظر کیا ہے جب کہ مولانا اس کی حقیقی معنویت آشکارا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عربی زبان کے استعمالات کے لحاظ سے فعلان کا وزن جوش وخروش اور ہیجان پر دلیل ہوتا ہے فعیل کا وزن دوام واستمرار اور پائیداری واستواری پر اس وجہ سے ان دونوں صفات میں سے کوئی صفت بھی برائے بیت نہیں ہے بلکہ ان سے ایک خدا کی رحمت کے جوش وخروش کو ظاہر کر رہی ہے اور دوسری اس کے دوام وتسلسل کو......اس نے ایسا نہیں کیا کہ اپنی رحمانیت کے جوش میں آکر دنیا پیدا تو کر ڈالی لیکن اسے پیدا کر کے پھر اس کی خبرگیری اور نگہداشت سے غافل ہو گیا۔ بلکہ اس کو پیدا کرنے کے بعد وہ اپنی شان رحیمیت کے ساتھ اس کی پرورش اور نگہداشت بھی فرما رہا ہے[(۱)]۔"

---

(۱) تدبر قرآن:۱: ۴۸-۴۹

۔۲: اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [(۱)] کی تشریح میں ان دونوں مترادفات کے فرق کو یوں واضح کیا: ''زبان کا یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں سے رؤف اور رحیم کا حوالہ دیا ہے۔ رؤف، رأفت سے ہے جس کے اندر دفع شر غالب ہے اور رحم رحمت سے ہے جس کے اندر اثباتِ خیر کا پہلو نمایاں ہے [(۲)]۔''

۔۳: وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ [(۳)] میں ثِیَابْ سے دامن دل مراد لیا ہے۔ اپنے موقف کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کلام عرب کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس مفہوم میں بھی آتا ہے جس کو ہم اپنی زبان میں ''دامن دل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امراء القیس کا مشہور شعر ہے:

وَاِنْ تَکُ قَدْ سَاءَ تْکِ مِنِّي خَلِیْقَةٌ   فَسُلِّي ثِیَابِي مِنْ ثِیَابِكِ تَنْسُلِ [(۴)]

''اگر میری کوئی حرکت تجھے بری ہی لگی ہے تو میرے دامن دل کو اپنے دل سے جدا کر دے تو جدا ہو جائے گی۔''

لفظ اپنے لغوی معنی میں آئے یا اصطلاحی معنی میں، وہ اپنے مخاطب کے لحاظ سے کسی اضافی معنی کا حامل بھی ہو سکتا ہے، مثلاً بعض اوقات وہ کسی گروہ کے لیے واقعہ کی تلمیح بن جائے اور کبھی ان کے کسی ذہنی نظریے کی طرف اشارہ کر دے گا۔ کبھی کسی واقعہ کی حقیقت کو واضح کرے گا اور کبھی کسی کی تردید۔ الفاظ کے ان معانی پر صرف اس شخص کی نگاہ پڑ سکتی ہے جو کلام کے مخاطب کے ان تمام پہلوؤں سے واقف ہو جنہیں کلام اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ مولانا اس فن کے ماہر ہیں، چنانچہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا [(۵)] میں مصر کے عام مفہوم کے ساتھ ساتھ ایک اور پہلو کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں: ''شہر کے لیے خاص طور پر یہاں مصر کے لفظ کے استعمال میں بلاغت کا یہ پہلو ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کے ذریعے سے ان کو وہ ذلتیں اور مصیبتیں یاد دلائی گئی ہوں جن میں وہ مصر میں مبتلا رہ چکے تھے اور مقصود اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اگر تم ان چٹخاروں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے تو ان کے لیے تمہیں کسی مصر ہی کے شکنجے میں اپنی گردن دینی پڑے گی۔ اس لیے کہ جو قوم

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۱۴۳   (۲) تدبر قرآن ۱:۳۶۷   (۳) سورۃ المدثر ۷۴:۴
(۴) دیوان امرء القیس: ۳۷   (۵) سورۃ البقرۃ ۲:۶۱

کسی اعلیٰ نصب العین کے لیے اپنے اندر صبر واستقامت پیدا نہیں کرسکتی وہ اپنے آپ کو ذلت سے نہیں بچا سکتی (۱)۔''

۴-: مخاطب سے بات کرتے ہوئے اگر التفات میں تبدیلی لائی جائے تو اس سے کلام میں معنیٰ خیزی پیدا ہوتی ہے اور اثر پذیری میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن کا اسلوب، خطابت کی طرح اپنے اندر مخاطب سے مختلف گروہوں کی نفسیات وخیالات کی مناسبت سے تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ ایک ہی جملہ کے پہلے حصہ میں اگر خطاب متکلم کا ہوتا ہے تو دوسرے حصہ میں غائب یا حاضر سے بدل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں التفات کی صنعت کلام کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ مولانا نے ایسے تمام مقامات کی حکمتیں بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (۲) کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں اسلوب بیان کا فرق ملحوظ رہے کہ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ میں براہ راست ان کو خطاب کیا گیا ہے ہے لیکن عَمَّا یُشْرِکُوْنَ میں خطاب کی بجائے غائب کا صیغہ آیا ہے۔ اس میں بلاغت یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں تہدید ووعید ہے جس کے لیے خطاب ہی کا اسلوب زیادہ موزوں ہے اور دوسرے ٹکڑے میں کراہت ونفرت کا اظہار ہے جس کے لیے غائب کا صیغہ زیادہ مناسب تھا۔ گویا بات ان سے منہ پھیر کر فرمائی گئی (۳)۔''

۵-: ہم لاشعوری کیفیت میں بولتے وقت بھی اسم وفعل کا فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ مولانا نے اس لاشعوری احساس کو تفسیر میں شعوری سطح پر پیش نظر رکھا ہے، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

''آیت میں مختلف گروہوں کے ذکر کے لیے جو اسلوب بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ بھی قابل توجہ ہے۔ مسلمانوں اور یہود ومشرکین کا ذکر تو فعل کی شکل میں ہوا ہے اور صابئین، نصاریٰ اور مجوس کا اسم کی شکل میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً اس میدان میں ایک طرف مسلمان تھے دوسری طرف مشرکین اور یہود...... معرکہ کے اصلی حریفوں کا ذکر تو فعل کے ساتھ کیا ہے اور دوسروں کا ذکر اسم کے ساتھ۔ زبان کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ فعل میں ایک قسم کی سرگرمی کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ اسم بالعموم علامت امتیاز کا فائدہ دیتا ہے (۴)۔''

---

(۱) تدبر قرآن ۱:۲۲۵ (۲) سورۃ النحل ۱۶:۱ (۳) تدبر قرآن ۴:۳۸۹ (۴) تدبر قرآن ۱:۳۴۲

۶:۔ واؤ کے بغیر عطف کے خاص مواقع استعمال ہیں، مثلاً کبھی عطف و معطوف تاکید اور توضیح پر دلالت کریں گے، جیسے عزیز و مقتدر اور کبھی متقابل مفہوم پے، جیسے العزیز الرحیم۔ مولانا نے اس عطف سے پیدا ہونے والے معانی کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے، جیسے ایک جگہ تقابل کے الفاظ عزیز حکیم کے اس طرح عطف ہونے پر لکھتے ہیں:

''اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پوری قوت اور پورے غلبے کے ساتھ حاوی اور متصرف ہے لیکن اس غلبہ واقتدار کے معنی یہ نہیں کہ وہ اس کے روز میں جو چاہے کر ڈالے بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا ہے۔(۱)''

مولانا اصلاحی صاحب کے تفردات

حد رجم کی بحث

مولانا اصلاحی صاحب مطلق محصَن اور محصَنہ کے لیے رجم کی سزا کے قائل نہیں۔ وہ سزائے رجم کو براہِ راست احادیث سے اَخذ کرنے کی بجائے قرآن مجید سے اس کا مأخذ سورۃ المائدۃ ۵ کی آیتِ محارَبہ: ۳۴ کو قرار دیتے ہیں جس میں اس کے مجرم کی سزا بری طرح قتل کیا جانا، سولی پر لٹکایا جانا یا ایک طرف سے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں کاٹ دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک اس آیت کے بموجب مسلمان مرد و عورت کو۔خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔زنا کی پاداش میں رجم کی سزا صرف اس صورت میں دی جائے گی جب کہ وہ اس کے عادی مجرم بن کر معاشرے کے امن واستحکام کو تہس نہس کرنے کا باعث بن جائیں۔ صحابی رسول سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ رجم کو وہ اس کی نظیر قرار دیتے ہیں اور ان صحابی کے بارے میں وہ نازیبا قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، ان کے نزدیک سورۃ النور کی آیتِ جلدہ سے عام قسم کے زناکار کے لیے۔خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔صرف سو کوڑے ثابت ہوتے ہیں۔ رجم کے مسئلہ میں انہیں احادیث اور اجماع امت کا خیال تک نہیں جاتا۔

---

(۱) تدبر قرآن ۱:۳۴۲

سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ (۱)

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مسئلہ رجم کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''نبی ﷺ کے عہد میں رَجم کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ ماعز کے رجم کا ہے' اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں اُن میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی' اس وجہ سے میں اُن روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بناء پر مستحق رَجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو' بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی' لیکن چونکہ صریح قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے کوئی اِقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اُس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ جب یہ اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے رَجم کا حکم دے دیا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی (۲)۔''

مولانا اصلاحی صاحب کی اس عبارت سے درج ذیل باتیں آشکارا ہیں۔

[ا] اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں اُن میں نہایت عجیب قسم کا تناقض

---

(۱) ماعز بن مالک اَسلمی رضی اللہ عنہ' ان کا شمار مدنی صحابہ میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں اُن کی قوم کے اسلام کے بارے میں ایک نامہ تحریر کر دیا تھا۔ اُن کے بیٹے عبداللہ نے اُن سے ایک حدیث نقل کی ہے۔

[الاستیعاب: ۶۴۲' ترجمہ: ۱۳۶۷]

(۲) تدبر قرآن ۵: ۳۶۹' بذیل تفسیر سورۃ النور ۲۴: ۲

ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا [غنڈہ] تھا۔ میں اُن روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بناء پر یہ مستحق رَجم ٹھہرا۔

[۲] رسول اللہ ﷺ کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی، لیکن چونکہ صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے کوئی اِقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اُس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔

[۳] رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

مولانا اصلاحی صاحب نے سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں جس قسم کی زبان اور الفاظ استعمال کیے ہیں، ہمیں اُن سے اس کی توقع نہ تھی۔ دنیا کی ساری عدالتوں کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ ملزم کو صفائی کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ عدالت اُس کے گواہوں کو بغور سنتی ہے، تب کہیں جا کر فیصلہ سنا دیتی ہے، لیکن اصلاحی صاحب کسی تحقیق، تدقیق اور تطبیق کیے بغیر صحابی رسول ﷺ کے خلاف یک طرفہ کارروائی کر کے اُن پر فردِ جرم عائد کرتے ہیں۔ یہ اخذ کردہ نتائج قطعاً بے ہودہ اور غلط ہیں، اس لیے کہ:

-۱: اس قصہ میں کوئی ایسا اہم تعارض نہیں پایا جاتا جس کو عجیب قسم کے تناقض کا نام دیا جا سکے۔

-۲: اگر واقعی کوئی ایسا تعارض وتناقض پایا جاتا ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کیا ہمارے اسلاف کرام اور محدثین عظام نے ان روایات سے وہ نتائج اخذ کیے ہیں، جہاں تک اصلاحی صاحب کا ذہن رسا پہنچا ہے؟

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک شخص متقی اور حلال خور ہو لیکن کسی موقع پر لالچ یا ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر چوری کرے اور اُس کا جرم ثابت ہو جائے تو کیا اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؟ اور جب اُس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے تو کیا یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص بڑا اُچکا اور لفنگا تھا، اسے جب بھی موقع ملتا تھا لوگوں کے مال پر ہاتھ صاف کر لیا کرتا تھا؟

یہ دلیل کتنی بودی اور بے وزن ہے کہ چونکہ فلاں شخص کو فلاں جرم میں عدالت سے سزا ہوئی تھی اس لیے معلوم ہوا کہ وہ پکا غنڈہ اور بدمعاش ہے۔ بدمعاشی اُس کے شب و روز کا مشغلہ ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اتفاقیہ جرم کا ثابت ہونا اور بات ہے اور اُس کا عادی مجرم ہونا اور چیز ہے۔ سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ روایات میں آیا ہے وہ اتفاقاً اُن سے جرمِ زنا کا سرزد ہونا ہے۔ مَعاذَ اللہ تعالیٰ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ:

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہوؤں بیٹیوں کا تعاقُب کرتا۔''

اس کے بالکل برعکس احادیث کی کتابوں میں ہے کہ نُعیم [1] بن ہزال اپنے والد کے حوالے سے فرماتے ہیں: كان ماعزبن مالك رضي الله عنه في حِجرِ أبي فأصاب جاريةً من الحي فقال أبي: إئتِ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرهُ بماصنعتَ لعله يستغفرلك، وإنمايريدبذلك رجاء أن يكون له مخرج فأتاه [2].

''ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ یتیم ہو کر میرے والد [ہزّال رضی اللہ عنہ] کی پرورش میں تھے۔ وہ قبیلے کی ایک عورت سے بَدی کا اِرتکاب کر گزرے، میرے والد نے اُن سے کہا: تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جا اور تو نے جو کچھ کیا ہے، اُنہیں اس کی خبر دو، شاید وہ تمہارے لیے استغفار کریں۔ میرے والد نے اُنہیں اس آرزو اور امید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اُن کی نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔''

مولانا اصلاحی صاحب کی یہ بات بھی بالکل بے حقیقت ہے کہ:

---

(۱) ان کی صحابیت مختلف فیہ ہے۔ حافظ ابن حبان نے اُن کا ذکر طبقہ صحابہ میں کیا ہے۔ [الثقات ۳:۴۱۴]
حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: وقدقيل: أنه لاصحبة لنُعَيم هذا، وإنماالصحبة لأبيه هزال، وهو أولى بالصواب. [الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۳:۵۵۹]
''یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ یہ نعیم صحابی نہیں البتہ اُن کے والد سیدنا ہزال رضی اللہ عنہ کو شرف صحابیت حاصل ہے۔''
حافظ ابن حجر نے بھی اس باب میں اختلاف نقل کیا ہے۔ [الاصابہ ۳:۵٦۹، ترجمہ: ۸۷۸۳]

(۲) مسند احمد ۵:۲۱٦-۲۱۷

''بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی، وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اُس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔''

اس لیے کہ احادیث میں وارد ہے کہ اُنہوں نے چار مرتبہ از خود گناہ کا اعتراف کیا، جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: اَبِکَ جُنُونٌ (۱) ''کیا تم دیوانے ہو؟''

جس کا جواب اُنہوں نے نفی میں دیا اور پھر درج ذیل سوال و جواب ہوئے:

سوال: کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟

جواب: نہیں تو۔

[مزید اطمینان کے لیے ایک آدمی نے اُٹھ کر اُسے سونگھا کہ کہیں اس سے شراب کی بو تو نہیں آ رہی۔]

سوال: کیا تم شادی شدہ ہو؟

جواب: جی ہاں!

سوال: کیا ایسا تو نہیں کہ تم نے صرف بوس و کنار کیا ہو؟

جواب: نہیں جی۔

سوال: کیا تم اُس کے ساتھ ہم بستر ہوئے ہو؟

جواب: جی ہاں!

سوال: کیا تم آخری حد تک فعل بد کر گزرے؟

جواب: جی ہاں! میں ناجائز طور پر اُس کے ساتھ وہ کچھ کر گزرا جو مرد اپنی بیوی کے ساتھ جائز طور پر کرتا ہے (۲)۔

---

(۱) مسند احمد ۳: ۳۲۳

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطلاق [۶۸] باب الطلاق فی الاغلاق [۱۱] احادیث: ۵۲۷۰، ۵۲۷۱، ۵۲۷۲، کتاب المحاربین [۸۷] باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ [۸] حدیث: ۶۸۱۵، باب الرجم بالمصلی [۱۱] حدیث: ۶۸۲۰، باب سوال الامام المقر: ھل احصنت [۱۵] حدیث: ۶۸۲۵

پھر آپ ﷺ نے اُن کی قوم سے پوچھا: یہ فاتر العقل تو نہیں؟ جواب ملا: نہیں (۱)۔
ان سوالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان سوالات سے مقصود اُنہیں شک کا فائدہ پہنچانا ہے اس لیے کہ شک پیدا ہو جانے سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ زبردستی اقبالِ جرم کرانا مقصود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رؤوف ورحیم تھے اپنے صحابی کو ان سوالات کے ذریعے شک کا مفاد پہنچانا چاہتے ہیں اس تناظر میں کتنا سچا ہے اصلاحی صاحب کا یہ ارشاد کہ:

''آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اُس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔''

ہماری اس تحقیق پر ممکن ہے کسی کو اس حدیث کی بنیاد پر شبہ ہو کہ:

ثم قام رسول اللہ ﷺ خطیباً من العشي فقال: أو كُلَّما انطلقنا غزاةً في سبيل الله تَخلَّفَ رجلٌ في عيالنا، له نبيبٌ كنبيب التَّيس، عَلَيَّ أن لا أُوتى برجل فعلَ ذلك إلَّا نكلتُ به، قال: فما استغفرَ لهُ، ولا سبَّهُ (۲).

''اُسی دن رسول اللہ ﷺ نے عصر کے وقت خطبہ دیا اور فرمایا: کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کی غرض سے نکلتے تھے تو ایک شخص ہمارے پیچھے اہل وعیال میں رہ جاتا تھا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح ممیاتا تھا۔ سنو! مجھ پر لازم ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کرنے والا کوئی شخص میرے پاس لایا جائے تو میں اُس کو عبرت ناک سزا دوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اُن کے لیے نہ تو مغفرت طلب کی اور نہ اُنہیں بُرا کہا۔''

اس حدیث کے اِن الفاظ ''کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کی غرض سے نکلتے تھے تو ایک شخص ہمارے پیچھے اہل وعیال میں رہ جاتا تھا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحدود [۲۹] باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ [۵] حدیث: ۲۲-[۱۶۹۵]، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود [۳۲] باب رجم ماعز بن مالک [۲۴] حدیث: ۴۴۲۱۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحدود [۲۹] باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ [۵] حدیث: ۱۷-[۱۶۹۲]، ۲۰-[۱۶۹۴]، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود [۳۲] باب رجم ماعز بن مالک [۲۴] حدیث: ۴۴۲۲

طرح ممیاتا تھا۔'' کو کھینچ تان کر سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ پر منطبق کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خطبہ دینے کا ذکر صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد دونوں میں ہے' جب کہ صحیح مسلم کی سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں خَلَفَ أحدُهُم (۱) اور تَخَلَّفَ أحدکم (۲) کے لفظ آئے ہیں۔ اگر یہ لفظ نقل کیے جاتے تو شاید مولانا اصلاحی صاحب کو ترجمہ میں ''ایک شخص پیچھے رہ جاتا تھا'' کہہ کر اپنا مطلب نکالنا مشکل ہو جاتا۔

روایت کے الفاظ خواہ کچھ بھی ہوں اصل دھوکہ تو ترجمہ کے الفاظ ''کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کی غرض سے نکلتے تھے تو ایک شخص ہمارے پیچھے اہل وعیال میں رہ جاتا تھا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح ممیاتا تھا۔'' سے لگتا ہے' جو بالکل غلط ہے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو موقع ومحل کی مناسبت سے آپ ﷺ امت کو پند ونصیحت فرماتے تھے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ وعظ ونصیحت کے ہر جملہ میں پیش آمدہ کسی واقعے کی طرف اشارہ ہو۔

مثال کے طور پر سورج گرہن ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے صلاۃ الکسوف ادا فرمائی' اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: إنَّ الشمسَ والقمرَ آیتان من آیات اللّٰہ' لاینخسفان لموت أحدٍ ولا لحیاتہ' فإذا رأیتم ذلك فادعوا اللّٰہ وکبروا وصلوا وتصدقوا' ثم قال: یاأُمَّة محمد واللّٰہ ما مِن أحدٍ أغیَرُ من اللّٰہ أن یزنيَ عبدُہٗ أو أمَتُہٗ. (۳)

''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں' ان کو گرہن نہ تو کسی کے مرنے سے لگتا ہے اور نہ کسی کی جینے سے۔ تم اگر ان کو گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو۔ تکبیر کہو' نماز پڑھو اور صدقہ وخیرات کرو۔ اے اُمتِ محمد [ﷺ]! اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے کہ اُس کا بندہ یا باندی زنا کا اِرتکاب کرے۔''

---

(۱) صحیح مسلم' حدیث: ۱۷-[۱۶۹۲] (۲) صحیح مسلم' حدیث: ۱۸-[۱۶۹۲]

(۳) صحیح بخاری' حدیث: ۱۰۴۴' سنن نسائی' حدیث: ۱۴۷۴' موطا امام مالک ۱:۱۸۶' کتاب صلاۃ الکسوف [۱۲] باب العمل فی صلاۃ الکسوف [۱] حدیث: ۱

اِس موقع پر یہ اِرشاد فرمانا تو واقعات کی بنیاد پر تھا کہ ''سورج اور چاند کو گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا۔'' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا سمجھتے تھے' مگر آگے جو وَ لَا لِحَیَاتِہٖ اِرشاد فرمایا کہ نہ گرہن کا تعلق کسی کے جینے سے ہوتا ہے تو اِس کا تعلق کسی واقعہ سے نہیں ہے' یہ الگ بات ہے کہ لِمَوْتِ اَحَدٍ کے ساتھ وَ لَا لِحَیَاتِہٖ کا اضافہ بلاغت کے عین مطابق ہے' پھر اسی خطبہ کسوف کا جو دوسرا حصہ ہے' یعنی زنا سے ترہیب' تو ظاہر ہے کہ اُس روز کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ نے یہ اِرشاد فرمایا بلکہ محض اس وجہ سے کہ اُس وقت دِلوں میں خوفِ اِلٰہی کے جذبات موجزن تھے' اس لیے آپ ﷺ نے غیرت دلانا اور اِس ملعون گناہ سے ڈرانا مناسب خیال فرمایا۔

اِسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اُمّت کو نصیحت فرمائی لا یجلد أحد کم اِمر أته جلدَ العبدِ ثم یُجامعُھا في آخر الیوم (۱)۔

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اِس طرح نہ مارے پیٹے' جس طرح غلاموں کو مارا جاتا ہے کہ پھر دن کے آخر میں وہ ہم بستری کے لیے اُس کا محتاج ہوگا۔''

اب اگر اِس روایت سے کوئی یہ سمجھ لیتا ہے کہ فی الواقع عہدِ رسالت میں ایک شخص نے اپنی عورت کو مارا پیٹا اور جب شبِ تاریک نے اپنی زُلفیں بکھیریں تو وہ حقِ زوجیت کے حصول کے لیے اُس کے پاس پہنچ گیا تو ایسا سمجھنے والا بلا شبہ بڑا احمق اور نادان ہوگا۔

اصل میں بات اِس قدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بڑے ہی بلیغ انداز میں مردوں کو سمجھایا کہ عورت مرد کے لیے جنسی تسکین کا سامان ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ زوجین میں باہم اُلفت و محبت ہو۔ جہاں اِس قسم کا تعلق ہو وہاں تشدد اور بے جا سختی کا کیا کام؟

بالکل اِسی طرح جب زیرِ نظر واقعہ پیش آیا تو خود رسول اکرم ﷺ کے قلبِ اَطہر پر بڑا اثر تھا۔ اُس روز: طَوَّلَ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الظُّھْرِ حَتّٰی کَادَ النَّاسُ یُعْجِزُوْا عَنْھَا مِنْ طُوْلِ الْقِیَامِ (۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری' کتاب النکاح [۶۷] باب ما یکرہ من ضرب النساء [۹۴] حدیث: ۵۲۰۴

(۲) مصنف عبد الرزاق ۷: ۳۲۱' حدیث: ۱۳۳۳۹

26

''آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتیں غیر معمولی حد تک طویل فرمائی کہ لوگ طویل قیام کے باعث تھک گئے۔''

عصر کے وقت آپ ﷺ نے خطبہ دیا جو حالات کے بالکل مطابق تھا، جس میں فرمایا کہ:

''کیا یہ بھی کوئی بات ہے کہ جب ہم جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے چلے جائیں تو کوئی آدمی پیچھے ہمارے اہل و عیال میں رہ جائے اور شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح ممیاتا پھرے......''

یہ ایک عام نصیحت تھی، جس میں نہ تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کا نام لیا کہ وہ ایسا کرتے تھے نہ کسی صحابی یا بعد کے راوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا تھا، بلکہ اِس کے برعکس سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

فحمد الله وأثنى عليه ثم قال : ما بالُ أقوامٍ سقطت على أبي كلمة (۱).

''رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: اُن لوگوں کا کیا حال ہے جو ایک شخص کے منہ سے ایک بات نکال دینے پر اُس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نکتہ چینی اور حرف گیری ناپسند فرمایا تو کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کی اِس طرح برائی کرتے؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

حتى مات فقال له النبي ﷺ خيراً، وصلّى عليه (۲).

''جب اُنہوں نے وفات پائی تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کا ذِکر اچھے لفظوں میں کیا اور اُن کی نماز جنازہ پڑھی۔''

اِس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کا مصداق سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

---

(۱) مسند احمد ۳: ۲-۳

(۲) صحیح بخاری، کتاب المحاربین [۸۷] باب الرجم بالمصلی [۱۱] حدیث: ۶۸۲۰، واللفظ لہ، سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود [۳۲] باب رجم ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ [۲۴] حدیث: ۴۴۳۰]

دوسری روایات سے قطعِ نظر کرتے ہوئے خود اِسی خطبے والی روایت پر غور کیجئے‘ اس کے آخری اَلفاظ ہیں: و لا سَبَّہٗ (۱). ''آپ ﷺ نے اُنہیں بُرا نہیں کہا۔''

سوال یہ ہے کہ اگر خطبے میں سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ ہی کا کردار بیان کیا گیا ہوتا کہ وہ مردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں کے پیچھے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے تھے تو بتایئے کہ اِس سے زیادہ کسی کی کیا بُرائی ہوسکتی ہے؟ اور پھر و لا سَبَّہٗ کا کیا مطلب ہوا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے عادی مجرم ہونے کا کوئی نشان کہیں سے نہیں ملتا۔ یہ شرافت کی کون سی قسم ہوگی کہ چودہ سو سال بعد کے ایک محقق و مصنف خواہ مخواہ ایک صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہ کو بدمعاش اور گُنڈا ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں؟

سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ

مولانا اصلاحی صاحب پورے وثوق سے لکھتے ہیں کہ:

''میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی‘ اس وجہ سے میں اُن روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بناء پر مستحق رَجم ٹھہرا۔...... جب یہ اقرار کرلیا تو آپ نے اس کے رَجم کا حکم دے دیا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی (۲)۔''

بے شک حدیث کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں‘ لیکن اُن کے مقابلہ میں وہ روایتیں بھی موجود ہیں جن میں نمازِ جنازہ ادا کیے جانے کی تصریح بھی موجود ہے‘ مثلاً:

[۱] سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: حتی مات فقال له النبي ﷺ خیرًا و صلّٰی علیه (۳).

''جب اُنہوں نے وفات پائی تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کا ذِکر اچھے لفظوں میں کیا اور اُن کی نماز

---

(۱) صحیح مسلم‘ احادیث: ۱۶۹۲‘ ۱۶۹۴‘ سنن ابی داؤد‘ حدیث: ۴۴۲۲

(۲) تدبر قرآن ۵:۳۶۹‘ بذیل تفسیر سورۃ النور ۲۴:۲

(۳) صحیح بخاری‘ کتاب المحاربین [۸۷] باب الرجم بالمصلی [۱۱] حدیث: ۶۸۲۰‘ واللفظ له‘ سنن ابی داؤد‘ کتاب الحدود [۳۲] باب رجم ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ [۲۴] حدیث: ۴۴۳۰]

جنازہ پڑھی۔"

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: أي: ذَكَرَهُ بجميلٍ.[1]

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے اُن کا ذِکر اچھے لفظوں میں کیا۔"

[۲] سیدنا ابوامامة بن سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ[2] کی روایت میں ہے کہ جس دن سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ سنگسار کیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: تُصلي عليه؟ قال: لا، فلما كان الغد صلى الظهر، فطوَّلَ الركعتين الأوليين كما طوَّلهما بالأمس أو أدنى شيئاً، فلما انصرف قال: فصَلُّوا على صاحبكم، فصلَّى النبي ﷺ والناسُ.[3]

"کیا آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے؟ فرمایا: نہیں! جب اگلے روز ظہر کی نماز کی ابتدائی دو رکعتیں پچھلے روز کی طرح طویل پڑھیں اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور لوگوں نے بھی۔"

اِنھی روایات کے پیشِ نظر حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: تُحمَلُ رواية النفي على أنه ﷺ لم يُصَلِّ عليه حين رُجِمَ، ورواية الإثبات على أنه ﷺ صَلَّى عليه في اليوم الثاني.[4]

"جس روایت میں نمازِ جنازہ کی نفی آئی ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ جس روز سنگ سار کیے گئے تھے اُس دن جنازہ کی نماز ادا نہیں کی گئی اور جس روایت میں نمازِ جنازہ کا اِثبات ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے روز جنازہ کی نماز ادا کی۔"

مولانا اِصلاحی صاحب کی یہ منطق کیسی نرالی ہے کہ وہ روایات میں سے چن چن کر اپنے مطلب کے اَلفاظ الگ کر لیتے ہیں اور جہاں روایت کا وہ حصہ آجاتا ہے جو اُن کے مفاد کو نقصان پہنچاتا

---

(۱) فتح الباری ۱۲: ۱۳۰۔

(۲) اسعد بن سہل بن حُنَیف، انصاری، اوسی۔ وفات نبوی سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے گئے۔ آپ نے اُن کے منہ میں گھٹی ڈالی اور برکت کی دعا کی۔ نام بھی آپ ہی کا تجویز کردہ ہے۔ ۱۰۰ھ کو وفات پائی۔ [اسد الغابة ۱: ۱۱۶، ترجمہ: ۱۰۰، ۵: ۱۵، ترجمہ: ۵۶۹۹]

(۳) مصنّف عبدالرزاق ۷: ۳۲۱، حدیث: ۱۳۳۳۹

(۴) فتح الباری ۱۲: ۱۳۱، بذیل حدیث: ۶۸۲۰

ہے وہ اس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً اُنہوں نے آگے لکھا ہے کہ:

فأمر به فرجم، فسمع النبي ﷺ رجلين من أصحابه يقول أحدهما لصاحبه: أنظر إلى هذا الذي ستر الله عليه، فلم تدعه نفسه حتى رجم رجم الكلب. أبو داؤد، كتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك [رضي الله عنه].

''پس نبی ﷺ نے ماعز کے بارے میں حکم دیا تو اُسے رجم کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنا: اِس بد بخت کو دیکھو اللہ نے اس کا پردہ ڈھانکے رکھا تھا، لیکن اُس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا (۱)۔''

مولانا اصلاحی صاحب نے اِس روایت کو پیش کر کے دو خیانتوں کا اِرتکاب کیا ہے۔

[۱] یہ کہ ترجمہ میں ''بد بخت'' کا لفظ اپنے دل سے ٹھونسا ہے' یہ کسی عربی لفظ کا ترجمہ نہیں۔

[۲] یہ سنن ابی داوٗد کی روایت ہے' جس میں سے اُنہوں نے اپنے مفید طلب جملے تو نقل کیے مگر پوری حدیث نقل نہیں کی۔ آیئے! ہم اس سے آگے کی پوری حدیث نقل کیے دیتے ہیں' جس میں آگے مذکور ہے: فسكتَ عنهما، ثم سارَ ساعةً حتى مَرَّ بجيفةِ حمار، شائل برِجله، فقال: أين فلانٌ وفلانٌ؟ فقالا: نحن ذانِ يارسولَ الله! قال: أنزِلا فكُلا مِن جيفةِ هذا الحمار، فقالا: يانبي الله! من يأكلُ مِن هذا؟ قال: فما نِلتُما من عِرضِ أخيكما آنفاً أشدُّ من أكلٍ منه، والذي نفسي بيده إنه الآن لفي أنهار الجنة ينقمسُ فيها (۲).

''آپ ﷺ خاموش رہے' پھر کچھ دیر تک آپ ﷺ چلتے رہے تا آنکہ آپ ﷺ ایک مُردار گدھے کے پاس سے گزرے جس کی ٹانگ اوپر کو اُٹھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں بیٹھ کر اس مُردار گدھے سے گوشت کھاؤ۔ اُنہوں نے کہا: اللہ کے رسول! اِس سے کون کھا سکتا ہے؟ آپ

---

(۱) تدبر قرآن ۵: ۳۷۱-۳۷۱

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الحدود [۳۲] باب رجم ماعز بن مالک ﷺ [۲۴] حدیث: ۴۴۲۸

ﷺ نے فرمایا: تو تم نے ابھی اپنے بھائی کی ہتکِ عزت کی ہے وہ اِس مُردار کے کھانے سے زیادہ بری بات ہے۔ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً اب وہ بہشت کی نہروں میں غوطے لگاتا پھرتا ہے۔"

مولانا اِصلاحی صاحب کی شقاوت قلبی ملاحظہ ہو کہ یہ جان لینے کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ کے دو صحابہ نے سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں درشت لب ولہجہ اختیار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں سختی سے ڈانٹ دیا، مگر پندرہویں صدی کے امام صاحب ترجمہ میں بد بخت کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اُس درشتی میں اور اِضافہ کر رہے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ رسول اللہ ﷺ قسم کھا کر اِرشاد فرماتے ہیں کہ ماعز بہشتی ہیں اور یہ صاحب اُنہیں کٹّر منافق قرار دیتے ہیں (۱)۔

کاش! مولانا صاحب نے کچھ تو خوفِ الٰہی سے کام لیا ہوتا۔

سیدہ غامدیہ رضی اللہ عنہا

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مسئلہ رجم کی تفصیل کرتے ہوئے سیدہ غامدیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"روایات کے مطالعہ سے بیان کا یہ تناقُض ہی سامنے نہیں آتا، یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی، جس کا نہ کوئی شوہر تھا، نہ سرپرست جو اُس کے کسی معاملے کی ذمہ داری اُٹھانے کے لیے تیار ہوتا۔ وضعِ حمل تک کی مدت اُس نے ایک اَنصاری کے ہاں گزاری، اُس کے اقرار سے لے کر سزا کے نفاذ تک کسی موقع پر بھی اُس کے خاندان یا قبیلہ کا کوئی آدمی مقدمہ کی کارروائی کے سلسلہ میں سامنے نہیں آیا اگرچہ غامدیہ کے کردار کے بارے میں روایات محفوظ نہیں ہو سکیں، لیکن ہمارے نزدیک اس کا معاملہ بھی ماعز کی طرح تھا جس کی بنا پر نبی ﷺ نے اُسے رجم کیا۔ اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بہت سی ڈیرے والیاں تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور اُن کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کراتے تھے، جو اُن کی آمدنی سے فائدہ

(۱) ملاحظہ ہو تدبر قرآن ۵: ۳۷۰

اُٹھاتے تھے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا' لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیر زمین یہ پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے تو سورۃ المائدۃ[۵:۳۳-۳۴] کی آیتِ محاربہ کے تحت آپ ﷺ نے اُن کو رجم کرایا(۱) ''۔

یہ ہے اُس خاتون کی وہ قلمی تصویر جو مولانا اِصلاحی صاحب نے کھینچی ہے جس میں مولانا اصلاحی صاحب نے سیدہ غامدیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بہتان تراشی اور بدگوئی سے کام لیا ہے۔ یہ کوئی آوارہ اور بے خاندان عورت نہیں تھی۔ حدیث کی کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ جب سیدہ غامدیہ رضی اللہ عنہا نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر حد قائم کرنے کی درخواست کی تو:

دَعَا نبي اللّٰه ﷺ وليها فقال: أحسِن إليها فإذا وضعتُ فأتني بها' ففعل(۲).

''نبی اکرم ﷺ نے اُس کے سرپرست کو بلایا اور اُس سے فرمایا کہ اس سے ٹھیک طرح برتاؤ کرتے رہو۔ جب یہ بچہ جنے' تو اُسے میرے پاس لے آنا' چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔''

امام نووی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الإحسان له سببان: **أحدهما**: الخوف عليها مِن أقاربها أن تحملهم الغيرة' ولُحوق العَارِ بهم أن يؤذوها فأوصى بالإحسان إليها تحذيراً لهم من ذلك. **والثاني**: أمر به رحمة لها' إذ قد تابَت' وحرض على الإحسان إليها لِما في نفوس الناس من النفرة من مثلها وإسماعها الكلام الموذى ونحو ذلك' فنهى عن هذا كله(۳).

''رسول اللہ ﷺ نے اُن سے ٹھیک طرح سے برتاؤ کرنے کا جو حکم فرمایا تھا' اس کے دو سبب ہیں:

---

(۱) تدبر قرآن ۵:۲۷۔۳' بذیل تفسیر سورۃ النور ۲۴:۲

(۲) صحیح مسلم' کتاب الحدود[۲۹] باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ[۵] حدیث:۲۴-[۱۶۹۶] سنن ابی داوٗد' کتاب الحدود[۳۲] باب المرأۃ التی امر النبی برجمہا من جُہینۃ[۲۵] حدیث:۴۴۴۰' سنن ترمذی' کتاب الحدود [۱۵] باب تربص الرجم بالحبلیٰ[۹] حدیث:۱۴۳۵' سنن نسائی' کتاب الجنائز[۲۱] باب الصلاۃ علی المرجوم [۶۴] حدیث:۱۹۵۷

(۳) شرح صحیح مسلم ۱۱:۲۰۵

ایک تو یہ کہ رشتہ داروں سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ از راہِ غیرت اُس کو کوئی نقصان پہنچائیں، تو آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو اس سے ڈرانے اور باز رکھنے کے لیے یہ حکم فرمایا۔ دوسرا یہ کہ وہ توبہ کر چکی تھی اور انسانی طبائع تو ایسی عورت سے نفرت کرتی ہیں۔ باتوں باتوں میں لوگ طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے از راہِ شفقت ٹھیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔"

مولانا اِصلاحی صاحب کی غلط بیانی کا پردہ چاک ہو جانے کے بعد مزید کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، تاہم اُنہوں نے جو زبان استعمال کی ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ تو عہدِ نبوت کے عمومی پاکیزہ کردار کے قائل ہیں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ادب و احترام کے تقاضوں سے کچھ آشنا ہیں، یہ کہنا کتنی گستاخی ہے کہ عہدِ رسالت کے پاکیزہ ماحول میں بھی چکلوں کا کاروبار چلتا رہا؟

اِس بات کا کوئی ثبوت نہ تو ذخیرہ حدیث و روایت سے ملتا ہے اور نہ تاریخ اسلام سے، یہ محض اور محض اصلاحی صاحب کے ذہن کی اِختراع ہے۔ دینی کتب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ خیر القرون میں فلاں شخص بد چلنی کا عادی مجرم تھا اور تنبیہ کے باوجود وہ باز نہیں آیا اور بالآخر اسلامی حد نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ بات طے ہے کہ عہدِ رسالت میں رجم کے جو دو چار واقعات پیش آئے ہیں، وہ اتفاقی جرائم کے نتیجہ میں پیش آئے۔ اسی زیرِ نظر واقعہ کو دیکھیے۔ سیدہ غامدیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ملتا کہ وہ کوئی عادی، بدچلن اور فاحشہ عورت تھی، بلکہ اس کے برعکس اتفاقاً اُس سے جرم سرزد ہو گیا، جس کے بعد وہ انتہائی نادِم ہوئیں، کوئی دوسرا اُسے پکڑ کر نہیں لایا، وہ خود ہی طَهِّـرْنِیْ. "مجھے پاک کیجیے۔ کی درخواست لے کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی۔ ندامت اور خواستگاریٔ عفو کے جذبات اُنہیں کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کے دامانِ عفو میں پناہ جوئی کے لیے لائی تھیں، یہی وجہ ہے کہ جب اُن پر حد قائم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس جنازہ کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے۔ غیرتِ اسلامی کے پیکر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: اللہ کے رسول! اس نے تو زنا کا اِرتکاب کیا ہے اور آپ اس کی نمازِ جنازہ ادا فرما رہے ہیں؟ رءوف و رحیم نبی ﷺ نے فرمایا:

والذي نفسي بيده لقد تابت توبةً لو قُسِّمَت بين سبعينَ مِن أهلِ المدينة لَوَسِعَتهُمْ، وهل وجدتَّ أفضلَ مِن أن جادتْ بنفسها(۱)؟

''اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ تو اِس سے اِس درجہ کی توبہ کر چکی ہے کہ اگر اُسے اہل مدینہ میں سے ستّر آدمیوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اُنہیں کافی ہو جائے گی اور اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی جان پر کھیل گئی؟''

جب کہ ایک روایت میں تو یہاں تک موجود ہے:

لَوقُسِّمَ اَجرُها بين أهلِ الحجازِ وسَّعَهُم (۲)

''اگر اُس کا ثواب حجاز کے باشندوں میں بانٹ دیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو جائے گا۔''

قارئین کرام! ہم نہ تو اِس بات کے مدعی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم تھے۔ نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن سے غلطیاں سرزد نہیں ہوئی تھیں۔ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر کسی صحابی کی کسی لغزش کا ذِکر کرنا بھی ہو تو مقامِ صحابیت کا ادب ہر حال میں ملحوظ رہے۔ حدیث کی روایت پوری کی پوری بیان کی جائے اور اَحادیث میں جرم کے ساتھ اُس کی معافی یا توبہ کے متعلق جو کچھ منقول ہو اُس کو بھی لازماً ذِکر کیا جائے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مسلمانوں کا عمومی تأثر مجروح نہ ہو اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اگر سوءِ ظن یا بے اعتمادی پیدا ہو جائے تو خود دینی مأخذ سے بے اعتمادی پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہے۔

سورۃ الفیل کی تاویل

سورۃ الفیل میں اصحاب الفیل کے جس واقعے پر سلف سے خلف تک اتفاق اور اجماع ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کا ایک متعصب عیسائی حکمران ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر ہاتھیوں کے ہمراہ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تاکہ اسے مسمار کر دے۔ قریش مکہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے وہ اس موقع پر قریب کے پہاڑوں میں چلے گئے جب وہ لشکر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان

---

(۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود [۳۲] باب المرأۃ التی امر النبی ﷺ برجمها من جهينة [۲۵] حدیث: ۴۴۴۰

(۲) مسند احمد ۵: ۴۳

وادی محسر میں پہنچا تو اچانک ایک طرف سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے جنہوں نے اس لشکر پر سنگ ریزوں اور کنکروں کی بارش کردی۔ اس کے نتیجے میں ہاتھیوں سمیت پورا لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے خانہ کعبہ کی حفاظت فرمائی اور ابرہہ کا منصوبہ ناکام بنادیا گیا۔ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں سیدنا محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

تمام مفسرین کے اس اجماعی موقف کے برعکس مولانا اصلاحی کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے خداوند نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اور ان کی چال بالکل برباد نہ کردی اور ان پر جھنڈ کی جھنڈ چڑیاں نہ بھیجیں تم ان کو مارتے تھے سنگ گل کے قسم کے پتھروں سے بالآخر ان کو اللہ تعالیٰ نے کھائے ہوئے بھس کی طرح کردیا (۱)''۔

اس کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں: ''ہمارے مفسرین تو عام طور پر کہتے ہیں کہ قریش نے ابرہہ کا کوئی مقابلہ نہیں کیا بلکہ ان کے سردار عبدالمطلب قوم کو لے کر پہاڑوں میں جا چھپے اور خانہ کعبہ کو خدا کے سپرد کردیا کہ جس کا یہ گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا ان کے نزدیک تَرۡمِیۡ کا فاعل طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ہے۔ یعنی چڑیوں نے ابرہہ کی فوجوں پر سنگ باری کرکے ان کو پامال کردیا۔ اگرچہ اس قول پر تمام مفسرین متفق ہیں لیکن گوناگوں وجوہ سے یہ بالکل غلط ہے (۲)''۔

لیکن مولانا ہی کا قول نادرست ہے اس لیے کہ اسلوب قرآن مجید کے خلاف ہے۔ سب سے پہلے اس سورۃ میں قرآن مجید کے اسلوب بیان غور کریں تو آغاز میں اَلَمۡ تَرَ [کیا تو نے نہیں دیکھا] کے الفاظ آئے ہیں یہ اسلوبِ بیان قرآن میں عموماً غیر معین مخاطب کے لیے آتا ہے جسے اصطلاح میں خطاب لغیر معین کہا جاتا ہے اور یہ استفہام انکاری کے طور پر آتا ہے۔ اس اسلوب میں کوئی خاص فرد یا گروہ مخاطب نہیں ہوتا بلکہ عام انسانوں سے خطاب کیا جاتا ہے ہے مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے: اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (۳)

''کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے قوم عاد سے کیا سلوک کیا؟''

(۱) تدبر قرآن ۹:۵۵۷ (۲) تدبر قرآن ۹:۵۶۱ (۳) سورۃ الفجر ۸۹:۶

ایک اور جگہ ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۱)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے۔''

اس طرح سورۃ الفیل کے شروع میں بھی اَلَمْ تَرَ کا خطاب کسی خاص فرد یا گروہ کے لیے نہیں ہے لہٰذا اس سے خاص قریش کو مخاطب ماننا ہرگز درست نہیں ہے۔

مولانا اصلاحی اس اصول کے داعی ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے کی جائے، اس اصول کے مطابق جب ہم سورۃ الفیل پر غور کرتے ہیں تو اس کے کئی نظائر قرآنی مولانا کے موقف کی نفی کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ کا مفہوم، نظائر قرآنی کی روشنی میں

۱- اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ (۲)

''کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے قوم عاد سے کیا سلوک کیا؟''

یہ آیت اپنے انداز بیان ہی سے واضح کر رہی ہے کہ قوم عاد کے لیے جس عذاب الٰہی کی طرف اشارہ ہے اس میں کسی انسانی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ قوم عادِ پر جو عذاب بھیجا گیا وہ کوئی انسانی فعل نہیں تھا بلکہ سراسر قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ کے اسلوب سے واضح ہے کہ اس کے ضمن میں واقع ہونے والے فعل کے فاعل صرف رب تعالیٰ ہی ہیں بالکل اسی طرح سورۃ الفیل کے شروع میں بھی پہلی آیت یوں ہے: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ اس آیت کا اسلوب بیان بھی اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آگے جو فعل بیان ہوگا اس کا فاعل صرف رب تعالیٰ ہی ہیں، بندوں کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا اصحاب فیل کے واقعے کی تفسیر میں ابرہہ کے لشکر کو تباہ کرنے میں بندوں کا- خواہ وہ قریش ہوں یا کوئی اور- قطعاً کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ قریش کے کسی فعل کو بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب بالکل مناسب نہیں ہے۔

۲- سورہ الفرقان کی آیت ۴۵: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے؟''

---

(۱) سورۃ الفرقان ۲۵:۴۵ (۲) سورۃ الفجر ۸۹:۶

ظاہر ہے کہ اشیاء کا سایہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے گھٹتا بڑھتا ہے اور سورج کی روشنی کے مختلف زاویوں سے بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت میں انسانی فعل اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

یہاں بھی اسلوب بیان وہی ہے جو سورۃ الفیل کے شروع میں بیان ہوا ہے۔

۳- سورۃ العنکبوت میں ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (۱)

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔"

اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اشیاء کو پہلی بار پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت ہے اس میں انسانی محنت اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

اس آیت کا انداز بیان بھی سورۃ الفیل کی مذکورہ آیت جیسا ہے لہٰذا اصحاب فیل کی تباہی و بربادی میں بھی قریش یا دوسرے انسانوں کی کسی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

۴- سورۃ نوح میں ہے: اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (۲)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح اوپر تلے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جس طرح سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر تلے پیدا کرنے میں کسی انسان کے کسب و فعل کو دخل نہیں اسی طرح سورۃ الفیل میں بھی اس کے آغاز کے اسلوب بیان میں اصحاب فیل کی تباہی و بربادی میں قریش کو کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ کا مفہوم نظائر قرآنی کی روشنی میں

قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی قوم کی ہلاکت و بربادی کے سلسلے میں اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ کے الفاظ آئے ہیں، وہاں اس کے بعد آنے والا اسم اس قوم کی ہلاکت و بربادی کی شکل کے طور پر آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسی کو عذاب کی صورت قرار دیا ہے۔ قرآن میں اس کی کئی مثالیں ہیں:

۱- فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ (۳)

"پھر ہم نے ان پر بند کا سیلاب مسلط کر دیا۔"

---

(۱) سورۃ العنکبوت ۲۹:۱۹ (۲) سورۃ نوح ۷۱:۱۵ (۳) سورۃ سبا ۳۴:۱۶

اس مقام پر قوم سبا جس ذریعے اور سبب سے ہلاک ہوئی وہ سَيْلُ الْعَرِمِ ہے جو اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ کے فوراً بعد آیا ہے بالکل یہی اندازہ سورۃ الفیل کا بھی ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ (۱)

"تا کہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں۔"

اس جگہ پر قوم لوط کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ "تا کہ ہم ان پر مسلط کر دیں" کے بعد حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ "کھنگر کے پتھر" آیا ہے جو کہ قوم کی ہلاکت و بربادی کی شکل ہے۔ بالکل یہ معاملہ سورۃ الفیل میں بھی ہے۔ وہاں بھی وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ میں طَيْرًا اَبَابِيْلَ ہی اصحاب فیل کی تباہی کی صورت اور ذریعہ بنے ہیں نہ کہ قریش کا پتھراؤ یا کچھ اور۔

وَفِي عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ (۲)

"اور عاد کے بارے میں جب ہم نے ان پر منحوس آندھی چلا دی۔"

اس مقام پر جس طرح اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ کے بعد جو اَلرِّيْحَ الْعَقِيْمَ "منحوس آندھی" ہے وہ قوم عاد پر عذاب کی شکل ہے جس سے ان کی ہلاکت و بربادی ہوئی، بالکل اسی طرح وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ "اور ہم نے ان پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ مسلط کر دیے" میں بھی اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ کے بعد طَيْرًا اَبَابِيْلَ "جھنڈ کے جھنڈ پرندے" آیا ہے تو یہی عذاب الٰہی کی وہ صورت ہے جس کے ذریعے اصحاب الفیل کی تباہی و بربادی ہوئی اس کے باہر عذاب کا کوئی اور سبب تلاش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تَرْمِيْهِمْ کا مفہوم

مولانا اصلاحی تَرْمِيْهِمْ میں فعل کا فاعل قریش کو قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کا سرے سے اس سورۃ میں کہیں ذکر نہیں البتہ آگے سورۃ قریش میں موجود ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اَلَمْ تَرَ کا خطاب عام اور غیر معین ہوتا ہے اس سے کوئی خاص گروہ مراد لینا قرآنی اسلوب کے خلاف ہے اس لیے یہاں قریش مخاطب نہیں ہو سکتے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ

---

(۱) سورۃ الذاریات ۵۱:۳۳ (۲) سورۃ الذاریات ۵۱:۴۱

تَرْمِیْھِمْ میں فاعل کی ضمیر اپنے قریبی مرجع طَیْرًا اَبَابِیْلَ کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پرندوں کے جھنڈ ہی تھے جو ہاتھی والوں پر کنکریاں پھینکتے تھے اور جس کے نتیجے میں اصحاب فیل تباہ ہوئے۔

اس مقام پر وہ کہتے ہیں کہ عربی زبان میں رمی کا فعل کسی چیز کو صرف بازو یا فلاخن [1] کے ذریعے پھینکنے کے معنوں میں آتا ہے اور یہ لفظ اوپر سے کسی چیز کو گرانے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربیت میں رمی کا لفظ کئی معنوں میں آتا ہے اس کے معنی کسی چیز کو ہاتھ یا فلاخن سے پھینکنے کے بھی ہیں اور بلندی سے نشانہ باندھ کر کوئی چیز نیچے گرانے کے بھی ہیں۔ اصل میں اس لفظ کے مفہوم میں بلندی یا پستی کا کوئی مفہوم شامل نہیں بلکہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم کسی چیز کا نشانہ لے کر اس پر کوئی شے پھینکنا ہے۔ اہل عرب آج کل لڑاکا اور بمبار طیاروں کی گولہ باری اور بمباری کے لیے بھی یہی رمی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن میں رمی کے مجازی معنی کسی پر تہمت لگانے، الزام تراشی کرنے اور بہتان طرازی کرنے کے بھی آئے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (۲)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔''

لہٰذا رمی کے لفظ کو صرف بازو اور فلاخن کے ذریعے کسی چیز کے پھینکنے کے معنوں میں محدود اور منحصر سمجھنا عربیت کے خلاف ہے۔

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کا مفہوم نظائر قرآنی کی روشنی میں

قرآن مجید میں بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کے الفاظ اس انداز میں صرف دو بار آئے ہیں اور دونوں مقامات پر ان سے مراد عذاب الٰہی کے پتھر ہیں نہ کہ انسانوں [یا قریش] کے پھینکے ہوئے پتھر۔

-فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ (۳)

---

(۱) فلاخن = فلاسنگ: فارسی زبان کا لفظ ہے۔ مؤنث مستعمل ہے۔ گوپھن کو کہتے ہیں۔ وہ رسی کا پھندہ جس میں رکھ کر پتھر پھینکتے ہیں۔ [فیروز اللغات، اردو، جامع: ۹۳۷]

(۲) سورۃ النور ۲۴:۴ (۳) سورۃ ہود ۱۱:۸۲

''جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کی بلندی کو پستی بنا دیا اور ہم نے وہاں کھنگر کے پتھر برسا دیئے۔''

یہ قوم لوط پر عذاب الٰہی کی کیفیت کا بیان ہے اس میں حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے عذاب کے پتھروں کے لیے آئے ہیں۔ ان سے انسانوں کے پھینکے ہوئے پتھر یہاں کسی صورت میں مراد نہیں لے جا سکتے۔

- فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (۱)

''پھر ہم نے اس بستی کو زیر وزبر کر دیا اور ان لوگوں پر کھنگر کے پتھر برسا دیے۔''

اس جگہ بھی حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ انسانوں کے پھینکے ہوئے پتھروں کے مفہوم میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی صورت میں برسائے گئے ان پتھروں کے لیے استعمال ہوئے ہیں جن کے ذریعے قوم لوط کو تباہ برباد کر دیا گیا تھا۔ بالکل یہی الفاظ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ جب سورۃ الفیل میں بھی آئے ہیں تو ہم کیوں نہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابرہہ کے لشکر پر عذاب کی صورت میں برسائے گئے پتھر مراد لیں جو ان پرندوں کے ذریعے پھینکے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر مسلط کر دیا تھا جب یہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو سکتی ہے تو کیوں ان الفاظ کی دور از کار تاویلیں کرنی شروع کر دیں۔

لشکر کی تباہی اور حاصب

مولانا اصلاحی کے مطابق اصحاب فیل کا لشکر تباہ کرنے میں دو عناصر کار فرما تھے۔ ایک قریش کی طرف سے پتھر پھینکنا اور دوسرے اچانک سخت آندھی [حاصب] آ جانا۔ مگر یہ تاویل کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔

- اول یہ کہ اس آندھی [حاصب] کے آنے کا کوئی ذکر سورۃ الفیل میں نہیں صرف پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جانے کا ذکر آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں کون سی تاویل اختیار کی جائے وہ جسے قرآن بیان کرتا ہے یا وہ جسے قرآن بیان نہیں کرتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اصحاب فیل کی تباہی میں

---

(۱) سورۃ الحجر ۱۵:۷۴

آندھی [حاصب] کا عنصر شامل کرنا ایک غلط تاویل ہے۔

-دوم: منیٰ کی پہاڑیوں سے قریش کا وادی محسر میں پتھر پھینک لینا ان دونوں کی وسعت کے باعث ممکن نہیں۔

-سوم: اللہ تعالیٰ سے اگر یہ ممکن ہے کہ وہ بے جان ہوا میں اتنی طاقت پیدا کر سکتا ہے جس کے ذریعے کوئی لشکر تباہ ہو جائے تو کیا اللہ تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ جاندار پرندوں کے پھینکے ہوئے سنگریزوں کے ذریعے کسی لشکر کو برباد نہ کر سکے۔

کلام عرب کی روشنی میں

کلام عرب کی شہادت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابرہہ کا لشکر پرندوں کی سنگ باری ہی سے تباہ ہوا تھا۔ قبیلہ خثعم -جس نے ایک موقع پر ابرہہ کے لشکر کی رہنمائی کی تھی- اس کا شاعر نفیل بن حبیب اس موقع کی نقشہ کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:

حَمِدتُ اللّٰهَ إذا بَصرتُ طَيراً وَخِفتُ حِجارَةً تُلقٰى عَلَينا (۱)

"جب میں نے پرندوں کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور ان پتھروں سے ڈرا جو ہم پر پھینکے جا رہے تھے۔"

قبیلہ عامر بن لؤی کا شاعر عبداللہ بن قیس اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے:

كَادَهُ الأَشرَمُ الَّذِي جَآءَ بِالفِيلِ فَوَلّٰى وَ جَيشُهُ مَهزُومُ
وَ استَهَلَّتْ عَلَيهِمُ الطَّيرُ بِالجُندَلِ حَتّٰى كَأَنَّهُ مَرجُومُ (۲)

"اشرم [ابرہہ] نے، جو ہاتھی لے کر آیا تھا، اس کعبے کے خلاف چال چلی اس کی فوج کو شکست ہوگئی اور وہ پیٹھ دکھا کر لوٹ گیا۔ پرندوں نے ان پر پتھروں سے ہلہ بول دیا اور اس کی حالت یہ ہوگئی کہ گویا اسے سنگسار کر دیا گیا ہے۔"

صحابہ کرام کی تفسیر کی روشنی میں

صحیح بخاری کی حدیث: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الفِيلَ کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے

---

(۱) بلوغ الارب ۱: ۵۴۵ (۲) بلوغ الارب ۱: ۵۵۲

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: جاء أصحاب الفيل حتى نزلو الصفاح -وهو بكسر المهملة ثم فاء ثم مهملة- موضع خارج مكة جهة طريق اليمن ، فأتاهم عبد المطلب فقال: إن هذا بيت الله لم يسلط عليه أحدا، قالوا: لا نرجع حتى نهدمه، فكانوا لا يقدمون فليهم إلا تأخر ، فدعا الله الطير الأبابيل فأعطاها حجارة سوداء فلما حاذتهم فما بقي منهم أحد إلا أخذته الحكّة فكان لا يحك أحد منهم جلده إلا تساقط لحمه (۱).

''ہاتھیوں والے آئے اور وہ صفاح کے مقام پر پہنچ گئے جو مکہ سے باہر [مضافات میں] یمن کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے۔ عبدالمطلب ان کے پاس گئے اور ان سے کہا یہ اللہ کا گھر ہے جس پر وہ کسی اور کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔ وہ بولے: ہم اس کو گرائے بغیر نہیں جائیں گے۔ ان کے ہاتھی آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بلا لیے۔ ان کو سیاہ کنکر دے دیے۔ پھر جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان پر کنکر برسائے جس سے وہ سب مر گئے اور کوئی بچ گیا تو اسے حکّہ [جلد کی بیماری] نے آلیا جس سے اس کے جسم کا گوشت اس سے الگ ہو کر جاتا تھا۔''

حاصل بحث

دراصل سورۃ الفیل کا مرکزی موضوع قریش کو ہیرو بنا کر پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کو ان کو محض معاون و مددگار ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے نوع انسانی کے سامنے یہ حقیقت کھول کر بیان کی ہے کہ فی الواقع وہی قادر مطلق ہے۔ سب کے سامنے اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ تھی جس نے خانہ کعبہ کی حفاظت فرمائی کیونکہ قریش کے لیے بیت اللہ کا دفاع کرنا ممکن نہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کمزور اور حقیر مخلوق پرندوں کے ذریعے ایک بڑے طاقتور دشمن کو نیست و نابود کر دیا اور قریش کو بھی ہلاکت و بربادی سے بچا لیا۔ شرک کے پجاری اور ان کے جھوٹے معبود سب بے بس تھے مگر اس موقع پر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ تھی جس نے اپنے گھر کو اور اہل مکہ کو ایک عظیم خطرے اور آفت سے محفوظ رکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق اور معبود حقیقی ہے۔

فصل ھفتم

27

پشتو زبان میں چند مشہور تفاسیر

انگریزوں کی عملداری سے پہلے صوبہ خیبر پختونخواہ[سابقہ N.W.F.P] میں علمی اور تعلیمی زبان فارسی تھی۔ پشتو زبان صرف گھریلو زبان کے طور پر بولی جاتی تھی اس سے زیادہ اس کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک پشتو زبان میں قرآن مجید کی کوئی نمایاں خدمت نہیں ہوئی۔ پختون، دین و مذہب کے دلدادہ تھے، ان کا دینی جذبہ بلند تھا۔ وہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے خواہاں تھے مگر اس غرض کے لیے وہ عموماً فارسی زبان کی تفسیر حسینی (۱) وغیرہ کو سامنے رکھتے۔

تفسیر یسیر (۲)

مولانا مراد علی بن مولانا عبد الرحمٰن سیلانی' ساکنِ کامہ، جلال آباد کی تصنیف ہے۔ مصنف بڑے عالم اور مشہور صوفی تھے۔ انہوں نے ۱۲۸۲ھ میں اس تفسیر پر کام شروع کیا اور دو سال کے اندر اندر

---

(۱) کمال الدین حسین بن علی' کاشفی' واعظ' ہروی کی تصنیف ہے۔ تفسیر کا نام المَوَاھِبِ العَلِیَّة ہے جس نے تفسیر حسینی کے نام سے شہرت پائی۔ مصنف نے ۹۰۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ ابوالفضل محمد بن ادریس بدلیسی المتوفی ۹۸۲ھ نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔[کشف الظنون ۱:۴۴۶]
مولوی فخر الدین صاحب نے تفسیر سعیدی کے نام سے اس کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جو بعض دفعہ تفسیر قادری کے نام سے بھی شائع ہوا۔
علامہ عبدالحق حقانی نے مقدمہ تفسیر میں لکھا ہے کہ مصنف شیعہ تھے۔
اس کتاب میں ضعیف' بے اصل اور موضوع روایات کی بھرمار ہے۔ تفسیر میں شرکی مواد بکثرت پایا جاتا ہے۔
علامہ حقانی تو مصنف کو اندر سے شیعہ کہتے ہیں مگر اس تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رافضی تھے۔
(۲) اس مضمون کا بیشتر حصہ حافظ محمد ادریس صاحب کے مضمون ''پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ'' سے حک و اضافہ کے ساتھ ماخوذ ہے، جو سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے قرآن نمبر ۳:۶۵۹-۶۶۵ میں شامل اشاعت ہے۔

اسے مکمل کیا۔ مصنف نے لفظ اِفرَاغ [۱] سے سالِ آغاز اور لفظ غـرَنْدَل [۲] سے سالِ اتمام کی تاریخ نکالی ہے۔

مولانا موصوف عربی، فارسی اور پشتو کے ادیب تھے اور تینوں زبانوں میں نظم ونثر لکھنے پر خاصی قدرت رکھتے تھے اس کے ساتھ آپ کے معتقدین اور مریدین کا وسیع دائرہ بھی تھا اس لیے اُن کی تفسیر بہت جلد مقبول ہوئی اور پختونوں کے علاقوں میں اس کو پوری پذیرائی ملی۔

تفسیر یسیر کے سببِ تالیف کے بارے میں فاضل مؤلف لکھتے ہیں:

قَدْ أَلَحَّ عَلَيَّ بعضُ الإخوانِ المُكَرَّمِينَ لَدَيَّ بينَ أبناءِ الزَّمان ، الذين لايَدَعُني مُجالَسَتُهم ثم لايَسَعُنِي مُخالَفَتُهم:أنْ أرقَمَ لهم تفسيرالقرآن المجيد و ترجمة الفرقان الحميد باللسانِ السليماني مع إختصارِ المَباني ، ليسهل على الطالبين ضبطه ولا يعصب على الحالبين ربطه فشرعتُ فيه بتوفيق الملك المنان 'ومنه النصرو الهداية 'و عليه التُّكلان [۳].

''میرے کچھ نہایت محترم ومکرم بھائیوں نے میرے سامنے اِلحاح وزاری کی، میں جن کی مجالس میں مسلسل شریک ہوتا رہتا ہوں اور جن کی بات کی مخالفت میرے ممکن ہی نہیں کہ میں اُن کے لیے نہایت اختصار کے ساتھ سلیمانی [پشتو] زبان میں قرآن مجید کی تفسیر اور فرقان حمید کی ترجمہ لکھوں تا کہ طلباء کے لیے اُس کا ضبط آسان ہو اور علماء کے لیے اس ربط آسان ہو اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ۔ جو ملک ومنان ہے ۔ شروع کی ۔ ہداہت ونصرت اُس کی جانب سے ہیں اور اُس پر میرا توکل وبھروسہ ہے۔''

آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

دارم اُمید آنکہ فہیمانِ روزگار تفسیرِ من قبول نمایند ہر زماں

---

(۱) علم الاعداد کے مطابق اس سے ۱۲۸۲ نکلتا ہے۔

(۲) تفسیر یسیر ۲:۱۰۵۴۔ علم الاعداد کے مطابق اس سے ۱۲۸۴ نکلتا ہے۔

(۳) تفسیر یسیر ۱:۳، اسلامی کتب خانہ، پشاور، بدون تاریخ

زیرا کہ در جہانست تفاسیر بے شمار لیکن نہ با زُبانِ سلیمانی اند آں

اِفراغ سال پنجم شوال شد شروع تفسیر بہر زمرۂ افغاں بایں زباں (۱)

''امید ہے کہ زمانے کے لائق وفہیم لوگ میری تفسیر کو قبولیت کی نظر سے دیکھیں گے اس لیے کہ دنیا جہاں میں اَن گنت تفاسیر موجود ہیں لیکن پشتو زبان میں کوئی تفسیر نہیں۔''اِفراغ'' کے سال پانچ شوال کو افغانوں کی زبان میں اس تفسیر کی ابتدا ہوئی۔''

تفسیری منہج

۱- مصنف، قرآنی آیت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ساتھ ساتھ ترجمہ اور تفسیر کرتے جاتے ہیں۔

۲- آیت کے ختم ہو جانے کے بعد تفسیر سے متعلق مزید متعلقات علیحدہ بھی لکھ لیتے ہیں۔

۳- ترجمہ میں قرآنی الفاظ کی رعایت تو کی گئی ہے مگر ترجمہ نیم لفظی اور نیم محاورہ قسم کا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ بڑی حد تک یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے۔

۴- شانِ نزول اور سببِ نزول کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور اکثر وبیشتر آیات کے ترجمہ سے پہلے شان نزول بیان کرتے ہیں۔

۵- کسی آیت کے مقدّ رات، اشارات، دلالات اور اقتصارات کا تشریحی ذکر ترجمہ ہی میں کر جاتے ہیں۔ اسی طرح پڑھنے والا اگر چہ ترجمہ اور تفسیر میں فرق نہیں کر سکتا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ قرآن مجید کے حکیمانہ اسلوب کو اَخذ کر لیتا ہے۔

۶- تفسیر قرآن مجید کے ضمن میں فاضل مصنف نے اسرائیلیات کی روایت میں بڑی فراخ دلی دکھائی ہے اور کئی مشکل مقامات کو سلجھانے کے شوق میں اور زیادہ اُلجھا گئے ہیں۔

۷- ہر سورۃ کے آخر میں تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کی پیروی کرتے ہوئے سورۃ کے فضائل پر مشتمل احادیث نقل کرتے ہیں، جن میں سے اکثر ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔

---

(۱) تفسیر یسیرا:۳، اسلامی کتب خانہ پشاور، بدون تاریخ

تفہیم یسیر کے ماخذ: رازی، کشاف، نسفی، خازن، ثعلبی، زاد المسیر، طبری، ماوردی، ابن ابی حاتم، ابن کثیر، بیضاوی، الوسیط للواحدی

۸- مفسر چونکہ بہت اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں، اس لیے موقع اور محل کے مناسب اشعار اور رباعیاں نقل کرتے ہیں۔

تفسیر حبیبی

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی تفسیر ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ ۲۹ جولائی ۱۹۰۰ء کو مولانا محمود الحسنؒ کے ہاں ضلع مردان کے علاقہ سدھوم کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوتر پان میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنے دور کے متبحر عالم تھے۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور فقہ پر عبور حاصل تھا۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور، ہند سے فارغ التحصیل تھے۔ أحسن الحُجَج لِدفع الأعوج کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے ''مقام محمود'' کے نام سے شائع کیا۔ دوسری کتاب مظہر حق کے نام سے لکھی جو تا حال مخطوط ہے۔ آپ کے اَجداد علاقہ حسن زئی، مداخیل سے آئے تھے۔

ہاشم علی خان- جو اَشملی خان کے نام سے مشہور ہیں- اس خاندان کے جد امجد ہیں۔

حصول علم اور سرگرمیاں

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اپنے دو ساتھیوں: فضل رحیم اور میر زمان کی معیت میں ۱۹۱۲ء کو دار العلوم دیوبند، ہند میں دینی علوم کے حصول کے لیے داخل کیے گئے جہاں آپ نے درسِ نظامی کی ساری کتابیں پڑھیں۔ حدیث کی کتابیں بھی وہاں پڑھیں اور ۱۹۲۰ء کو سند فراغت حاصل کی۔

۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، جس کی سند اُن کے ایک خط [محررہ: 02.3.1963] کے مطابق کیڑے کھا گئے۔

۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۳۴ء میں سرکاری سکول میں اریبک پوسٹ پر تعینات کیے گئے۔

۱۹۴۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۴۸ء میں حاجی صاحب ترنگزئی کی معیت میں جہادِ کشمیر میں حصہ لیا۔ مینڈر کا علاقہ فتح کیا۔

حاجی صاحب موصوف کی جماعت ''ناجیہ'' کے رکن رہے۔ ''مجاہد کشمیر'' کے مصنف جناب تحسین اللہ صاحب نے مولانا کی ذاتی ڈائری کے حوالے سے جہادِ کشمیر پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے۔۱۴۔اگست ۱۹۴۷ء کی رات اُن کی قیادت میں ایک بڑا جلوس نکلا اور انہوں نے ''پولیس سٹیشن ،رستم'' پر پاکستانی پرچم لہرایا۔

سرکاری سکولوں میں عربی زبان کے مدرس رہے ہیں۔سیاسی بنیادوں پر ملازمت سے برخاست کیے گئے مگر خان عبدالقیوم خان نے ملازمت پر دوبارہ بحال کیا۔برخاستگی کے زمانہ کے بقایاجات ملے تو خزانے میں واپس جمع کروایا۔

۱۹۵۷ء میں سفرِ حج پر گئے۔چھ ماہ کا عرصہ لگا۔واپسی پر اپنے مشاہدات وتاثرات پر مبنی ''تحفہ حج'' لکھا۔آپ کے منظوم کلام کے کچھ نمونے بھی اس کتاب میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

۹۔مارچ ۱۹۷۹ء کو وفات پا گئے۔رستم میں ایسا فقید المثال جنازہ کسی کا نہیں پڑھا گیا۔

وطن واپس آجانے کے بعد اپنے آبائی گاؤں ''کوترپان'' میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا مگر مقامی خوانین اُن کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے،جس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا صاحبؒ اُنہیں غریبوں پر ظلم وستم سے روکتے تھے اس لیے وہ مولانا صاحبؒ کو اپنا دشمنِ اول سمجھتے تھے۔آپ نے خوانین کے ساتھ ٹکر لی اور پھر رستم ہجرت کر گئے جہاں اُنہیں اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے کا اچھا موقع ملا۔انہوں نے اَن گنت کتابیں لکھیں جن کی اکثریت دیگر زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کے پشتو تراجم ہیں۔اُن کی کتابیں یہ ہیں:

[۱] انوار القرآن،قرآنی ڈکشنری،جس میں لغت اور علم صرف پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔تفسیر کے ابتدائی تین پاروں کے بعد شاید یہ خیال آیا ہے اس لیے اِن پاروں میں اسی عنوان کے تحت کچھ نہیں لکھا گیا البتہ چوتھے پارے سے ''انوار القرآن'' کے صفحات ہر پارہ کے آخر میں شامل کیے گئے ہیں۔

[۲] تبلیغی نصاب کا پشتو ترجمہ

[۳] تحفہ حج

[۴] ترجمہ سیر الصحابۃ

[۵] ترجمہ سیر الصحابیات

[۶] تشریح بخاری۔ صحیح بخاری کی احادیث کا پشتو ترجمہ مع تفسیر و توضیح، تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

[۷] پاکستان میں عیسائی مشنریوں سے خطاب

[۸] تفسیر حبیبی، تیس جلدوں میں، ہر جلد ایک پارہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

[۹] حافظ ابن قیم کی ''کِتَابُ الرُّوح'' کا پشتو ترجمہ

[۱۰] خزینۃ الامثال، عربی ضرب الامثال کا پشتو ترجمہ

[۱۱] خلاصۃ المیراث

[۱۲] شان دار نبی ﷺ

[۱۳] علامہ طنطاوی کی تفسیر ''الجواھر'' کا پشتو میں خلاصہ لکھا جس کا نام رکھا: قرآن مجید اور آج کی ایجادات

[۱۴] علامہ موسیٰ جار اللہ کی عربی کتاب ''ربط السور'' میں ترمیم اور حک و اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

[۱۵] قرآن مجید کی میٹھی میٹھی باتیں

[۱۶] مضامین حبیبی

[۱۷] معجزات النبی و کرامات الولی

[۱۸] مقام محمود

اُن کے ترجمہ [احوالِ زندگی] کا زیادہ حصہ اُن کی خودنوشت ''میرا گاؤں، خاندان، تعلیم، ملازمت اور تصانیف'' سے مأخوذ ہیں جو تفسیر حبیبی کے سولہویں پارہ کے آخر میں شامل اشاعت ہے۔

تفسیری منہج

یہ ضخیم تفسیر چار ہزار اُنسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے ایک ایک پارہ شائع ہوتا رہا۔ اس کا پہلا پارہ ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"نفس کی پاکی قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید ہی انسان کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اسے کہاں سے سمجھا جائے؟ قرآن مجید کی اکثر تفاسیر بڑی حد تک مقاصدِ قرآن کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض تفاسیر میں صرف اعراب [زیر، زبر، پیش وغیرہ] سے بحث کی گئی ہے، جب کہ کچھ تفاسیر علم معانی اور علم بیان کے مسائل کی وضاحت کے لیے لکھی گئیں۔ بعض تفاسیر میں فقہی مسائل کی بہتات ہے جب کہ بعض تفاسیر میں علم ریاضی کے مسائل اور عجائبات پر مشتمل ہے۔ کچھ تفاسیر میں تصوف کا تذکرہ ہے اور اکثر تفاسیر میں اسرائیلیات اور ضعیف روایات کی بھرمار ہے۔"[1]

"مجھے قرآن مجید کے بنیادی اور اصلی مقاصد کا علم "تفسیر منار" سے حاصل ہوا اس لیے میں نے اس کا بیڑہ اُٹھایا کہ پارہ پارہ کر کے اس تفسیر کا پشتو ترجمہ کر کے اسے شائع کروں۔"[1]

- مقدمہ تفسیر میں جمع و تدوین قرآن کا ذکر مختصراً کیا گیا ہے۔
- سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات کا تذکرہ ہے اور لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکی اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتیں مدنی کہلاتی ہیں۔
- ہر سورۃ کی ابتدا میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کی وضاحت کرتے ہیں۔
- ہر سورۃ کے اجمالی مضامین کا تذکرہ کرتے ہیں۔
- مشہور قراءات بیان کرتے ہیں۔
- متنِ قرآن مجید پر وارِد اعتراضات ذکر کر کے اُن کے جواب دیتے ہیں۔
- بعض مقامات پر قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی سے کرتے ہیں، مثلاً: لَارَيْبَ فِيهِ[۳] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ کتاب عیوب سے مبرا ہے اس لیے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ رُشد و

---

(۱) یہ علامہ سید رشید رضا مصری کے مقدمہ قرآن ۱: ۱۷-۲۰ کی ترجمانی ہے۔

(۲) تفسیر حبیبی ۱: ۱۱-۱۲

(۳) سورۃ البقرۃ ۲:۲

ہدایت کی کتاب نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید کی آیات ایسی قوی اور دلائل و براہین سے مزین ہیں کہ کوئی انصاف پسند اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بھی اس پر قادر نہیں تھے، نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت کہ قرآن مجید کو اپنے دل سے گھڑ سکیں اس لیے قرآن مجید آگے فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۱).

''اور اگر تم اُس کتاب سے شک میں ہو جسے ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے تو تم بھی اس کی ایک سورۃ جیسی [کتاب] بنا ڈالو۔''

یعنی جس کا انداز، طریقہ استدلال، معانی وعلوم، اثر انگیزی اور ہدایت یافتگی میں بالکل اس جیسی ہو۔ ایسی کوئی سورۃ نہ پہلے کوئی پیش کر سکا ہے اور نہ قیامت تک کوئی پیش کر سکے گا (۲)۔''

اُن کی یہ تفسیر سورۃ یوسف تک تفسیر المنار سے اور سورۃ الملک تک تفسیر المراغی سے ماخوذ ہے جب کہ بقیہ حصہ پر تفسیر بیضاوی اور محمد عبدہ مصری کا رنگ غالب ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۲۳

(۲) تفسیر حبیبی ۱:۴۲-۴۳۔

علامہ سید رشید رضا لکھتے ہیں: والمعنى أن ذلك الكتاب مبرأمن وصمات العيب فلا شك فيه، ولا ريب تعتريه، لامن جهة كونه من عند الله تعالى، ولافي كونه هادياًمرشداً، ويصح أن يقال إنه في قوة آياته ونصوع بيناته بحيث لايرتاب عاقل منصِفٌ، غيرمتعنت ولامتعسف، في كونه هداية مفاضة من سماء الحق، مهداة إلى الخلق، على لسان أمي لم يسبق له قبل الإشتغال بشيء من علومه، ولا الإتيان بكلام يقرب منه في بلاغته ولافي أسلوبه حتى بعدنبوته، ولهذاقال فيمايأتي قريباً: ۲ :۲۲: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوابِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ . وحاصله: أنه كذلك في كل من نظمه و أسلوبه وبلاغته، ومن معانيه وعلومه وتأثيره في الهداية، لايمكن أن توجه إليه الشبهة، أوتحوم حوله الريبة، سواء أشك في ذلك أحدٌ بجهالته وعمي بصيرته أو بتكلفه ذلك عناداً أو تقليداً أم لا .

[التفسیر المنار ۱:۱۲۴]

تفسیر احسن الکلام

شیخ القرآن سید عبد السلام صاحب رستمی کی تفسیر ہے۔ آپ ۱۳۵۶ھ = ۱۹۳۸ء کو قصبہ رستم، ضلع مردان، صوبہ خیبر پختونخواہ میں محترم عبد الرءوف صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی علوم مولوی عبد الرب صاحب سکنہ شہباز گڑھی، مولوی عبد الرزاق صاحب سکنہ ادینہ، ضلع صوابی، مولوی محب اللہ صاحب کوہستانی اور مولوی محمد میاں گل جان صاحب دیوبندی من تلامذہ شاہ انور شاہ صاحب کشمیری سکنہ گڑیالہ، ضلع مردان [وفات: ۲- جولائی ۱۹۸۸ء] سے حاصل کیے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک اور سنن اربعہ مولوی فضل قدیم صاحب سکنہ کھڈی، مولوی عبد الشکور صاحب کیمبل پوری اور شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبل پوری [وفات: ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء] سے جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ میں ۵۸-۱۹۵۷ء میں پڑھے۔

قرآن کریم کی تفسیر اور ترجمہ اِن اساتذہ سے پڑھا:

- شیخ القرآن مولانا عبد الہادی صاحب سکنہ شاہ منصور ضلع صوابی [وفات: ۱۹۸۷ء]
- شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب [وفات: ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء] سے اپریل ۱۹۵۷ء میں دار العلوم تعلیم القرآن پرانا قلعہ راولپنڈی میں
- شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب سکنہ پنج پیر ضلع صوابی [وفات: ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء] سے مارچ ۱۹۶۰ء میں۔

انہوں نے کئی مفید کتابیں لکھیں:

-۱: التبیان في تفسیر أم القرآن.

سورة الفاتحة کی تفسیر پر مشتمل شیخ صاحب کی اولین تصنیف ہے، جس میں تفسیر کے ذیل میں شرک وبدعت کی اکثر قسمیں رد کی گئی ہیں۔

-۲: الدُّرَرُ المنظومات فِي ربطِ السُّوَرِ و الآیات.

پشتو زبان میں ہے جس میں قرآن مجید کے ہر سورۃ کا سابقہ سورۃ سے ربط، سورۃ کا مرکزی مضمون

خلاصہ مضامینِ سورۃ اور سورتوں کے ممیّزات بیان کیے گئے ہیں۔اس میں ہر سورۃ کے بسم اللہ کا ایسا ترجمہ بھی کیا گیا ہے جس میں سورۃ کے بڑے مضامین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

-۳:بَدرَةُ الصِّلات في تخريج أحاديث المشكاة

مشکاۃ المصابیح کے مضامین کا خلاصہ ہے۔اس میں مشکاۃ المصابیح کے ہر ایک باب میں مندرج اَحادیث کے مضامین کا استخراج کر کے نقل کیا جاتا ہے۔طلباءِ علم حدیث کے لیے نہایت مناسب ہے اس کے پڑھنے سے احادیث سے استخراجِ مسائل کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ہر باب کے آخر میں مَسَائلُ الأصول کے تحت عقیدہ سے متعلق مسائل کو درج کرتے ہیں۔

-۴:توجيهُ النَّاظرين إلى مقاصدِ الكتابِ المبين.

یہ الدُّررُ المنظومات فِي ربطِ السُّوَرِ والآیات ہی ہے جسے عربی زبان کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس کی اشاعت سے اُنہیں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، ریاض اور جدہ میں بھی پذیرائی اور رسائی حاصل ہوئی اور وہاں بھی اَن گنت لوگوں نے ان سے اُن کے خاص طرز میں قرآن مجید کے درس لیے۔

-۵:تنشيط الأذهان في أصول القرآن.

عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔نہایت مفید کتاب ہے۔جس میں قرآن مجید کے مضامین اور علوم قرآن مجید،احادیث نبویہ اور علومِ القرآن کی کتابوں سے مفصل لکھا گیا ہے۔شیخ صاحب چونکہ قرآن مجید کا مرکزی مضمون توحید کو کہتے ہیں اس لیے اثباتِ توحید اور رد بدعات کے لیے اس میں نت نئے مضامین اور عناوین سے بحث کی گئی ہے۔

-۶:الموسوعة القرآنية:

پانچ جلدوں پر مشتمل قرآنی علوم وفنون کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔نہایت مفید اور لاجواب کتاب ہے۔ عربی زبان میں ہے اس لیے عام اردو دان اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

-۷:انکار حدیث سے انکار قرآن تک۔

فتنہ انکار حجیت حدیث کے خلاف نہایت بہترین کتاب ہے۔حجیت حدیث وسنت کو قرآن مجید کی اَن گنت آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۸- مسئلہ ختم نبوت: دوسو صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں قرآن مجید کی ۴۸ آیات سے مسئلہ ختم نبوت کو واضح کیا گیا ہے۔ اجرائے نبوت کے لیے کچھ لوگ قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ مصنف علام نے ایسی گیارہ آیتیں نقل کی ہیں اور اُن کے نہایت وقیع وبیش قیمت جواب لکھے ہیں۔

۹- تفسیر احسن الکلام

نو جلدوں پر مشتمل پشتو زبان میں لکھی گئی ہے، جس میں اُنہوں نے اپنے درس کا طریقہ اور روش اختیار کیا ہے۔ ابتداء میں انیس صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں درج ذیل عنوان قائم کرکے ان سے بحث کی گئی ہے:

[۱] مختصر اصول تفسیر [۲] اسماءِ قرآن کریم [۳] حکمت نزول قرآن کریم [۴] توحید کا معنی اور اس کی قسمیں [۵] شرک اور اس کی قسمیں [۶] صدق رسول ﷺ [۷] صدق قرآن مجید [۹] تفسیر میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا تعارف [۱۰] مسئلہ الٰہ [۱۱] مسئلہ شفاعت

منہج تفسیر

[۱] سورۃ کا سابقہ سورۃ سے ربط و تعلق بے شمار طریقوں سے بتاتے ہیں۔

[۲] سورتوں کا اسمی ربط بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شے ہے جو کسی سابق تفسیر میں نہیں ملتی۔

[۳] سورۃ کے دعویٰ اور مرکزی مضمون کا تعین کرتے ہیں، جو کبھی کبھار ایک سے زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ سورۃ اگر طویل ہے تو اُس میں حصے، ابواب اور فصول بنا کر خلاصہ مضامین لکھتے ہیں۔ مختصر سورتوں کو حصوں اور فصول و ابواب میں تقسیم نہیں کرتے۔

[۴] سورۃ کے فضائل صحیح احادیث کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

[۵] لفظی ترجمہ لکھ کر تفسیر لکھتے ہیں جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بأقوال الرسول ﷺ کو ترجیح دے کر نقل کرتے ہیں۔

[۶] قدیم عربی تفسیروں سے استفادہ اور استناد کرتے ہیں۔

[۷] قرآن مجید کے مشکل مقامات پر خصوصی توجہ دے کر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[۸] سورۃ کے ممیّزات اور ہر سورۃ میں بیان کیے گئے صفات الٰہیہ کو خصوصی طور پر لکھتے ہیں۔

[۹] قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جو متكثرة المعاني الفاظ آئے ہیں' اُن کی پوری تفصیل لکھ لیتے ہیں۔ مثلاً موت کے گیارہ اطلاقات واستعمالات درج کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو جلد اول کا صفحہ: ۱۵۱-۱۵۲۔ یہ معانی اور مفاہیم امام راغب کی المُفردَات في غريب القرآن: ۱۳۸-۱۳۹ سے مأخوذ ہیں مگر شیخ صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

[۱۰] فرق باطلہ کا خوب تعاقب کرتے ہیں اور اُن کے قرآنی متدلات کو ذکر کر کے اُن پر بھرپور تبصرہ کرتے ہیں۔

[۱۱] تفسیر میں بعض اوقات مشہور ترجمہ کے ساتھ دوسرا ترجمہ بھی لکھ لیتے ہیں جو عربی قواعد کے عین مطابق ہوتا ہے' مثلاً: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ (۱) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

-۱: یہ جملہ نافیہ ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے مِن جانب اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جیسا کہ: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲).

''اس کتاب کی تنزیل [درجہ بدرجہ اتارنے] اس میں ذرا شبہ نہیں' رب العالمین کی طرف سے ہے۔''

مفسرین نے بھی اس کے یہی معنی کیے ہیں۔

-۲: یہ جملہ ناہیہ ہے' یعنی: تم اس کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس تفسیر کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ (۳).

''جو کوئی ان [حج کے مہینوں] میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں کوئی فحش بات نہ ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا۔''

امام بغوی نے اس آیت کی ایک تاویل یہ بیان کی ہے: أي: لاشكّ فيه أنه من عندالله' وأنه الحق والصدق' وقيل: هو خبرٌ بمعنى النهي أي: لاترتابوا فيه' لقوله تعالى: فَلَارَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ (۴).

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۲ (۲) سورۃ الم السجدۃ ۳۲:۲ (۳) سورۃ البقرۃ ۲:۱۹۷ (۴) معالم التنزیل ۱:۱۸

”اس کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہی حق اور سچ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نہی کے معنی میں خبر ہے‘ یعنی تم اس میں شک نہ کرو‘ جیسا کہ ایک دوسری آیت کریمہ میں خبر بمعنی نہی مستعمل ہے۔“

علامہ کرمانی (۱) لکھتے ہیں: هذا نفيٌ معناه نهيٌ أي: لا ترتابوا فيه، كقوله: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، أي: لا ترفثوا، ولا تفسقوا، ولا تجادلوا، وقال بعضهم: تقديره: لا ريب أنّ فيه هدىً والقول الأول فيه نظرٌ دقيقٌ في العربية (۲)۔

”اس کے الفاظ نفی کے ہیں‘ جو نہی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں‘ یعنی: تم اس کے من جانب اللہ ہونے میں شک نہ کرو‘ جیسا کہ دوسری آیت میں: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ بھی نہی کے معنوں میں مستعمل ہیں‘ بعض نے اس کی وضاحت میں کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ہے‘ لیکن پہلا قول عربیت کے لحاظ سے نہایت دقیق ولطیف ہے۔“

زین الدین رازی (۳) لکھتے ہیں: قلنا: المرادُ: أنه ليس مَحَلًّا للريب، أو معناه: لا ريب فيه

---

(۱) محمود بن حمزہ بن نصر ابوالقاسم برہان الدین کرمانی‘ تاج القراء۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ کئی کتابیں لکھیں۔ اپنے وطن سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا۔ ۵۰۵ھ = ۱۱۱۰ء کو وفات پائی۔

[معجم الادباء ۱۹: ۱۲۵‘ الاعلام ۷: ۱۶۸]

(۲) غرائب التفسیر‘ کرمانی ۱: ۱۱۴۔ یہ کتاب اَن گنت مقامات پر بے بنیاد‘ مرجوح اور منکر تفسیر پر مشتمل ہے‘ مثلاً لکھتے ہیں: ومن العجيب في حم عسق: قول من قال: الحاء: حرب علي ومعاوية، والميم: ولاية المروانية، والعين: ولاية العباسية، والسين: ولاية السفيانية، والقاف: قدرة مهدي، ثم قال: أردتُ بذكر ذلك أنْ تعلم أنَّ فيمن يدعي العلم أيضاً حمقى. [غرائب التفسیر ۱: ۱۱۲]

”حم عسق کی ایک عجیب وغریب تفسیر اُس شخص کی ہے جو کہتا ہے کہ ”ح“ سے مراد سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی حروب [جنگیں] ہیں۔ ”م“ سے مروانی‘ ”ع“ سے عباسی‘ ”س“ سے سفیانی حکومت اور ”ق“ سے مہدی کی قدرت مراد ہے‘ اُس شخص نے پھر کہا کہ یہ میں نے اس لیے لکھا ہے کہ تیری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ بعض مدعیانِ علم احمق اور بے وقوف ہوتے ہیں۔“

حافظ سیوطی کی تحقیق کے مطابق اس تفسیر کو امام ابومسلم محمد بن بحر اصبہانی معتزلی نے نقل کیا ہے۔ [الاتقان ۴: ۱۸۱]

(۳) محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی‘ زین الدین‘ مختار الصحاح اور أنموذج جليل في أسئلة وأجوبة من غرائب آي التنزيل کے مصنف ہیں۔ آخر الذکر کتاب مسائل الرازي کے مختصر نام سے مشہور ہے۔ ......

عنداللہ ورسولہ والمؤمنین' أو ھو نفي معناہ النھي 'أي: لاترتابوا فیہ أنہ من عنداللہ' ونظیرہ قولہ تعالی وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (۱)(۲)

''ہم کہتے ہیں: یہ کتاب ریب وشک کا محل نہیں' یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ' اُس کے رسول ﷺ اور مؤمنوں کے ہاں اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں' یا یہ نفی ہے' جس کا معنی نہی ہے' اور مطلب یہ ہے کہ تم اس کے من جانب اللہ ہونے میں شک وشبہ نہ کرو' اس کی مثال یہ آیت کریمہ ہے: وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ''بے شک قیامت آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں' یعنی: تم اس کے آنے میں شک نہ کرو۔''

شیخ سید عبدالسلام نے اس امکان کا ذکر کیا ہے کہ یہاں ''نفی، نہی'' کے معنی میں ہے (۳)۔

......رے کے باشندے تھے۔ مصر اور شام کے سفر کیے ہیں۔ آخری بار قونیہ میں ۶۶۶ھ = ۱۲۶۸ء کو دیکھے گئے۔ حنفی فقیہ تھے۔ [الاعلام ۶: ۵۵]

(۱) سورۃ الحج ۲۲: ۷

(۲) مسائل الرازی واجوبتہا: ۳

(۳) احسن الکلام ۱: ۴۷

علمی فہارس

فہرس آیات

28

فہرسِ اَحادیث وآثار

فہرسِ اَعلام

[جن کے مختصر احوالِ زندگی اس کتاب میں لکھے گئے]

29

فہرسِ رُواۃ

[جن کی اس کتاب میں جرح وتعدیل کی گئی۔]

فہرسِ مصادر ومراجع

- آپ بیتی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۶ء
- احکام القرآن، ابوبکر الجصاص الحنفی، سہیل اکیڈمی، لاہور
- احکام القرآن، ابن العربی المالکی، دار الجیل، بیروت، ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء
- احکام القرآن، عماد الدین بن محمد طبری الکیا الہراسی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء
- احوال الرجال، ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب، جوز جانی، المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل، بدون تاریخ
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، طبع اول: ۱۳۹۱ھ = ۱۹۷۱ء
- ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق، ابوزکریا یحی بن شرف نووی، مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ
تحقیق: عبدالباریٔ فتح اللہ السّلفی، طبع اول: ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۷ء
- ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، قسطلانی، دار المعرفۃ بیروت، بدون تاریخ
- اُسدُ الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن الاثیر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
- اِعراب القرآن، ابوجعفر احمد بن محمد بن اسماعیل ابن النحاس، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء
- اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء
- اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء
- ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، اسماعیل باشا ابن محمد امین البابانی البغدادی،
المکتب الاسلامی استانبول ۱۳۶۴ھ = ۱۹۴۵ء
- الابانۃ عن اصول الدیانۃ ابوالحسن الاشعری، مکتبۃ المؤید، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۹۰ء
- الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی، تحقیق: عبدالرحمٰن فہمی زواوی، دار الغد الجدید مصر، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
- الاستذکار، ابن عبدالبر قرطبی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء
- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر قرطبی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۲۸ھ
- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ابن حجر عسقلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ
- الاعلام، خیر الدین زرکلی، دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۷۴ء
- الإکسیر فی علم التفسیر، سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم، طوفی، صرصری، بغدادی، تحقیق:
ڈاکٹر عبدالقادر حسن، مکتبۃ الآداب، قاہرہ، بدون تاریخ

-الإنتصاف أحمد بن المُنیّر ' برہامش تفسیر الکشاف 'مکتبۃ الشیخ ' کراچی 'بدون تاریخ
-الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء 'ابن عبدالبر 'تحقیق: عبدالفتاح ابوغدۃ 'المکتبۃ الغفوریۃ ' کراچی
-بائبل ' کتاب مقدس 'بائبل سوسائٹی 'لاہور
-بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ' سیوطی 'المکتبۃ العصریۃ ' بیروت 'بدون تاریخ
-بلوغ الارب ' محمود شکری آلوسی ' ترجمہ وحواشی: ڈاکٹر پیر محمد حسن 'اردو سائنس بورڈ 'لاہور '۲۰۰۱ء
-بیان القرآن 'اشرف علی تھانوی ' مکتبہ رحمانیہ 'لاہور 'اکتوبر ۲۰۱۱ء
-بیان القرآن ' محمد علی لاہوری قادیانی ' مطبع کریمی 'لاہور '۱۳۴۰ھ
-بیس بڑے مسلمان 'عبدالرشید ارشد 'مدرسہ رشیدیہ 'ساہیوال
-الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث 'احمد محمد شاکر 'جمعیۃ التراث الاسلامی ' کویت '۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء
-البحر المحیط 'ابوعبداللہ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی 'دار إحیاء التراث العربی 'بیروت '۱۴۱۱ھ=۱۹۹۰ء
-البدایۃ والنہایۃ 'ابن کثیر 'مؤسسۃ التاریخ العربی 'بیروت 'بدون تاریخ
-البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع 'محمد بن علی شوکانی 'مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۴۸ھ
-البرہان فی علوم القرآن 'بدرالدین زرکشی 'دار المعرفۃ بیروت 'بدون تاریخ
-البلاغ کا مفتی اعظم نمبر 'دار العلوم کراچی
-تاج التراجم ' قاسم بن قطلوبغا 'تحقیق: محمد عمیر رمضان یوسف 'دار القلم دمشق '۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-تاریخ بغداد 'خطیب بغدادی 'دار الکتب العربیۃ 'بیروت 'بدون تاریخ
-تاریخ الاسلام 'ذہبی 'تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا 'دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء
-تاریخ الطبری = تاریخ الامم والملوک 'محمد بن جریر 'مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت 'بدون تاریخ
-تاریخ الیعقوبی 'احمد بن اسحاق بن جعفر یعقوبی بغدادی 'دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء
-تدبر قرآن 'امین احسن اصلاحی 'فاران فاونڈیشن لاہور '۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء
-تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی 'سیوطی 'دار الکتاب العربی 'بیروت '۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-تذکرۃ الحفاظ 'ذہبی 'دار احیاء التراث العربی 'بیروت 'بدون تاریخ
-تذکرۃ المفسرین 'محمد زاہد الحسینی 'دار الارشاد 'اٹک 'طبع سوم ۱۴۲۵ھ
-تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس 'ابن حجر عسقلانی 'دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء
-تفسیر ابن ابی حاتم 'تحقیق: اسد محمد الطیب 'المکتبۃ العصریۃ 'صیدا 'بیروت '۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء

– تفسیر ابن جریر طبری' دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
– تفسیر احسن الکلام' عبدالسلام رستمی' جامعہ عربیہ لاشاعۃ التوحید والسنۃ' بڈھ بیر' پشاور' بدون تاریخ
– تفسیر حبیبی' حبیب الرحمٰن' دارالتصنیف' رستم' مردان' مختلف اوقات میں پارہ پارہ شائع ہوتی رہی۔
– تفسیر روح المعانی' سید محمود آلوسی بغدادی' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء
– تفسیر سید نعیم الدین مرادآبادی' تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور
– تفسیر عبدالرزاق الصنعانی' دارالکتب العلمیہ' بیروت' بدون تاریخ
– تفسیر عبدالماجد دریابادی' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی' بدون تاریخ
– تفسیر مظہری' قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی' بلوشستان بک ڈپو' کوئٹہ' ۱۳۰۴ھ=۱۹۸۳ء
– تفسیر مظہری' اردو' عبدالدائم جلالی' ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی' بدون تاریخ
– تفسیر یسیر' مراد علی کامہ' اسلامی کتب خانہ' پشاور' بدون تاریخ
– تفسیر التستری=تفسیر القرآن العظیم' ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری' تحقیق: طہ عبدالرؤوف' دارالحرم للتراث' قاہرہ' ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
– تفسیر الخازن' علاءالدین علی بن محمد' وحیدی کتب خانہ' پشاور' بدون تاریخ
– تفسیر القرآن العظیم=تفسیر ابن کثیر' ابوالفداء اسماعیل بن کثیر' تحقیق: مصطفیٰ سید محمد' دار عالم الکتب' ریاض' ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
– تفسیر القرطبی=الجامع لاحکام القرآن' قرطبی: محمد بن احمد' تحقیق: عبدالرزاق المہدی' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
– تفسیر القرآن' سرسید احمد خان' دوست ایسی ایٹس' لاہور' ۱۹۹۸ء
– تفسیر المنار=تفسیر القرآن الحکیم' سید محمد رشید رضا' دارالمنار' قاہرہ' ۱۳۶۶ھ=۱۹۴۷ء
– تفہیم القرآن' سید ابوالاعلیٰ مودودی' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' جولائی ۲۰۰۰ء
– تقریب التہذیب' ابن حجر عسقلانی' تحقیق: محمد عوامہ' دارالیسر للنشر' مدینہ منورہ' ۱۴۳۰ھ=۲۰۰۹ء
– تکملۃ معجم المؤلفین' محمد خیر رمضان یوسف' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
– تلبیس ابلیس' ابن جوزی' دارالفکر بیروت' بدون تاریخ
– تلخیص المستدرک' ذہبی' دارالکتاب العربی بیروت' بدون تاریخ
– تلقیح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ و السير' ابن جوزی' ادارہ احیاء السنۃ' گھر جاکھ' بدون تاریخ
– تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ' ابن عراق کنانی' دارالکتب العلمیۃ بیروت' ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء

- تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ابن زیدان، دار إحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۴ء
- تہذیب الاسماء واللغات، نووی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ=۲۰۰۷ء
- تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۴ء
- تہذیب السنن، ابن قیم، دار ارقم، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۲۸ھ=۲۰۰۷ء
- تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مزی، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء
- تہذیب اللغۃ، ابو منصور محمد بن احمد ازہری، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۱ء
- التاریخ الکبیر، محمد بن اسماعیل بخاری، دار الباز، مکۃ المکرّمۃ، بدون تاریخ
- تاریخ الثقات، عجلی: احمد بن عبداللہ بن صالح، تحقیق: ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی، دار الباز، مکۃ المکرّمۃ، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء
- تفسیر الکشاف، جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، مکتبۃ الشیخ، کراچی، بدون تاریخ
- التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، مکتبۃ مکۃ المکرّمۃ، ۱۹۸۳ء
- التذکرۃ في الأحادیث المشتھرۃ، بدر الدین زرکشی، دار الباز مکۃ المکرّمۃ، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء
- التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۷ء
- التفسیر والمفسرین، ڈاکٹر محمد حسین ذہبی، آوند دانش، نام شہر وسن طباعت ندارد
- جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر قرطبی، دار ابن الجوزی، الدمام، سعودی عرب ۱۴۲۷ھ
- جامع الرسائل، حافظ ابن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر محمد رشاد سالم، دار المدنی، جدۃ، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء
- جلاء العینین بمحاکمۃ الأحمدین، سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الآلوسی البغدادی مطبعۃ المدنی، القاہرۃ، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء
- جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم، المکتبۃ الاثریۃ، لاہور، ۱۹۸۱ء
- جواہر القرآن، غلام اللہ خان، مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی، بدون تاریخ
- الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، سیوطی، دار المعرفۃ بیروت، بدون تاریخ
- الجرح والتعدیل، ابو حاتم رازی، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، بدون تاریخ
- الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، عبدالقادر قرشی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء
- حقائق التفسیر=تفسیر السلمی، ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین ازدی سلمی، تحقیق: سید عمران، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۱ء
- خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر: محمد محبی، دار الکتب المصریۃ، مصر، ۱۲۸۴ھ

–الخطط، احمد بن علی مقریزی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء
–دیوان امرؤ القیس، دار الکتاب العربی، بیروت، بدون تاریخ
–الدرر فی اختصار المغازی والسیر، ابن عبد البر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء
–الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، ابن حجر عسقلانی، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء
–رد المحتار علی در المختار، حاشیۃ ابن عابدین: محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ
–رسائل ومسائل، سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
–روضات الجنات فی اَحوال العلماء والسادات، محمد باقر موسوی خوانساری اصبہانی، بدون نام طابع، ۱۳۴۷ھ
–الرشید کا دار العلوم دیو بند نمبر، عبد الرشید ارشد ایڈیٹر ماہ نامہ الرشید ساہیوال
– سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، سید غلام علی آزاد بلگرامی، مطبوعہ ہند
– سنن ابی داوٗد، اِعداد: عزت عبید الدّعّاس، دار الحدیث بیروت، ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۹ء
– سنن ترمذی: محمد بن عیسیٰ، ترقیم: محمد فواد عبد الباقی، دار الکتاب العلمیۃ بیروت، بدون تاریخ
– سنن دارمی، تحقیق: فواد احمد زمرلی، دار الریان قاہرہ، ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۷ء
– سنن کبریٰ، نسائی، تحقیق: ڈاکٹر عبد الغفار سلیمان بنداری، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۱ء
– سنن نسائی، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدۃ، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ=۱۹۸۸ء
– سیر اعلام النبلاء، ذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء
– شاہ کار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، سید قاسم محمود، الفیصل، لاہور، بدون تاریخ
– شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ابن عماد، دار الکتب العلمیۃ بیروت، بدون تاریخ
– شرح صحیح مسلم، نووی، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ
– شرح مسند احمد، احمد محمد شاکر، دار الحدیث، قاہرہ، مصر، ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۵ء
– شرح السنۃ، حسین بن مسعود البغوی، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
– شعب الایمان، بیہقی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء
– شعلہ مستور، پرویز، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور، ۱۹۹۴ء
– الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، قاضی عیاض، مصطفیٰ بابی الحلبی، مصر، ۱۳۶۹ھ=۱۹۵۰ء
– صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب ارنووط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء
– صحیح بخاری: محمد بن اسماعیل، تحقیق: ابن باز، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء
– صحیح مسلم بن حجاج، ترقیم: محمد فواد عبد الباقی، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ

–صراح، ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد، جمالہ قرشی، مکتبہ فاروقیہ پشاور، بدون تاریخ
–صفة الصفوة، ابن جوزی، دار المعرفة بیروت، بدون تاریخ
–الضعفاء الکبیر، عقیلی، دار الکتب العلمیة بیروت، بدون تاریخ
–الضعفاء والمتر وکین، دار قطنی، دار القلم بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
–الضعفاء والمتر وکین، نسائی، دار القلم بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
–طبقات الحنابلة، ابن ابی یعلی، دار الکتب العربیة بیروت، بدون تاریخ
–طبقات الشافعیہ، عبدالرحیم اسنوی، جمال الدین، دار الباز للنشر والتوزیع، مکة المکرّمة ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء
–طبقات الشافعیة الکبریٰ، عبدالوہاب بن علی سُبکی، فیصل عیسی البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ
–طبقات المفسرین، محمد بن علی بن احمد داوودی، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء
–الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار صادر بیروت، بدون تاریخ
–عصمة الانبیاء، فخر الدین رازی، دار الکتب العلمیة، بیروت
–علل الحدیث، ابن ابی حاتم، المکتبة الاثریة، سانگلہ ہل، بدون تاریخ
–علوم القرآن، گوہر رحمٰن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، اگست ۲۰۰۲ء
–عمل الیوم واللیلة، حافظ ابوبکر احمد بن محمد الدینوری ابن السنی، تحقیق: بشیر محمد عیون، مکتبة دار البیان، دمشق ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء
–عمل الیوم واللیلة، امام نسائی، تحقیق: ڈاکٹر فاروق حمادة، المکتب التعلیمی السعودی بالمغرب، ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء
–العُجاب في بیان الأسباب، ابن حجر عسقلانی، تحقیق: ابوعبدالرحمٰن فواز احمد زمرلی، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء
–العبر في خبر من غبر، ذہبی، دار الکتب العلمیة بیروت، بدون تاریخ
–العقیدة، روایة الخلال، احمد بن محمد بن حنبل، تحقیق: عبدالعزیز عزالدین السیروانی، دار قتیبہ، دمشق، ۱۴۰۸ھ
–غایة النہایة فی طبقات القراء، ابن الجزری، مکتبة الخانجی مصر، ۱۳۵۱ھ = ۱۹۳۲ء
–فتاویٰ ہندیہ [عالم گیری] شیخ نظام، مکتبہ علوم اسلامیہ، چمن
–فتاویٰ ومسائل ابن الصلاح، فی التفسیر والحدیث والاصول والفقہ، تحقیق: ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی، دار المعرفة، بیروت، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
–فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، دار نشر الکتب الاسلامیة لاہور، ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء
–فتح القدیر شرح الہدایة، ابن ہمام: محمد بن عبدالواحد، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ

- فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، عبدالرحیم بن حسین عراقی، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء
- فصوص الحکم، شیخ اکبر محیی الدین ابن عربی، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۵ء
- فضائل اعمال، محمد زکریا، خواجہ محمد اسلام، لاہور، بدون تاریخ
- فضائل القرآن، ابوعبید قاسم بن سلام، تحقیق: وہبی سلیمان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء
- فھرس الفھارس والأثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، دارالغرب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۲ھ = ۱۹۸۲ء
- فوات الوفیات، محمد بن شاکر بن احمد کُتبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء
- الفتوحات المکیۃ في معرفۃ الأسرار المالکیۃ والملکیۃ، شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی ابن عربی، تحقیق: محمد عبدالرحمٰن المرعشلی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
- الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، بدون تاریخ
- قانون التاویل، محمد بن عبداللہ بن العربی، دراسۃ وتحقیق: محمد سلیمان، مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء
- قرآن کریم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، بدون تاریخ
- قصص الانبیاء، عبدالوہاب نجار، دارالجیل، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
- القاموس المحیط، محمد بن یعقوب فیروز آبادی، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء
- کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، محمد علی تھانوی، مکتبۃ لبنان، بدون تاریخ
- کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس، عجلونی: اسماعیل بن محمد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، کاتب چلپی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، بدون کراچی
- الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، ابن حجر عسقلانی، دارالکتب المصریۃ، مصر
- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، قُم، ایران
- الکامل فی ضعفاء الرجال، ابن عدی: عبداللہ جرجانی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
- الکشف والبیان المعروف: تفسیر الثعلبی، ابواسحاق احمد ثعلبی، تحقیق: محمد بن عاشور، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء
- الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی: احمد بن علی، المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورہ، بدون تاریخ
- لباب التأویل فی معانی التنزیل = تفسیر الخازن، علاء الدین علی بن محمد، وحیدی کتب خانہ، پشاور، بدون تاریخ

-لسان العرب' ابن منظور افریقی' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
-لسان المیزان' ابن حجر عسقلانی' دار الفکر بیروت' بدون تاریخ
-لغات القرآن' پرویز' ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور' ۱۹۸۴ء
-اللالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ' سیوطی' تحقیق: صلاح بن محمد بن عویضۃ' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۶ء
-مباحث فی علوم القرآن' مناع القطان' مکتبۃ القاہرۃ' مصر' بدون تاریخ
-مبادی تدبر قرآن' امین احسن اصلاحی' فاران فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۶ء
-متونِ حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات' ڈاکٹر محمد اکرم ورک' الشریعہ اکادمی' فروری ۲۰۱۲ء
-مجمع الزوائد' نور الدین ہیثمی' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
-مجمل اللغۃ' ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا رازی' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء
-مجموع الفتاوی' ابن تیمیہ' دار الکتب العلمیۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء
-مدارک التنزیل=تفسیر النسفی: عبداللہ بن احمد' دار القلم بیروت' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۹ء
-مسند احمد بن محمد بن حنبل' دار الکتب العلمیۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء
-مسند الشہاب' قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی' تحقیق: حمدی عبدالمجید السلفی' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء
-مشاہیر علماء الامصار' ابو حاتم محمد بن احمد بن حبان بستی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۵ء
-مشکوٰۃ المصابیح' خطیب تبریزی' ترقیم: سعید اللحام' دار الفکر' بیروت' ۱۹۹۱ء
-مشکل اعراب القرآن' مکی بن ابی طالب' تحقیق: اسامہ عبدالعظیم' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۲۰۱۰ء
-مشکل الآثار' ابو جعفر طحاوی' دار صادر بیروت' بدون تاریخ
-مُصَنَّف عبدالرزاق' تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی' ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۶ء
-معارف القرآن' محمد ادریس کاندھلوی' فرید بک ڈپو' دہلی' ہند' ۲۰۰۱ء
-معارف القرآن' محمد شفیع دیوبندی' ادارۃ المعارف کراچی' بدون تاریخ
-معالم التنزیل=تفسیر البغوی' ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء
-معالم السنن' شرح سنن ابی داؤد' خطابی' دار الحدیث بیروت' ۱۳۸۸ھ=۱۹۶۹ء
-معاہد التنصیص علی شاہد التلخیص' عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن احمد عباسی' دار الفکر بیروت' ۱۹۹۸ء
-معجم الادباء' یاقوت بن عبداللہ حموی' دار احیاء التراث العربی بیروت' بدون تاریخ

– معجم البلدان، یاقوت بن عبداللہ حموی، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء

– معجم المؤلفین المعاصرین، محمد خیر رمضان یوسف، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، ریاض، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء

– معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، ابوعبید عبداللہ البکری الاندلسی، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

– معرفۃ علوم الحدیث، ابوعبداللہ الحاکم، دارالکتب المصریۃ، ۱۹۳۷ء

– معرفت علوم الحدیث، ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، دارالنوادر، لاہور، ۲۰۱۱ء

– معرفۃ السنن والآثار، بیہقی، تحقیق: سید کسروی حسن، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۱ء

– مفتاح دارالسعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم، دار نجد، ریاض، ۱۴۰۲ھ = ۱۹۸۲ء

– مفہوم القرآن، پرویز، طلوع اسلام گلبرگ، لاہور، مئی ۲۰۰۴ء

– مقالات الالبانی، جمع وتدوین: نورالدین طالب، دار اطلس ریاض، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء

– مقام حدیث، ادارہ طلوع اسلام لاہور، بدون تاریخ

– مقامات مظہری، شاہ غلام علی دہلوی، تحقیق وترجمہ: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۲۰۰۱ء

– مقدمۃ ابن الصلاح، المکتبۃ السلفیۃ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ء

– مقدمۃ التفسیر، راغب: حسین بن محمد اصفہانی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی

– مناقب الشافعی، بیہقی، تحقیق: احمد الصقر، دارالتراث، قاہرہ، بدون تاریخ

– مناہل العرفان فی علوم القرآن، محمد عبدالعظیم زرقانی، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۶ھ = ۱۹۹۵ء

– منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، ابن تیمیہ، المکتبۃ السلفیۃ لاہور، ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء

– موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، بدون تاریخ

– موج کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، طبع پنجم، ۱۹۸۸ء

– موطا مالک بن انس، ترقیم: محمد فواد عبدالباقی، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، بدون تاریخ

– میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ذہبی، دارالمعرفۃ بیروت، بدون تاریخ

– المجروحین من المحدثین، ابن حبان، دارالصمیعی، سعودی عرب، ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء

– المحلّٰی بالآثار، علی بن حزم، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ازہر، مصر، ۱۳۵۲ھ

– المدخل إلی الصحیح، ابوعبداللہ الحاکم، ڈاکٹر ابراہیم آل کلیب، مکتبۃ العبیکان بیروت ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء

– المستدرک علی الصحیحین، ابوعبداللہ الحاکم، دارالکتاب العربی بیروت، بدون تاریخ

– المُصنَّف ابن ابی شیبۃ، تحقیق: محمد عوامہ، المجلس العلمی، جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

-المعجم الأوسط 'طبرانی: سلیمان بن احمد' دارالکتب العلمیۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء
-المعجم الکبیر 'طبرانی: سلیمان بن احمد' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۴ھ
-المعجم المُختص بالمحدثین 'ذہبی' مکتبۃ الصدیق' الطائف' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
-المعرفۃ والتاریخ 'فسوی' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-المغازی' واقدی: محمد بن عمر' دارالفکر' بیروت
-المفردات فی غریب القرآن' راغب: حسین بن محمد اصفہانی' دارالمعرفۃ بیروت' بدون تاریخ
-المُفہم لمااُشکل من تلخیص کتاب مسلم 'احمد بن عمر قرطبی' دار ابن کثیر دمشق' ۱۴۳۰ھ=۱۹۹۹ء
-الموافقات فی اصول الشریعۃ' شاطبی: ابراہیم بن موسیٰ غرناطی' دارالکتب العلمیۃ بیروت' بدون تاریخ
-الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث' ذہبی' مکتب المطبوعات الاسلامیۃ' حلب' ۱۴۲۰ھ
-نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر 'عبدالحی حسنی' طیب اکادمی ملتان' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۱ء
-نفح الطِّیب من غُصن الأندلس الرطیب 'احمد بن محمد المقری تلمسانی' تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس دار صادِر بیروت' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء
-نواہد الابکار وشوارد الافکار ۱-۳' حافظ سیوطی' دراسۃ وتحقیق: احمد حاج محمد عثمان' رسالۃ الدکتوراۃ' جامعہ ام القریٰ' ۱۴۲۳-۱۴۲۴ھ
-النکت علیٰ کتاب ابن الصلاح' ابن حجر عسقلانی' الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ=۱۹۸۴ء
- ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری' ابن حجر عسقلانی' دارنشر الکتب الاسلامیۃ لاہور' ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء
-وجوہ القرآن' ابوعبدالرحمٰن اسماعیل بن احمد حیری نیشاپوری' تحقیق: جلال الاسیوطی' کتاب ناشرون ۱۴۳۲ھ=۲۰۱۱ء
-وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان' احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' منشورات الرضی' قُم' ایران ۱۳۶۴ش
-الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم' مقاتل بن سلیمان' تحقیق: احمد فرید مزیدی' دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۹ھ=۲۰۰۸ء
-الوجوہ والنظائر لالفاظ الکتاب العزیز' ابوعبداللہ حسین بن محمد دامغانی' تحقیق: عربی عبدالحمید علی' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۲ء
-الیواقیت الثمینۃ في أعیان مذهب عالم المدینۃ 'محمد بشیر ظافر ازہری' مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۲۴ھ

اسی قلم سے

الآثار المرفوعة فی الأحادیث الموضوعة	عربی
مفتاح الجنة فی الإحتجاج بالسنة	عربی
احکام دعاء	اردو
احکام عیدین	اردو
انبیاۓ عظام اور صحابہ کرام پر اعتراضات کا علمی جائزہ	اردو
انسائیکلوپیڈیا سیرة النبی ﷺ	اردو
تحفة الأبرار فی شرح المصابیح للبیضاوی	عربی
ترجمة القران الکریم	پشتو
توضیحات	اردو
منتخب علمی مکاتیب	اردو
الخیر الکثیر فی قبسات من کتب التفسیر	عربی
زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین ﷺ	پشتو
قاموس الکتاب	اردو
کتاب الصلاة	اردو
اللباب فی تاویل الفاظ أشکلت فی الکتاب	عربی
المجموعة فی الأحادیث الضعیفة والموضوعة	اردو
مسنون اذکار	اردو
مطالعہ قرآن	اردو
معالم العرفان فی شیئ من علوم القرآن	عربی
معرفتِ علومِ حدیث	اردو